شیریں

سعیدہ مظہر
ایم۔اے

کتاب منزل لاہور

شیریں

طنز و مزاح کا ایک ایسا شاہکار

جس کو آپ ایک بار پڑھیں گے تو پھر ——

نہ جانے کتنی بار پڑھیں گے!

سعیدہ مظہر ایم، اے

کتاب منزل - لاہور

مصنف ——— سعیدہ عروج مظہر

طابع ——— شیخ نیاز احمد

مطبع ——— علمی پرنٹنگ پریس ہسپتال روڈ لاہور

ناشر ——— کتاب منزل کشمیری بازار لاہور

اشاعت ——— اوّل

قیمت ——— تین روپے بارہ آنے

فہرس

پہلا پردہ :—

ہے خبر گرم ....!

بیگم ریاض ہانپتی کانپتی اپنے بھاری بھرکم جسم کو سمیٹتی لپٹتی مئی کی اس گرم جھلسانے والی دوپہر میں چوتھی منزل سے نیچے آئیں —— جہاں ان کے منحنی شوہر نامدار مسٹر ریاض احمد اپنی لائبریری میں نہ جانے کس کونے میں چھپے بیٹھے تھے —— !

"اے توبہ ہے میری سنتے ہو!" انھوں نے اپنی سانس پر بڑی مشکل سے قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "سنو تو —— ہائے نہ جانے کیوں تمھیں میری باتوں سے موٹی موٹی، موئی کتابیں اچھی لگتی ہیں ؟ —— ہائے کبھی یہی باتیں تھیں جنھیں سننے کے لیے مرے جاتے تھے —— کہیں گھڑی دو گھڑی کو مل جاتی تو بھی ایک تقاضا رہتا کہ ایک بات کرتی جاؤ —— بس ایک بات ! —— اور اب یہ موئی نگوڑ ماری وہی زبان، وہی ساری باتیں، پر نہ جانے کیوں تمھیں میری باتوں سے جیسے چڑ سی ہو گئی ہے —— سچ ہے جی زمانہ ہی بُرا آ گیا ہے —— اور پھر مرد تو مرد ٹھہرا —— سچ کہتی تھیں نانی اماں خصم برابر سرہانے کا سانپ برابر —— جب تک بیٹھے بیٹھا رہے، پلٹے تو پھس سے ڈس لے —— الٰہی توبہ —— !!"

اس عرصہ میں مسٹر ریاض احمد ایم اے ایل ایل بی وکیل ہائیکورٹ کتاب پر سے نظریں

اُٹھا بھی چکے تھے ——— کتاب بند بھی کر چکے تھے ——— بیگم کی بوکھلائی ہوئی حالت، تمتمائی ہوئی صورت اور بھربھرائی طبیعت، ایک نامعلوم سی محبت بھری نفرت کو نہ صرف دیکھ رہے تھے بلکہ حسبِ عادت اپنی موٹی سنہری کمانی دار عینک کے موٹے موٹے شیشوں کے پیچھے سے اپنی خاموش طبیعت اور دیرینہ سکوت پسندی کا ثبوت دے رہے تھے۔

بیگم نے رک کر انھیں دیکھا ——— اور اس ٹھنڈے اظہار تعجب پر شاید جس میں ایک فیصد تعجب اور ٹھنڈک ننانوے فیصد تھی ——— اور جل گئیں ——— بھڑک کر بولیں۔

"تو یوں کہو تمھارے آگے نٹوں کا تماشہ ہو رہا ہے؟" اور لپک کر سامنے صوفے پر پھیل گئیں۔

——— "میں کہتی ہوں آخر تم کس مٹی کے بنے ہو؟ اگر تم کشمیری ہو تو کیا کشمیریوں کے سارے وجود میں برف گھلی رہتی ہے؟ دہائی میری ایسی بے حسی سے ——— الٰہی آخر میں کروں تو کیا کروں، غضب خدا کا تم اس طرح انجان بنے بیٹھے رہتے ہو جیسے میں کچھ بھی نہیں ہوں ——— بالکل کچھ نہیں ——— ؟ اور جب دیکھا کہ مسٹر ریاض کی آنکھوں میں مسکراہٹ بڑھتی ہی جاتی ہے تو اور بھی جل کر خاک ہو گئیں۔

شدت اور احساس غم سے گلا رندھ گیا، آنکھوں میں آنسو آ گئے ———

جیسے ہی بیگم نے دوپٹہ آنکھوں پر لیا مسٹر ریاض تڑپ کر اٹھے، صوفے پر پاس ہی بیٹھ کر ہولے سے زانو دبایا ——— اور بولے ———

"بیگم!" آواز کی نرمی سے بیگم کا تاثر اس طرح ظاہر ہوا کہ انھوں نے اجنبیت تک نہ کی، نہ ہاتھ جھٹکا ——— "بیگم!" وہ پھر بڑی آہستگی سے بولے "آخر بات کیا ہے؟"

بیگم دفعتاً تڑپیں ——————

"مجھ سے پوچھتے ہو بات کیا ہے؟" انھوں نے دوپٹہ آنسو بھری آنکھوں پر سے علٰحدہ کر کے ہاتھ پکڑ کر ناک کے قریب لے جاتے ہوئے کہا : غضب خدا کا مجھ سے پوچھتے ہو بات کیا ہے —— تم کبھی اس دنیا میں ہو تو تمھیں معلوم ہو —— تمھیں، تو کتابیں چاہئیں —— یہ موٹی موٹی کتابیں اور دفتر چاہیئے —— موئے وکیل کیا ہو گئے آفت ہو گئے —— اس سے تو بہتر تھا کہ ایک مزدور ہوتے —— شام کو شراب، سینڈھی، بھنگ، چرس، گانجا کچھ بھی ہو پی آتے اور ——————!"

مسٹر ریاض نے جملہ پورا نہ کرنے دیا —— یکایک شگفتہ سے ہو کر بولے "اور —— اور موٹی موٹی گالیوں سے گھر سر پر اٹھا لیتے ——"

اور پھر —————— ؟" بیگم بھی دُو بدُو پر اُتر آئیں ——————

"ہاں بلا سے موٹی موٹی گالیاں ہوتیں —— جھگڑے، مار پٹائی ہنگامے کچھ تو ہوتا —— یہ میرا سونا قبرستان بن تو نہ ہوتا کہ منہ لپیٹے پڑے ہیں —— کتابوں کی دنیا میں غرق ہیں —— نہ بیوی سے سروکار نہ بچوں سے تعلق —— لڑکیاں ہیں کہ پڑی ماری پھر رہی ہیں —— نہ ان کے اچھے کی خبر نہ ان کے بُرے کی خبر —— نہ آئے کی خبر نہ گئے کی خبر...... !"

مگر مسٹر ریاض نے روک دیا ۔

—— "مگر آخر بتاؤ تو بات کیا ہے —— تم تو ہوا سے الجھی جا رہی ہو..... نہ جانے کتنا خون جسم میں جل کر خاک ہو گیا ہوگا ۔ —— جس خون کو اس محبت سے

پالا پوسا اس کو تم یوں برباد کرو ؛ —— آخر تم ہی بتاؤ ۔ شرط انصاف یہی ہے کہ —— ! ——"

بیگم نے ٹھوڑی کی طرف اُن کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو جھٹک کر کہا ——

" اونھ اب رہنے بھی دو یہ چونچلے —— وہی مثل ہوئی بڈھی گھوڑی ——

مسٹر ریاض نے سرک کر عینک کے موٹے شیشوں کے پیچھے آنکھیں چمکائیں

" عجیب مصیبت ہے —— محبت کریں تو خفا نہ کریں تو خفا —— تم تو ہو گئی ہو معمہ نمبر ایک سو گیارہ —— اب کیسے بتائیں کہ تم ہمارے لیے کیا ہو ! "

لیکن بیگم اس گفتگو سے بظاہر خوش نہ ہوئیں حالانکہ اُن کے رخساروں پر سرخی کافی چڑھ گئی تھی —— !

" اچھا بھئی میں کہتی ہوں یہ سب رہنے دو ...... مجھے یہ بتاؤ آخر ان پانچ پہاڑوں کی تھیں، کچھ نکمہ بھی ہے ؟"

مسٹر ریاض "پانچ پہاڑوں" کے مطلوب معنی کو نظر انداز کرتے ہوئے بولے

" بیگم —— ! اگر میں "کشمیری النسل" ہوں تو کیا تم سمجھتی ہو کہ کشمیری ہندوستان کے پورے جغرافیہ سے واقف ہو سکتا ہے ! —— ویسے جاننے کو ہمالیہ، ست پڑا، کنچن چنگا، قراقرم، ہندوکش، بندھیاچل —— !"

" بیگم بپھر گئیں "

" خدا کی مار تمھاری عقل پر —— بھلا تم سمجھتے ہو یہی مطلب ہے میرا ؟"

" پھر —— ! شکل سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مسٹر ریاض کا دل دھڑک دھڑک کر گواہی دے رہا ہے اب پڑی —— اب پڑی، مسکرانے کی کوشش کرتے

ہوئے بولے۔ "تو پھر بتاتی کیوں نہیں؟"

"کیا بتاؤں؟" بیگم نے آنکھیں نکالیں: "تمہارا سر —— اتنی موٹی موٹی عینکوں کے موٹے شیشہ سے بھی تمھیں نظر نہیں آتا کہ پانچ بیٹیاں بیٹھی ہیں جوان پہاڑ پانچ بیٹیاں —— !ایک سانس میں بول گئیں تو سانس بھی چین بول گیا ——" اور پھر ہنستے ہو کر ہمالیہ، ست پڑا، قراقرم —— بتاؤ یہ زرینہ، نثیرین، فوضیہ، خالدہ، عذرا —— کم ہیں پانچ پہاڑوں سے کم ہیں؟"

مسٹر ریاض نے دار سینہ پر پیتے ہوئے انتہائی لاپروائی سے مسکرا کر کہا:۔

"لاحول ولا قوۃ" یہ قصہ تھا —— بیگم میں کتنا ہوں —— کبھی تو کوئی نئی بات کیا کرو —— اری بندی خدا کی آخر یہی تمہاری زبان ہے اور یہی تمھارا ریاض —— پھر تمھیں اب کیوں زرینہ، نثیرین، فوضیہ وغیرہ وغیرہ کے سوا کوئی بات نہیں سوجھی —— اور پھر —— !"

"لیکن —— !"

لیکن انہوں نے بیگم کو بولنے نہ دیا

"لیکن ویکن کچھ نہیں —— میں تو اس کا قائل ہوں کہ:" بڑی عقیدت مندی سے چھت کو آسمان تصور کرتے ہوئے شہادت کی انگلی اٹھا کر قرأت کے ساتھ بولے "بیگم ایمان کی یہ ہے کہ ؏

وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے —— !"

"ہوتا ہے" پر ایک خاص جھٹکا دیا —— اور آنکھیں بیگم کی آنکھوں میں گاڑ دیں ——

وہ تنک کر بولیں ۔

" خاک برسوں سے یہی سنا اور اب بھی وہی "۔ آخر تم ہی بتاؤ اب کے چاند سے ندیمہ کو انیس بھر کے بیس شروع ہو جائیں گے —— یہی اس کے کھانے پینے کے دن ہیں —— تم تو قائل نہیں ہوتے پر —— مَیں تو جانتی ہوں بیسی کھیسی —— بھلا بھوک لگے اور وقت پر کھانا نہ کھائے —— اور بھوک مرسے پر نعمت بھی دو کوڑی کی —— آخر کون سی مار ہے تم پر خدا کی —— کیوں تمھاری آنکھیں نہیں کھلتی —— آخر کیا تم چاہتے ہو میں یونہی اونٹ اونٹ کر جل جل کر دق کا شکار ہو جاؤں —— آخر یہ بتاؤ تمھیں ان کی فکر کیوں نہیں ہوتی ۔ "

مسٹر ریاض احمد پھر مسکرا پڑے ۔

" بھئی بیگم —— تم ہی بتاؤ مَیں کیا کروں —— تم کو کیسے یقین دلاؤں کہ ہر وقت اسی فکر میں رہتا ہوں ۔ اسی لیے پاکستان بننے سے چھ مہینے پہلے پاکستان چلا آیا کہ یہ پانچ نوجوان لڑکیاں اور زمانہ ایسا کہ بیٹی کو ایک پلڑے میں مع اس کی خوبصورتی، خوب سیرتی اور ڈگریوں کے ایک طرف اور روپیہ، زر، زیور جائیداد ایک طرف پھر بھی پلڑا مال و زر کا نیچا رہے —— تم خود جانتی ہو کہ جائیداد کی تبدیلیوں میں کیا کیا پاپڑ بیلے وہ تو اللہ بھلا کرے ٹھاکر اقبال سنگھ کا جنھوں نے وہاں میری جائیداد کا خیال کیا ورنہ ساری عمر بھر کی کمائی، کی کرائی نیکی پانی میں بہہ جاتی —— یہاں بھی بہتری جگہ کوششیں کرتا ہوں لیکن بات جمتی نہیں —— مَیں کیا کروں ؟ "

" یہ تو ٹھیک ۔ ! بیگم نے قائل ہوتے ہوتے پینترا بدلا، مگر یہ بتاؤ آخر اگر اتنا کیا تو اچھا کیا —— اپنی اولاد کے لیے کیا۔ —— آخر اس میں مجھ پر کون سا احسان ہوا ؟ "

کہاں تو مسٹر ریاض کے چہرے پر بجالی سی آ رہی تھی کہاں ایک ہی جملہ میں ٹھنڈے

ہوگئے ـــ بڑی مشکل سے اس گھونسہ کی تاب لاکر بولے

"تو میں تم پر احسان جتا رہا ہوں"

"اے توبہ ـــــ" بیگم نے ایک جان لیوا ادا سے مسکرا کر مسٹر ریاض کو سنبھالا دیا۔" بھلا یہ بھی رنجیدگی کی بات ہے ـــــ لو اور سنو ـــ ہاں تو کہنا یہ تھا کہ کچھ سنا ہے تم نے بھی ؟"

مسٹر ریاض ابھی تک اپنی قربانیوں، دور اندیشیوں اور عقل مندی کے خود ساختہ قصیدہ کی بحروں میں گم تھے ـــ بڑے ٹھنڈے انداز میں بولے ـــ

"کیا ؟"

"اے ہے توبہ میری ـــ تمھیں میری قسم یوں مرا مرا سا لہجہ نہ کر لیا کرو۔ بڑا جی الجھتا ہے، سیدھے انسانوں کی طرح جاندار باتیں کرو ـــ !"

"کہاں کا انسان بیگم ـــ" انھوں نے ٹھنڈی سانس بھری ـــ

ـــــ آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

اور نظریں لائبریری کے کھلے خوبصورت شلف ہیں، "مرقع چغتائی" پر گاڑ دیں :!

بیگم نے اس حالت کو جیسے سونگھا ـــ اور مسکرا کر کریمن کو آواز دی

"اے کریمن ـــــ او کریمن ـــــ !" دور سے آواز آئی ۔

"جی بی بی جی !!"

"اے ذرا یہاں آنا" ـــــ یہ چلائیں ـــــ کافی روز سے لیکن مسٹر ریاض کی نظریں مرقع پر سے نہ ہٹیں ـــ !

"جی بی بی جی !!" کریمن آ گئی ۔

"اے ذرا پاندان اٹھا لا ـــــ اور ہاں بی بی زرینہ سے کہنا دو گلاس آورنج اسکواش کے بھیجیں ـــــ رک کر مسٹر ریاض کو جھنجوڑا "اے آورنج پیئو گے کہ لیمن، کہ انار کا شربت منگواؤں"؟

"ہوں"۔ وہ چونکے "نہیں میں کچھ نہیں پیوں گا"۔

"اے لو اس دھوپ میں کچھ نہیں پیؤ گے ـــــ ہاں کریمن دیکھ اس پنکھے کو ذرا اور تیز کر دے اور ہاں جا جلدی سے اسکواش لے آ۔ ـــــ میرے والے میں برف نہ ڈالنا ـــــ نہ جانے کیوں ویسے ہی گلا بڑا خراب ہو رہا ہے" انھوں نے گلہ دبایا۔

"کیوں کیا بات ہے" مسٹر ریاض نے ہلکی سی تشویش سے پوچھا"۔

"بات کیا ہوتی ـــــ وہ ذرا صبح مکھن والی روٹی پر پانی پی لیا تھا اور کیا؟

"لیکن برف کی تاثیر تو گرم ہوتی ہے"

"اے ٹھیک ہے۔ پر وہ ہو جاتا ہے گلہ اس سے خراب ـــــ"!

مسٹر ریاض ـــ یکایک اٹھ کر ٹہلنے لگے ـــــ قدموں میں ہلکا سا اضطراب تھا ـــــ"!

ـــــ!!

ـــــ!!!

کریمن کے گلاس اور پان دان لانے تک بیگم بڑی محبت بھری نظروں سے انھیں دیکھتی رہیں ـــــ جب وہ سب لا کر رکھ چکی تو کہا ـــــ

"دیکھ بیبیوں کے پاس بیٹھی رہنا ـــــ ان میں سے کوئی ادھر آ نئے

تو پہلے آکر مجھے بتا جانا ـــــــ اور ہاں ـــــ یہ دروازہ بھیڑتی چلی جا ـــــــ !"

منحنی جھبڑی جھبڑی کرین حسب عادت مسکراتی "جی اچھا ـــــ جی اچھا بہت اچھا" کہتی دروازہ بھیڑتی چلی گئی ـــــــ !

"اچھا اب آؤ بیٹھو تو تمہیں ایک بات بتاؤں ـــــ" اب کی مسٹر ریاض قریب آئے تو بیگم نے جھک کر دامن پکڑ ہی لیا ـــــــ !

"نہیں جی اس وقت مجھے میرے حال پر چھوڑ دو ـــــ" اُنھوں نے دامن چھڑانا چاہا ـــــ بیگم مسکرا کر جلدی سے بولیں ـ

"نہیں بیٹھ بھی جاؤ ـــــ اور بات سنو ـــــ تمھیں کس طرح چھوڑ دوں تمھارے حال پر جب میں اپنے حال پر چھوڑی ہوئی نہیں ہوں ـــــ !"

"یعنی"

"یعنی یہ کہ ـــــ وہ آخر ان کو پکڑ کر بٹھاتے میں کامیاب ہوتے ہوئے بولیں "آج تم سے کچھ کھری کھری پوچھ ہی لینا ہے ؟"

"آخر کوئی بات بھی ہے ؟"

"اے بات کیوں نہیں ـــــ بہت بڑی بات ہے ـــــ اچھا یہ بتاؤ !" دفعتاً رک کر گلاس اٹھایا اور بولیں "اے لو یہ پڑا پڑا گرم بھی ہو گیا ہوگا ـــــ پی لو جلدی سے ـــــ !"

"بھئی اسے چھوڑو ـــــ !" مسٹر ریاض نے گلاس لیتے ہوئے کہا "مجھے یہ تو بتاؤ آخر بات کیا ہے ؟"

" بات؛ موٹی بات کیوں نہیں ——— ہاں تو اچھا یہ بتاؤ، زرینہ کا بیاہ آخر کس درجے کے آدمی سے کروگے؟"

" یعنی؟" مسٹر ریاض نے منہ بنا کر پوچھا " اب یہ لغویت نہیں تو اور کیا —— اب میں درجہ بندی کا کیا حساب کروں؛ جمعدار، بھنگی چماروں سے کرنے سے رہا!"

" ہائے توبہ!" جیسے مسٹر ریاض کی بے عقلی پر بڑی مکدر ہو کر بولیں " میں کہتی ہوں تمھیں بات کبھی کرنی بھی آئے گی؟ ——— یہ بتاؤ لڑکے کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے کہ دولت مند؟"

سوال ٹیڑھا تھا ——— اور کافی گہرا ——— مسٹر ریاض نے گلاس منہ سے ہٹا لیا ——— کچھ دیر بیگم کے چہرے کو دیکھتے رہے ——— پھر مسکرا کر بڑی پسندیدہ نظریں بکھیرتے ہوئے بولے ———

" معلوم ہوتا ہے تم پر آخر میری صحبت کا کچھ کچھ اثر ہوتا جا رہا ہے ——— ورنہ تم سے ایسی اہم مسئلہ انگیز بات کی توقع ——— اونھوں!" ہونٹ لٹکا کر بولے " نہ جانے کس طرح آج تم نے میری الجھن کا اصلی سبب دریافت کر لیا!"

" اچھا تو یہ بات ہے!" بیگم کی آنکھوں کی سفید سطح پر غصّہ کی سرخی رینگنے لگی " یہ جناب کا اثر ہے ——— کیا کہنے ——— اچھا مگر بتاؤ تو تمھیں کون سی چیز زیادہ پسند ہے؟"

" بھئی بیگم بڑا لذیذ شربت ہے!" وہ کچھ جھوم کر بولے " اچھا یہ بتاؤ یہ سوال آخر تمھارے دل میں پیدا کیوں ہوا؟"

" یہ آج پیدا نہیں ہوا ——— یہ تو عذرا کی عمر کے دسویں سال سے پیدا

ہو چکا ہے ——— آخر کیسے نہ پیدا ہوتا —— یکے بعد دیگرے پانچ لڑکیاں —— اور بیا پچوان

اب ماشاء اللہ جوان جہان ——— پھر اپنی زندگی ایسی کہ گیارہ سال ہی تمھارے گھٹنے باندھی گئی

——— اور اب اللہ رکھے تیس ایک سال ہونے آئے ہیں ——— وہ تو گونا دیر سے آیا ورنہ جانے

اب تک ——— !"

"اور کتنی لڑکیاں ہو جاتیں !" مسٹر ریاض نے مُسکرائے

"اونھ ! وہ جھلائیں "تمھیں ہی لڑکیاں پسند تھیں اور بیٹھو لیے اپنی لڑکیوں کو !"

مسٹر ریاض کی آنکھیں عینک کے موٹے شیشوں میں سے چمکیں

"مگر بیگم ——— حکماء کا قول تو تمھاری کمزوری کا غماز ہے !"

"یعنی ؟"

"یعنی یہ کہ لڑکی ——— ماں کی خواہش اولاد کی دلیل ہے !"

"ہائے اللہ توبہ ——— بوڑھے منہ مہاسے لوگ دیکھیں تماشے۔

یہ عمر ہونے آئی اور ایسی باتیں نہیں چھوٹتیں ——— اور بیالیس سالہ بیگم ریاض سرخ سرخ ہو گئیں

"ہائے بیگم کیا کریں ع

"لگتی نہیں ——— وہ میرا مطلب ہے چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی !"

اچھا اب بتاؤ ——— ! وہ ذہنی شگفتگی کے زیر اثر جھوم رہے تھے۔

"تو نواب حواسوں میں رہ کے سنو ——— بہکنا چھوڑو ——— وہ زمانہ گیا

وہ دن گئے ——— ہاں تو ابھی ابھی بیگم اشرف آئی تھیں ——— کہتی تھیں نواب خلیق کی

کوٹھی "کاشانہ" میں مرزا شہریار نامی ایک رئیس زادہ کوئی آ رہا ہے ——— !"

"آ رہا ہوگا"

رئیس آرہا ہوگا —— اور پھر جانتے ہو وہ ہے کنوارا !"

"لیکن بیگم —— اول تو رئیس زادہ پھر کنوارا —— یہاں اس ایک ہی محلہ میں دیکھ لو ہر کوٹھی میں دو دو تین تین لڑکیاں نکل آتی ہیں —— آخر ان کا کہیں ٹھکانہ ہونا ہے —— تم تو سمجھتی ہو ہمارا اولیٰ مقام ہے —— سب سے بڑا روگ تو ہماری "مہاجرت" اور دوسرے نو واردیت —— بھلا کون پوچھے گا بات اُ"——

"توبہ ہے" جیسے بیگم کو مسٹر ریاض کی یہ قنوطیت کھل گئی "میں کہتی ہوں یہ نہیں کا نعرہ چھوڑ دو —— کبھی تو اچھی بات منہ سے نکالا کرو —— نہ معلوم کس وقت آمین کا فرشتہ آمین بول جائے —— یہ تو ٹھیک کہ ہم دنیا سے گئے گزرے، سارے عیبوں والے ہیں کہ مہاجر ہیں —— مگر یہ تو بتاؤ —— آخر ایک خوبی تو ہے ہم میں !"

"وہ کون سی ؟ جھٹ انھوں نے پوچھ لیا ۔

"وہ یہ کہ اللہ نے ہمیں اپنے حبیبؐ کے صدقے میں جہاں حسن صورت دیا ہے وہیں حسن سیرت بھی دیا ہے —— اللہ رکھے میری بچیاں میرے منہ میں خاک کیا کوئی شہزادی ہوگی —— اور کیا وہ کسی رئیس گھرانے کا بوجھ بار اٹھا نہیں سکتیں —— بڑی دونوں ایم۔ اے پاس، چھوٹیاں اللہ رکھے ایک بی۔ اے کیے پہلے، دوسری دوسرے اور میری عذرا ایف اے کر کے ڈاکٹری ضرور کرے گی —— اور پھر سینا پرونا وہ جانیں، پر و دان وہ جانیں پکوان میں ماہر، پھر گانا، بجانا، عذرا میری ناچنا بھی جانتی ہے —— ابھی کیا چاہیئے !"

"لیکن بیگم یہ تو تم کہتی ہو —— دنیا کیا کہتی ہے ؟"

"اجی دنیا —— دنیا کی ایسی تیسی —— ہے کوئی ایسی لڑکی پورے محلے کیا پورے شہر بھر میں ؟"

"لیکن بیگم اس دنیا میں ہمیں رہنا ہے ——— اور جو دنیا کہے کہ ہم اچھے تو یقیناً اپنی پوری برائیوں کے باوجود اچھے ——— اور جو کہیں کہہ دیا بُرے ——— تو مَیں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ باوجود اپنی ساری اچھائیوں کے ہم نکمّے ——— اب تم یہ بتاؤ کہ ہماری بچیوں کے متعلق یہاں رائے کیسی ہے؟"

"رائے؟؟" بیگم آنکھیں پھاڑ کر بولیں "لو اور سنو ——— رائے اور تم خود ہی پوچھتے ہو"

"ہاں بیگم بات تو یہی ہے ——— اصلیت کا راز تو تبھی کھلتا ہے اس کا پتہ تو تبھی چلتا ہے جب انسان خود کو پہچانے ——— خود ہی اپنا محاسبہ آپ کرے اور تم تو جانتی ہو ع

آں را کہ حساب پاک از محاسبہ چہ پاک

"پھر"

"ٹھیک ہے" بیگم نے ٹھنڈی سانس بھر کر جیسے اصلی پرابلم کو سمجھتے ہوئے کہا "بھئی ایمان کی تو یہ کہ ہر محفل میری بچیوں سے جگمگا جاتی ہے ———"

"اونھوں!" انھوں نے ایک دم روکا "اپنی نظروں کا نہیں غیروں کی نظروں کا حال بتاؤ؟"

"اجی وہی تو کہہ رہی ہوں!" بیگم بگڑ گئیں "ہر کوئی تعریف ہی کرتا ہے ——— جس محفل میں جاتی ہوں ان کی شادی بیاہ کا ذکر چھڑ جاتا ہے ——— لو بھول گئے پرسوں نواب عالمگیر کے ہاں کیا باتیں ہوئی تھیں۔ ——— تم بھی تو تھے جب!"

"ہونھ! ٹھیک ہے!" وہ مسکرائے "بے شک۔ ہاں نسرینؔ اور زرینہؔ کا

بول بالا تھا۔

"اچھا تو اب بتاؤ کیا ہو شہر یار کا ؟"

یعنی ——— ؟

"یعنی تم جا کر پہلے اُس سے مل آؤ" !

"مَیں ؟"

"کیوں ؟ عیب لگ جائے گا ؟

"ارے اللہ کی بندی کہاں وہ کہاں مَیں ——— ہاں عورتیں ہوں ان کے ہاں تو تم چلی جانا ——— چاہو تو بچیوں کو لیے چلی جانا" ؛

"خوب ! جان نہ پہچان خالہ ماں سلام" ! بیگم نے آنکھیں نکالیں : مَیں بھلا کس طرح جا سکتی ہوں ——— اور پھر بچیوں کا معاملہ ——— !"

"تو وہ صرف میرا رشتہ دار ہے ؟ مَیں اجنبی نہیں اس کے لیے ؟ ——— اچھی منطق ہے" ؛ وہ بڑبڑائے ۔

"لیکن مَیں کہتی ہوں مردوں کو کیا شرم ؟ عزت تھوڑا ہی چلی جائے گی ؛

"یہ بھی اچھی رہی" اور وہ اٹھ کر پھر سے کتابوں کی دنیا میں غرق ہو گئے" !

دُوسرا پردہ :-

جان پہچان .... !

"ہائے آپا زریں سنا کچھ"؟ شیریں دوڑتی ہوئی آئی اور زرینہ کی میز پر تقریباً لیٹ کر بولی "ابّا میاں نے کیا کہا ——"

"کہا کہ ——!" زرینہ نے اس کی بوکھلاہٹ پر چونک کر مسکراتے ہوئے کہا "مصری کی ڈلی تیرے لیے ایک چنیا ڈھونڈ لایا ہوں!"

"ہائے میری توبہ! وہ بھنائی کیا کہتی ہیں آپ —— اجی حضور وہاں تو آپ ہی کی باتیں ہیں —— ہم بے چاروں کو کون پوچھتا ہے!" ہونٹ لٹکا کے سسکیاں بھرنے لگی ——!"

"یہ بات!!" زرینہ نے چھٹی پر جاذب والا کیلنڈر رکھتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ پکڑ لیا —— اپنی بادامی آنکھیں اس کی بڑی بڑی سیاہ دراز پلکوں والی سیاہ آنکھوں میں ڈال کر بولی "تو پھر ٹھہر جا، ورنہ امی سے کہہ کر تجھے بڑا پیارا سا چنیا دلوا دوں گی ناحق اداس مت ہو جا!"

"میں تو اداس ہوں یا نہیں ہوں یہ تو بات ہے بعد کی —— لیکن میری پیاری آپا زریں تو سن لے یہ خبر بعد میرے کہنے کے —— کہ راز ہے اس میں چھپا تیری

بھلائی کا ——— اور خاص تیرے مذاق کا ——— !"

"ہائے سیدھی طرح بول ——— ورنہ ابھی ڈاڑھی لگا دوں گی ——— اچھی خاصی انسان سے مولوی بن جائے گی !" شیریں مسکرائی

"جان آپا ——— بات یہ ہے میں برآمدے والی کھڑکی میں بیٹھی دوپٹہ کی کرن پر آخری ٹانکے لگا رہی تھی ——— ابا میاں باہر سے آئے ——— آتے ہی بڑی توجہ سے دوپٹہ دیکھا ——— پھر کامدانی کے پھول دیکھتے رہے ——— پوچھا کس سے بنوایا ؟ ——— میں نے ہنس کر کہا "شیریں زریں ماہرین زردوزی" سے ——— بڑے چونکے اور کہا :۔ ارے یہ تم لوگ بناتی ہو ——— واللہ کمال کرتی ہو ——— یہ سارا کٹاؤ کا کام بھی تم نے ہی کیا ہے ؟" ——— غرض بڑی مشکل سے یقین آیا ——— پھر اتنے خوش ہوئے کہ میری پیشانی بار بار چومی اور بولے ——— پھر تو مرزا شہریار انشاءاللہ ضرور ہمارا ہوگا ——— بڑا پیارا بچہ ہے !"

"ہئیں یہ مرزا شہریار سے مل بھی آئے ابا میاں ؟"

زرینہ کی ان معلومات پر شیریں جل گئی !

"اچھا آ تو جناب جانتی ہیں اپنے مرزا جی کو ——— اب میں سمجھی ——— یہ جو کل زاہدہ سے سرجھڑ لڑا رہا تھا ——— اچھا آپا جواب کبھی کوئی بات بتائی تھیں ———"

وہ روٹھ کر چلی تو زرینہ میز پھاند گئی ۔

"اری تو اور خفا ہوتی ہے ——— اور اپنی آپا زریں سے ؟ واہ بھئی واہ ۔ کیا کہنے ہیں ——— یہ دیکھ یہ خط تجھے اب بتانے ہی جا رہی تھی ———!"

"چلو رہنے دو آپا ——— میں خوب جانتی ہوں ———!"

"ہٹ ری بدگمان ——— اور پھر جو زینہ نے گدگدیاں کرنی شروع کیں تو شیریں کا تیا پانچہ پکڑ گیا ——— جب تک بیدم نہ ہوئی اس نے اپنی انگلیوں کا سارا گداز خرچ کر ڈالا ——— ———

بڑی دیر بعد دونوں سنبھلی بیٹھی تھیں

" تو آپا ——— امی نے یہ جملہ سن لیا ——— نہ معلوم کہاں سے نکل آئیں ——— حالانکہ وہ گودام میں اناج نکلوانے گئی تھیں ——— بس وہ چونکی ہیں کہ توبہ بھلی کہنے لگیں

"تمھیں کیا خبر مرزا شہریار کی پسند کی ؛ اسی لیے اتنا کہا کہ خدا کے بندے ذرا دو قدم ہل کر پانی پی لو ——— مگر تم نے تو جیسے اس لائبریری میں مال خزانہ گاڑ رکھا ہے "

" لیکن امی ——— میں نے انھیں یاد دلایا " آپ بھولتی ہیں بیگم اشرف کے گھر آخر جائے ہونے والی ہے "

" کون بیگم اشرف ——— ارے وہ ایک ہے ——— کیا میں اُسے نہیں جانتی اللہ رکھے نہ جیتے یا نہ بالے ——— وہ جو ہیں نا دو لنڈوریاں ——— اس کی بھتیجیاں ان کے رکھتے وہ یہیں پوچھیں گی بھی ؛ - بعد کو سارا الزام نوکروں کے سر تھوپیں گی ——— ہائے بہن کیا بتاؤں یہ نگوڑے اللہ مارے نوکر ——— ہائے کم بخت سر دارے کو کتنا جتایا مگر جو اس کو کوئی بات یاد رہ جائے تو تب کی بات ہے ——— اللہ کی قدرت ہے اور تو سب کچھ یاد رکھ لیتا ہے ——— روپیہ پیسہ ایسی ویسی ہر بات تو وہ یاد رکھ لیتا ہے ——— اور بھول جاتا ہے ایسی بات جہاں ہمارا کوئی فائدہ ——— ارے وہ ایک ہے گھاٹی خور تمام زمانے کی ! "

" اور مجھے بڑی خوشی اس بات کی ہے " ابا میاں بولے " کہ تمھیں بی بیگم اشرف پر اس طرح اعتبار نہیں جس طرح مجھے اشرف پر ــــــ بھئی دنیا سازی کوئی ان سے سیکھے "

" لیکن پتہ نہیں امی کو کیوں ابا میاں کی ہر بات پر غصہ آجاتا ہے ــــــ بڑی بکھریں اور تو کچھ شاید بن نہ پڑا بے چاری خالدہ کی شامت آئی ــــــ جھلائیں ــــــ میں کہتی ہوں خالدہ یا تو ملیٹھی ڈاڑھ میں دبا کر سنر لفوں کی طرح یا پھر میرے سامنے یہ کھڑ کھڑ کھڑ نہ کیا کر ــــــ میری تو جان پر بن جاتی ہے ــــــ موئے ہوش و حواس کے بخیئے اکھڑ جاتے ہیں ــــــ!

" لیکن بھئی بے چاری کرے کیا ــــــ تم اس کا علاج تو کرتی نہیں اور بے کار کو اس پر ڈراوا کہ کھانس مت ــــــ اب خوشی تھوڑا ہی ہے اُسے ــــــ یہ بھی ایک ہی رہی بھئی یہ اس کا اپنا گھر ہے دوسرے کا نہیں کہ تھوک کا ڈر ہو ــــــ!

" بس تم خاموش رہو ــــــ میرا منہ نہ کھلواؤ " امی اور بکھر گئیں " لو اور سنو اسی طرح تو تم شیر بناتے ہو ان کو ــــــ کل کو آنکھ میں پانی نہ رہے گا تو رو گے بیٹھ کے. ہاں اور کیا!"

اور خالدہ واقعی شیر ہو گئی ــــــــــــ"

" تو آپا شیریں ہمیں جناح پارک کب جانا ہے ؟ وہ مڑی میری طرف اور اٹھلا کر بولی " جیسے میں اپنی خوشی سے تو کھانستی ہوں"!

اس کے لیے تو ابھی بہت دن ہیں" میں نے جواب دیا۔

" اچھا ــــــ امی پھر چلائیں " تو شیریں تجھے کیسے پتہ چلا کہ جناح پارک میں "روشن آرا کلب" کی میٹنگ ہے۔

" امی ناصرہ نے اپنے بھائی سے کل کہلوایا ہے ــــــ وہاں سنا بہت سے

نئے نئے لوگ آ رہے ہیں —— آپا زریں —— ! شیریں نے رک کر اس کے چہرے کی بڑھتی ہوئی حیرانی کا جائزہ لیا" ناصرہ کا بھائی کتنا تھا مرزا شہریار بھی وہاں آئے گا !

"ہونھ —— ! زرینہ نے انگڑائی لی، نہ جانے کیسا ہے وہ زاہدہ بھی کل کہتی تھی، بڑا ہی سمارٹ لگتا ہے —— اور بالخصوص آنکھیں اور گردن ہائے، وہ کہتی تھی غضب ہے غضب !"

شیریں ہنس پڑی ——

"آپا زریں —— یہ گردن کب سے ناپی جانے لگی ؛ میں تو نہیں سمجھتی کہ کسی مرد کی گردن کی نوٹس لی جانی چاہیئے —— !"

"اچھا یہ تو بتا آخر ابا میاں نے پھر کیا کہا ؟"

"ہاں تو سنیئے، توبہ ہے کس طرح بات میں سے بات نکلتی ہے اور کس طرح میں کہاں سے کہاں پہنچی —— شیریں مسکرائی، تو امی کہنے لگیں —— ہائے مگر کون وہاں ہمیں ملائے گا —— تو یہ تعارف ہی کروانے والا کوئی نہ ہوگا تو پھر وہاں جانے سے حاصل ـ ؟"

"لیکن تم کو اس کی پرواہ نہ کرنی چاہیئے ! ابا میاں بولے

"پرواہ کیسے نہ کروں ؛ امی بولیں" مجھے زرینہ اور شیریں کی فکر کھائے جاتی ہے —— دیکھتے نہیں آدھی نہیں رہی —— پچھلی گرمیوں میں ایسی ہی کمزور تھی"

اور ابا میاں بے ساختہ مسکرا پڑے ——

"ہاں بھئی ! جبھی تو میں کہتا ہوں تمہارا یہ حال آخر لونہی تھوڑا ہوا ہے ؟"

"لیکن پھر بھی میں یہی کہتا ہوں کہ وہ ضرور تم سے خود ہی مل لے گا —— ! اور ابا میاں چپ ہو گئے —— پائپ سے دھواں کے مرغولے بنانے لگے۔

" پر وہ کس طرح مل سے گا " امی کی حیرانی بڑھتی جا رہی تھی ۔

" وہ مجھے جو جانتا ہے " ابا میاں مسکرائے تو ہمارا آتا ہوا یقین بھی غائب ہوگیا "

" جانتا ہے ! ——— اور تمھیں ؟ " امی نے جل کر پاندان گھسیٹا " خوب تمھیں تو ایک رہ گئے ہو کہ وہ جانے ——— اور کوئی ہے اس غدار شہر میں ——— چراغ لے کے ڈھونڈا ہوگا تو تمھیں ایک ملے ہو گے ——— "

ابا میاں بدستور پائپ پیتے اور مرغولے بناتے رہے، ہم سب ساکت کبھی ابا میاں کو دیکھیں کبھی امی کو ——— اور وہ ذات شریف لاپرواہ سے مولا بنے کھڑے رہے ! "

" آخر امی سے نہ رہا گیا ۔

" خدا کی مار تمھاری اس عادت پر ——— اے بات پوری کیوں نہیں کرتے ——— بڑا مزہ آ رہا ہوگا کہ ہم تو تڑپیں اور تم مزے اڑاؤ ——— ! "

" مزے اڑاؤ " پر ابا میاں کی عینک چمکی ——— مسکرا کر بولے ———

" اپنی اپنی قسمت ——— !! "

" ہاں ——— سچ ہے ——— کسی کے لیئے گھی کے گھڑے، کسی کے پتھر پڑے ! " امی کا جلنا دیکھنے کی چیز تھی ۔

" ہو سکتا ہے ! " ابا میاں اسی سکون دلی اور اطمینان سے بولے، لیکن بیگم کیا کریں تم سے تو طبیعت کو بڑا جھمیلا سا محسوس ہوتا ہے ——— ایک کام کے لیئے تم کہتی ہو ——— کرتا ہوں تو نام رکھتی ہو ——— بکتی ہو ——— جھکتی ہو ——— آخر تمھیں بتاؤ کہ میں کیا کر دوں ؟ کیا نہ کروں ؟ تم نے کہا مرزا شہریار سے مل آؤ ——— مل آیا ——— اور .... ! "

"لیکن امی نے بات پوری نہ ہونے دی"

"مل آئے ہے ہے؟؟؟ وہ چیخیں۔ ڈلی اور سروتا اُن کے ہاتھ سے چھوٹ گیا"

"ہائے کب؟ میں اور خالدہ کہہ اٹھیں"

"ابا میاں نے ہم لوگوں کی پریشانی کو بے حد اطمینان سے دیکھا"

"امی کھوئی کھوئی گئیں —— وہ مسلسل ابا میاں کو دیکھے چلی جا رہی تھیں.... آخر بول اٹھیں۔"

"تو اللہ کے بندے یہ کیوں نہیں بتاتے کہ کب اور کہاں مل آئے؟"

"وہیں سے تو آ رہا ہوں! ابا میاں بولے" اب رہا وقت کا —— تو شاید اس وقت چھ بج رہے ہیں —— اور میں اس وقت چار بجے ہوں گے جب وہاں پہنچا" —— اور وہ پھر حسبِ دستور خاموش ہو گئے —— پھر وہی پائپ تھا اور پھر وہی مرغولے!"

امی پہلے تو انھیں بڑے غور سے دیکھتی رہیں —— پھر جھنجھلا کر مجھے مخاطب کیا "دیکھتی ہو ستو! نہ جانے ان کی کیا عادت ہے کہ اب آدمی ہر بات پر سوال کرے تو کیا ہوا؟ پھر کیا ہوا —— اس کے بعد —— پھر اس کے بعد —— تو پھر ——؟؟"

"میں اور خالدہ بے ساختہ ہنس پڑیں —— اور ابا میاں بھی ہنس پڑے۔"

"بات یہ ہے —— وہ ایک کش لے کر بولے تمھاری ماں ہے بڑی بے صبر..........!

"یقیناً" امی بولیں "دیکھو نا دنیا کا قاعدہ تو یہی ہے کہ جو بات ہو وہ پوری کبھی نہ کی جائے ——— بھلا پوری بات کوئی کرتا ہے ——— پوری بات میں در اصل لطف نہیں ہوتا ———!"

"ٹھیک ! ابا میاں نے ایک مرغولہ امی کی طرف پھینکا، دیکھو سنو! کیسی چلتی ہے تیری ماں کی زبان معلوم ہوتا ہے تافتہ پر قینچی !"

"تافتہ کیا چیز ہے ابا میاں ! خالدہ نے پوچھا ——— ابا میاں مسکرائے۔

"پوچھو اپنی ماں سے ؟

"اسے ہوش کے ناخن لو کیوں اپنی گت بنواتے ہو بچیوں کے سامنے ——— ہاں بتاؤ کیسا ہے وہ ؟" آخر امی بے چین جو تھیں ——— اب ایک نئی راہ اختیار کی۔

"بس انسان کا بچہ ہے ——— اب ملوگی نا پرسوں جناح پارک میں پتہ چل جائے گا۔

"تو مگر تم نے قسم کھائی ہے نہ بتانے کی ؟

"امی کے بڑے بگڑے تیور دیکھے تو ابا میاں نے ہنس کر جیب سے ایک تصویر نکالی .....!

"اور یہ تمھارے سعادت مند شوہر کا شاہکار ہے ——— یعنی زن مریدی کی بر آخری مہر : کیا سمجھیں ؟! ——— جانتا تھا کہ تم بھیجہ سلامت رہنے نہ دوگی !!

"اُونھ !" امی نے بڑا ہی غصہ دکھایا ——— لیکن وہ بے حد خوش تھیں ——— اور جانتی ہیں کیا کہا اس کے بعد ——— ؟؟

شیریں نے نزہبہ کے گلے میں باہیں ڈال کر جھولتے ہوئے کہا۔

"پوچھیے کیا لکھا ؟"

زرینہ کے چہرے پر مسکراہٹیں زریں شعاعوں کی مانند ناچنے لگیں ـــــــ آنکھوں میں بجلیاں کوندیں ـــــــ ہونٹوں پر اُن کا عکس جان نواز لرزشیں بکھیرنے لگا ـــــــ چہرہ تمتما اٹھا ـــــــ ناز سے گردن ہلا کر بولی ـــــــ

"ہمیں کیا خبر ـــــــ تم بتاؤ !"

اور شیریں نے ایک ایک حرکت کو تاڑا، جھانکا اور جان پہچان کر انجان بنتے ہوئے بولی

"کہتی تھیں امی کہ ہماری زرینہ کا کتنا پیارا جوڑ رہے گا ـــــــ کاش اللہ اب کی بار مجھے مایوس نہ کرے !!

"ہٹ جھوٹی لپاٹی" زرینہ نے مارے مسرت کے بے تاب ہو کر شیریں پر ہاتھ اٹھایا اور جب وہ اُٹھے "میری آپا زریں ـــــــ میری زریں آپا ! کہہ کر لپٹ گئی تو اس کو بھینچ بھینچ لیا ـــــــ !

ـــــــ !!

ـــــــ !!!

تیسرا پردہ

جناح پارک میں

"ارے لڑکیو! اب نکلو گی بھی کہ میں چلی جاؤں"؟ بیگم ریاض کو تیار ہوئے ایک گھنٹہ اور گاڑی کو باہر نکلے ہوئے دو گھنٹے ہو چکے تھے! محمد یسین ڈرائیور اب پچھلی سیٹ پر تقریباً سو چکا تھا، یہ ان کی عادت تھی ———

ڈریسنگ روم میں گھسنے والی ہوں گی تو جھکے کو آواز دیں گی ———

اسے جھکے یسین سے کہنا موڑ لے آئے! اور ہر وقت بیچارے یسین کی قسمت میں اسی طرح گھنٹوں سوکھنا ہوتا ——— "آج تو اور بھی دیر ہوئی"

"جناح پارک میں ——— اور پھر ریاست افضل پور کی شہزادی روشن آرا کے "روشن آرا کلب" کی گیدر ٹمینگ ——— آج تو نہ معلوم کتنے من پاؤڈر اسنو، لپ سٹک، روژ اور سینٹ خرچ ہوا ہوگا ——— آج تو لباس اور سنگھار کے تگڑے مقابلے ہوں گے — بالخصوص مرزا شہریار کے اعزاز میں جلسہ ہو رہا تھا ——— اور پھر مرزا شہریار ایک تو ٹھہرے رئیس زادے اور دوسرے خوبصورت اور ان سے بھی بڑھ کر کنوارے!!!

یہ ایسا لیبل تھا کہ اس کی خاطر آج جناح پارک کے رشک ارم بن جانے میں شک کفر سے سوا ہوتا ———

بیگم ریاض کے آگے مکمل پونے پانچ لڑکیوں کا سوال تھا ——— سب سے چھوٹی اس وقت پندرھویں میں تھی ——— بیٹے کی چونکہ بڑی کچی تھیں ——— ہر سال گود اللہ بھرتی

رکھتا ——— اور اِس وقت یہ پانچوں کی پانچوں اِن کی زندگی کا سب سے بڑا پرابلم تھیں ——— وہ تو خیر اللہ نے کچھ اِن پانچوں کے بعد فضل کیا ورنہ نہ معلوم کتنے پرابلم اور کھڑے ہوتے ——— !

تھا تو یہ خاندان ویسے بھی مہاجر ——— یعنی ہندوستان سے ہجرت ضرور کی تھی لیکن ——— سارے سرمائے کے ساتھ ——— سارے سروسامان کے ساتھ ——— حتیٰ کہ سوئی دھاگا تک آیا تھا ——— !

لیکن ایک بڑا بھاری نقصان یہ ہُوا کہ جو نسبتیں ——— خواہ دل ہی میں کیوں نہ تھیں کھُلم کھلا اعلان نہ بھی ہُوا ہو ——— وہ سب کی سب ٹوٹ گئیں ——— یعنی اب پاکستان سے ہندوستان جانا ممکن تھا نہ اُن "صاحب جائدادوں" کا یہاں آنا اب آسان رہا تھا ——— گو خود ہندوستان میں اب جاگیرداری، زمینداری ختم ہو رہی تھی لیکن پھر بھی "جب تک سانس تب تک آس" والا معاملہ تھا، اور پھر ان میں بیشتر ملازم تھے ——— بڑی اونچی اُونچی پوسٹوں پر کہ ان کو کوئی خطرہ تھا اور نہ کوئی ڈر ———

پاکستان ——— ایک تو نئی نئی سلطنت، دوسرے آنے والوں کے نئے نئے گھر ——— بھلا اس سے عقل مند انسان اندازہ کر سکتا ہے کہ ایک مکان چھوڑ کر دوسرا مکان لیا جائے، تو کتنے دنوں بعد اور کس مشکل سے اُسے حسب دلخواہ ایسا بنایا یا سجایا جا سکتا ہے کہ خود بھی مطمئن ہوں اور دیکھنے والوں کی آنکھیں بھی کھُلی کی کھلی رہ جائیں ———

پھر پاکستان تو پوری ایک سلطنت ہُوا ——— اسلامی دنیا کی سب سے بڑی سلطنت ———!!!

اب رہ گیا یہ سوال کہ پاکستان میں آتے ہی ہمیں سکون و اطمینان کی زندگی کیوں نہ

ملی ——— چنانچہ ایسے کئی لوگ تھے جو اِس امید میں آئے تھے کہ پاکستان پہنچیں گے تو پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں ہوگا! لیکن کوئی ان سے پوچھے کہ عقلمندو! کچھ تو غور کرو ——— پاکستان جس طرح قائم ہُوا، جس رنگ سے اس پر آفاتِ سماوی و ارضی ٹوٹے ——— اور اِن ہچکولوں، زلزلوں اور جھٹکوں کے باوجود ——— اللہ بزرگ و برتر نے اُسے قائم رکھا ——— نہ صرف قائم رکھا بلکہ ساری دنیا میں اِس کا شان و ہزار عزت قائم رکھا ——— کیا یہ ایک معجزہ سے کم ہے۔

یہ تو کچھ اِس کا خاکہ بنانے والوں کے تخیل، اِس خاکے میں رنگ بھرنے والوں کی سعیٔ بلیغ اور اس کو موزوں چوکھٹے میں جمانے والوں کا حُسنِ عمل ہے کہ پاکستان آج اِس قدر سر سبز و شاداب، کامیاب، بامراد، سربلند و سرفراز ہے!

———!

اور مسٹر ریاض اُن آدمیوں میں سے تھے جنھیں پاکستان کی زندگی کے ان سارے نشیبوں فرازوں سے آگہی تھی ——— اور گو انھوں نے اپنی جائداد کا تبادلہ بھی کروالیا تھا۔ لیکن اس سلسلہ میں ہمیشہ ذاتی سعی و کوشش کو پیش نظر رکھا ——— ہمیشہ پاکستان کے مفاد اور اس کی فلاح و بہبود کا پہلے خیال کیا ———!

لازمی طور پر وہ گھاٹے میں رہے ———!

اِن کی ذاتی لیاقت ایسی تھی کہ وہ اُونچے سے اُونچا عہدہ پا سکتے تھے ——— لیکن چونکہ ہمیشہ خاموش زندگی بسر کرنے کے عادی تھے ——— لہٰذا کبھی اِس کی کوشش نہیں کی کہ زندگی میں ٹھاٹھ سے پیدا ہو جائے ———

اور اگر یہ لڑکیاں نہ ہوتیں تو شاید وہ گھر سے باہر نہ نکلتے ——— ان کی

خاطر انھیں اکثر دعوتوں اور جلسوں میں شریک ہونا پڑتا تھا ـــــــ

چنانچہ اِس وقت بھی "جناح پارک" جانے کے لیے بن سنور کر نکلے۔

بیگم پسینہ سے پریشان ہوتیں، میک اپ کے خراب ہو جانے کو ڈرتیں ــــ لڑکیوں کی تاخیر پر کڑھتیں ـــــــ کھڑی تھیں ـــــــ

"ہیں؟ یہ کیا تم ابھی یہیں ہو؟" بیگم نے جل کر زرینہ کی طرف دیکھا۔

"خدا بھلا کرے اِن نیک بختوں کا کب سے کھڑی ہوں! گھڑی دیکھی" ہائے اِس وقت تو چھ بج رہے ہیں ـــــ سوا چھ پر پارٹی ہے ـــــ ہائے نہ معلوم کیا ہو گیا اِن کو! اور جل کر چیخ پڑیں "اے اُترو گی بھی بی بی؟؟؟

ابھی مسٹر ریاض کچھ کہہ بھی نہ پائے تھے کہ چاروں اُتریں ـــــ

ایسا محسوس ہُوا آسمان سے ستارے اُتر رہے ہیں!!

ایک تو حُسن اِس پر زیور اور لباس ـــــ لباس بھی سلیقہ اور نفاست کا اعلےٰ ترین نمونہ ـــــ اور سب پر سہاگہ سنگھار ـــــ غضب ڈھا رہی تھیں ـــــ

بیگم اور مسٹر ریاض کی ساری جھنجلاہٹ کافور ہو گئیں ـــــــ

بیگم نے جھرجھری لی ـــــ ہائے دور پار دشمن اللہ نظر بد سے بچائے اور گھبرا کر آیتہ الکرسی منہ میں بُدبُدانے لگیں ـــــــ

دو سیڑھیوں پر فوضیہ ہاتھ میں ایک موٹی کتاب لیے چشمہ لگائے کھڑی تھی

"کیوں بیٹی تم نہیں چلو گی؟" مسٹر ریاض نے پوچھا "کیوں کیا بات ہے؟ یہ کیوں نہیں چلتی؟" پلٹ کر بیگم سے پوچھا۔

"کل امتحان ہے ابا میاں" عذرا بولی ـــــــ "اسی لیے نہیں چلتیں

بی فلسفی صاحبہ !"

"اوہو ہو ——— یہ بات ہے ——— ! وہ بولے ———
اور سب موٹر کی طرف پلٹ گئے ——— یسٰین کو صرف تین گھنٹے کی کچی نیند سے
اٹھنا پڑا۔

——— !

——— !!

——— !!!

جس وقت مسٹر ریاض اور اُن کا خاندان "جناح پارک" پہنچا ہے سینکڑوں کا
ہجوم ہو چکا تھا ——— بیگم ریاض کے چہرے پر ایک رنگ آیا ایک گیا ———
بڑی تیزی سے بدلتے ہوتے رنگوں کی ترجمانی کرتے ہوئے بولیں ۔

"کیوں میں کہتی نہ تھی کہ جھوٹے پتے چالو گے ؟ ——— لو وہ دیکھو وہ
ہجوم جہاں نظر آ رہا ہے وہیں ہو گا وہ ——— اب بھلا وہاں ہماری دال گلے گی ؟

مسٹر ریاض کے چہرے پر بڑی تیزی سے سُرخی دوڑ گئی ——— بھنوں میں
گرہ ڈال کر بولے ———

"توبہ جی ! کبھی تو ہوش کی بات کرو ——— دنیا کا خیال کرو ———
کہاں گھر میں انساں کو دیواروں کے کان سوچنے پڑتے ہیں، کہاں اس کھلے میدان میں تم
اس طرح بے دھڑک بولتی ہو ؟ ——— یہ بھی اپنی اپنی قسمت کی بات ہے
——— جو نہ ہو گا وہ ہمارے نصیب کا تو پکڑ لائیں گے ——— اور
پھر یہ کہ وہ کون ایسا افلاطون ؟ ——— چلو ہر انسان کا ایک مقام ہوتا ہے

زندگی میں —— ٹوٹنے والا ہمیشہ منہ کی کھاتا ہے —— یاد رکھو اِس دنیا میں حد سے بڑھی ہوئی نیکی اور حُسنِ اخلاق بے وقوفی کی سب سے بڑی دلیل ہیں

اور قبل اِس کے کہ بیگم کچھ کہتیں، انھوں نے اپنے قافلے کو "بانگِ درا" دی

—— !

زرینہ کا حُسن اور شیریں کی آنکھیں —— محفل چمک اُٹھی —!

مرزا شہریار نے زاہدہ کی آواز پر پلٹ کر دیکھا —— اور دیکھتا ہی رہ گیا —— زرینہ نے حسبِ ہدایت بیگم ریاض آنکھیں چرالیں —— دیکھا تک نہیں !

"توبہ ہے میری، حد کردی تم نے زریں —— ؟ زاہدہ تقریباً رو کر بولی ہائے میرے اللہ آنکھیں دکھنے لگیں دروازے پر نظریں جمائے جمائے :

زرینہ نے کنکھیوں سے بوکھلائے ہوئے مرزا شہریار کو دیکھا اور انجان بن کر زاہدہ کے قریب ہو کر اُس کے شانوں پر ہاتھ جما کر بولی

"ہونہہ ! جبھی تو دروازہ پر ملی ہو ؟ —— پچاس میل کا میدان طے کیا تب بیگم کی شکل نظر آئی اور وہ بھی کہاں ——

زاہدہ نے ہونٹ لٹکا کر روٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ بات ہے ؟" اور آنکھوں ہی آنکھیں ڈال دیں" اچھا تمھیں میری قسم پوچھو ناظرہ ناظرہ، نشاہینہ، رشیدہ اور ریحانہ سے —— ؟

" دو چار اور نام لے لو، جو بھی یاد ہوں —— کیونکہ نہ شاہینہ کا پتہ ہے نہ ریحانہ کا —— اللہ رکھے یہی دیدہ چاہیئے، جھوٹ بولنے کے لیے —۔

شاباش — !!

اور شیریں خاموش کھڑی تھی ———

اس کی خاموش بڑی بڑی سیاہ جادو بھری آنکھیں ——— مثل تو مشہور ہے کہ سارے منہ پر "ایک ناک" لیکن اب تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مثل کو ہونا چاہیئے "سارے منہ پر ہر دو آنکھیں"! ظالم کی یہ خاموشی اپنے مخصوص انداز میں بول رہی تھی اور شاید زرینہ کی چہک سے زیادہ بول رہی تھی۔ ———

ناصرہ نے اس کو دیکھا ——— اس کی اس "خموشی ہے زباں میری" صورتِ حال کا جائزہ ——— اور اس کی بولتی آنکھوں کے جادوؤں کو محسوس کیا، بولی

"تو میری سونے کی چڑیا ——— بولتی کیوں نہیں۔ ؟؟

شیریں نے پلکیں اوپر کو اٹھائیں ——— اور مسکراہٹیں بکھیر دیں ———

"یا اس! ناصرہ بولی، جواب مل گیا مجھے؟ ——— اسے آخر منہ میں گھنگیاں بھر رکھی ہیں؟

شیریں نے دوبارہ اسی طرح پلکیں اٹھائیں ——— سفید براق دانتوں کی بجلی کوندی ——— سرخ سرخ لب لعل بدخشاں کی طرح چمکے ———

ناصرہ بے خود سی ہو کر بولی

"شیریں" "آخر بات کیا ہے؟ بھئی اس طرح نہ دق کیا کر"! اور مڑ کر زرینہ سے شکایت جڑ دی "دیکھو نا زریں ——— اس جادوگر متوالے نے آج بولنے کی قسم کھا رکھی ہے"!

زرینہ، زاہدہ اور شاہینہ بیں گھری کھڑی تھی ——— ناصرہ کی اپیل پر

پلٹ پڑی ـــــ مسکرا کر شیریں کو دیکھا ـــــ وہ حسبِ سابق ہونٹوں کی سُرخیاں بکھیر رہی تھی۔

"یہ چڑیا؟ اے اس کی شرارتوں کے کیا کہنے ـــــ تم نے کہہ دیا ہوگا نا "بولتی چڑیا"؟ ـــــ تبھی نہیں بولتی ـــــ یہ تو ہمیشہ وہی کرتی ہے نا ـــ جو اسے پتہ چل جائے کہ کوئی فلاں شئے ناپسند کرتا ہے ـــــ اس کو لطف آتا ہے ستانے میں ـــــ!

"آپا زریں ـــــ یہ تو شاید ظلم ہے"! شیریں کے "کتنے شیریں ہیں تیرے لب کھلے"!!

"دیکھا! چمک کر زرینہ بولی۔ "کہتی ہے ظلم ہے اور اپنی مظلومیت کو اور زیادہ اُجاگر کرنے کے لیے کہتی ہے شاید! ـــــ اللہ ری ـــــ

کہو نا ـــــ اللہ ری کے آگے والا ٹکڑا ـــــ اسے کہہ بھی ڈالو" مسکرا کر شاہینہ بولی ـــــ سبھوں نے نقرئی قہقہے بکھیر دیے ـــــ

کہ ادھر سے خاں بہادر نیاز احمد آ نکلے ـــــ اس حسین ستاروں کے جھرمٹ کے پاس ـــــ سب لڑکیوں نے انھیں گھیر لیا

سلام لیے ـــــ دعائیں دیں ـــــ اور بڑی دیر تک زرینہ وغیرہ سے پوچھتے رہے کہ اتنی دیر کیوں کی ـــــ اور پھر سر اٹھایا تو نظر مرزا شہریار پر پڑی جو بیگم ارشد کے پاس کھڑا پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے "ہوں ہاں" کہہ رہا تھا ـــــ اور نظریں گاڑ رکھی تھیں زرینہ پر

خان بہادر وہیں سے چلائے

"میاں شہر یار یہاں آنا تو ـــــ ذرا یہاں بھئی ـــــ ادھر میری طرف ـــــ!

اور میاں شہر یار تو چاہ رہے تھے ـــــ اِن کے حق میں اللہ دے بندہ لے والی ہوئی ـــــ

"جی ہی ی" ! کہہ کر انتہائی سعادت مندی سے بڑھے

"اِن سے مل چکے ہو تم ؟ انھوں نے زرینہ اور شیریں بہنوں کی طرف اشارہ کیا۔

"جی نہیں" اِس نے لجا کر اور بڑی للچائی ہوئی نظر زرینہ پر ڈالی

"ارے واہ بھئی ـــــ تم بھی عجیب لڑکے ہو ـــــ میاں یہ ہماری دنیا کی حوریں ہیں حوریں ! بھائی ریاض احمد ایم اے ایل ایل بی وکیل ہائیکورٹ کی لڑکیاں ہیں ـــــ میاں کیا بتاؤں خزانے کے انمول جواہر ہیں جواہر ـــــ

بھئی زاہدہ" بیٹی کی طرف مڑ کر بولے" تم نے ملایا نہیں ان کو بڑی کاہل ہے ـــــ ھی ھی ـــــ بڑی کاہل !"

"لیکن اباجی ـــــ وہ اٹھلائی" آپ کو تو شوق ہے بیگمات سے ملنے کا بھلا ہم سی لڑکیوں سے کیوں ملتے ـــــ ؟

"ارے ـــــ ارے ـــــ!" مرزا شہر یار کے جیسے ہوش اڑے کہ کس گناہ کا مرتکب گردانا جا رہا ہوں ـ چور کی ڈاڑھی میں تنکا جو ہوا ـــــ وہ واقعی شام سے گھرا ہوا تھا بیگمات میں !

"بس بس بھائی جان !" زاہدہ چمک کر بولی" رہنے بھی دیجئے ـــــ اباجی ـــــ یہ خیر ان سب سے ناواقف ہیں ـــــ مجھ سے اور شاہینہ سے تو

واقف ہیں ـــــ لیکن پوچھیے قسم دے کر کہ آنکھ اُٹھا کر بھی ہماری طرف دیکھا ہے ؟ ـــــ دیکھا ہے بھائی جان آپ نے کبھی ؟ ـــــ کسی پچھلی صدی میں ـــــ ؟"

"بڑی شریر ہو بھئی ـــــ !" مرزا شہریار کو لطف آ گیا، بڑی زندہ دلی سے بولا" لیکن بہن میری تم مجھے جب اپنا بھائی جان مانتی ہو تو پھر آئی تھیں اپنے بھائی جان کے پاس ؛ نالائق خود ہو اور مجرم دوسرا ؟"

خان بہادر صاحب کی باچھیں کھل گئیں ـــــ بڑے منہ کی صراحی کی طرح بھلبھلا کر بولے

"ہو ہو ـــــ ہو ہو ـــــ ٹھیک تو ہے ـــــ وہ بھلا بے چارہ کس طرح خود آ کر رکتا ؟

"دیکھئے نا" شہریار مظلومیت کی تصویر بن گیا۔

"کیوں ں ں ؟" زاہدہ اٹھلائی " وہ کیوں ؟ کیا آپ کے پیروں میں مہندی لگی تھی ؟ اباجی ! بات تو ایسی لگتی ہے کہ انہیں لڑکیاں پسند نہیں ـــــ بڑے آدمی جو ٹھہرے۔ رئیس زادے !"

زاہدہ کی زبان کو چند تالے لگے رہتے تھے۔ ایک کھلتا تو پھر سارے کھل جاتے ـــــ بڑی جلدی بہک جانے کی عادت تھی ـــــ خان بہادر اس کمزوری سے واقف تھے، ـــــ زاہدہ کی زبان سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ـــــ

طنز کی اس مار کو اپنے اُوپر لے کر موضوع پلٹ دیا۔

"اچھا اچھا بھئی اچھا ـــــ اتنی خفگی ٹھیک نہیں ـــــ ہاں میاں

شہر یار یہ ہے زرینہ —— اور یہ شیریں —— یہ خالدہ —— یہ عذرا اور وہ —— وہ فوضیہ کہاں ——؟"

انھوں نے زرینہ سے پوچھا

"کل اس کا امتحان ہے چچا جان" وہ بولی۔

"کون سا امتحان دے رہی ہیں؟" شہر یار مخاطب ہو ہی گیا۔

"بی۔ اے فائنل ——!

"اچھا ——! جیسے دنیا میں اس نے کسی بی۔ اے فائنل کا ذکر سنا ہی نہ تھا" بڑی پڑھاکو ہیں!"

"ارے وہ"! خان بہادر بولے "کیا بتاؤں چوبیس گھنٹے طبجو کتاب اس نے کبھی چھوڑی ہو!

"بھئی عجیب دماغ پایا ہے اس اللہ کی بندی نے"!

دفعتاً شیریں کی نظر دور کونے میں ایک اکیلے نوجوان پر پڑی جو شہر یار سے زیادہ خوبصورت اور نفاست صورت اور نفاست سیرت کا مجموعہ نظر آرہا تھا!!

وہ بالکل اکیلا کھڑا تھا ——!

آدم بیزار سا ——

شیریں کی آنکھوں کا تعاقب شہر یار کی آنکھوں نے کیا اور خسرو پہ جا پڑیں۔

یہ آدم بیزار خسرو تھا —— شہر یار کا قلبی دوست!

ایک ہلکی سی مسکراہٹ سی اُس کے لبوں پہ کھیلنے لگی —— اس نے جیسے جھانک کر شیریں کی آنکھیں دیکھیں ——!

"آیئے مس شیریں میں آپ کو اس ابو الحسن سے ملاؤں"۔ لیکن اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی ——— !

"شکریہ"! مس شیریں بولیں "مجھے کوئی ایسا خاص شوق نہیں"!

"لیکن ——— ! وہ حیران بڑی بڑی آنکھوں سے دیکھتا ہوا بولا "لیکن اس میں ہرج کیا ہے"؟ جیسے اُسے بڑا ہی دھچکا لگا! ——— ایک ہلکی سی بے عزتی اس نے محسوس کی!!

"نہیں ہرج تو کوئی نہیں البتہ ———" ابھی وہ کچھ اور کہنے بھی نہ پائی تھی کہ سامنے سے دو خواتین گزریں، شہریار نے اُنہیں آواز دے لی

"ملوانہ ——— ریحانہ! اور شیریں کی دوست ریحانہ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

"جی آپ نے مجھے آواز دی ہے" غریب لڑکی نے شاید موقع غنیمت جانا کہ شہریار نے مخاطب تو کیا ——— لیکن اس کی امیدوں کی شمع بھی بجھ گئی۔

"معاف کیجیئے" شہریار نے جلدی سے کہا "میں نے اپنی بہنوں کو آواز دی تھی" اور اتنے میں وہ دونوں پہنچ گئیں

"جی ی ی" ملوانہ نے اپنے کٹے ہوئے بالوں کو جھٹکا دے کر بڑی نزاکت سے آنکھیں میچ کر کھولیں اور اونچی ناک کو اٹھا کر پتلے پتلے ہونٹ لبرکا کر بولی "آپ نے ہمیں بلایا بھائی جان!

"ہاں جان" بھائی جان نے جواب دیا "ان سے ملو ———" اور بڑھ کر اُس نے زرینہ کا ہاتھ پکڑ لیا ——— وہ بے خبر سی کھڑی شاہینہ اور زاہدہ میں گم تھی۔ بڑے زور سے چونکی ——— پلکوں کی نوکوں اور ہونٹوں کے گوشوں میں

لذتیں پیدا ہوئیں ——— اور محجوب سی ہو کر صرف "جی ہی!" کہہ سکی

"ان سے ملو ——— یہ ہیں مس زرینہ ریاض ——— بہت ہی قابل اور

"کیا بتایا تھا، آپ نے"؟ اس نے زرینہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا

"کیا ہیں آپ"؟

اس نے بڑی ملامت سے ہاتھ چھڑا لیا ———

عرق آلود پیشانی پر انگوٹھیوں سے جگمگاتے ہوئے ہاتھ کو رکھ کر نظریں نیچی کر کے بولی "جی ایم اے"

"ایم اے: خوب! ریحانہ نے بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا

"کس مضمون میں"؟ رومانہ نے پھر سے اپنے خوبصورت بالوں کو جھٹکا دے کر بڑی نزاکت سے پوچھا

"انگریزی میں"!

"اچھا انگریزی میں" رومانہ کی نظریں شیریں پر پڑیں اور یہ سوچ کر کہ نہ جانے یہ کون ہے پوچھا " اور آپ کون ہیں؟ شہریار نے شیریں کی آنکھوں میں ایک انجانے طنز کو دیکھ کر ججھکتے ہوئے کہا

"آپ ہیں مس شیریں ریاض"!

"ہائے بالکل پارسیوں جیسا نام ہے آپ کا ——— جیسے ہمارے جناب خسرو صاحب کا ہے ——— زرہ دشت کے مرید ——— اور چونک کر اطراف دیکھتے ہوئے پوچھا "بھائی جان وہ کہاں ہیں؟

شہریار نے شیریں کو دیکھا جس کے چہرے پر ہلکے ہلکے سرخ بادل سے اُٹھ

رہے تھے اور مسکرا کر بولا

"انہی سے پوچھو ——— یہی جانتی ہوں گی ——— ایک ملک، ایک مذہب کے ہو کٹھرے سے!"

ایک بڑا زوردار فرمائشی سا قہقہہ لگا ——— اور تقریباً سب نے مڑ کر خسرو کو دیکھا ——— وہ اُسی طرح کھڑا سگریٹ کے کش پہ کش لے رہا تھا۔ نظریں سامنے پھیلی ہوئی، رنگ و بو کی دنیا پر پڑ رہی تھیں ——— کبھی کبھی وہ جلتے ہوئے سگریٹ کو بھی بڑے غور سے دیکھنے لگتا تھا ——— اور اس وقت بھی وہ سگریٹ ہی میں گم تھا۔

"ارے خسرو ——— اے جناب خسرو وو!!" شہریار نے مسکرا کر اس کو آواز دی ———:

"ذرا سننا میرے بھائی ———!"

"اس نے کوئی توجہ نہ دی"۔ رومانہ نے بالوں کو جھٹکا دے کر کہا۔

"وہ اِس وقت غیر حاضر ہیں ——— آپ زحمت نہ کریں بھائی جان ———!"

سبھوں نے ایک اور قہقہہ لگایا ——— رومانہ دوڑ گئی ——— اٹھلاتی، لچکتی، سمٹتی ——— پائینچوں اور ڈوپٹہ کی سلوٹوں میں الجھتی ———

"مَیں نے سنا ایران یہاں سے بڑی دور ہے؟ ——— اِس نے پاس جا کر بازو جھنجوڑا۔ "آپ بتا سکتے ہیں کتنی دور ———؟"

خسرو نے چونک کر اسے دیکھا پھر آہستہ سے بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔

"شہر یار سے پوچھو وہ بتا سکے گا"!

"نہیں بی بی"! اس نے اس کے بازو سے لٹکتے ہوئے کہا "آپ بتائیں نا"؟
اور مڑ کر آواز دی "آپ لوگ یہاں آجائیں ——— "!

سوائے شیریں کے سب ہنستے بولتے آگے بڑھے ———

"بھئی خسرو تمھیں اچھا لگتا ہے یوں تماشہ بنتے ہوئے"؟ ریحانہ نے کہا شہر یار کو جیسے قلبی تکلیف سی ہو رہی تھی ——— اس کی بے تابی کی سلوٹیں اور چہرے کی سرخی بڑھتی ہی جا رہی تھی ——— سب قہقہے لگا رہے تھے ———

"پتہ نہیں اس کی عادت کیسی ہے ——— عجیب ہونق ہو ہوا"! شہر یار نے سنا سرمد ریحانہ کا شوہر پیچھے کھڑا خان بہادر نیاز احمد سے کہہ رہا تھا جو نہ معلوم کدھر سے آگئے تھے۔

"بھائی سرمد ———"! شہر یار نے قلبی تکلیف سے تڑپ کر کہا "کیسی باتیں کرتے ہیں آپ"؟

"میں کہتا ہوں شہر یار آج کی رونق تمھارے لیے تو یادگار رہی ———"!

خسرو ان ریمارکوں، اعتراضوں، افسوسوں اور تبصروں سے گویا بہت بلند تھا۔ بہت اونچا ——— نہ جانے کس چاند کے جھولے میں بیٹھا تھا ——— کہاں ——— کدھر ——— کتنی اوپر ——— !!!

شہر یار مسکرا پڑا ——— مسکراہٹ میں بڑا سخت تعجب ملا ہوا تھا۔

"عجیب ہو تم ———"! اس نے شانے جھٹکے "کیا خسرو تم پر کوئی اثر نہیں ہوتا"؟

"کس چیز کا اثر ———"؟ اس نے اپنی خوبصورت بھویں اٹھائیں "چلو میں تو

خوش ہوں کہ تم سب کی تفریح ہو گئی ——— !"

"لیکن بھائی جان !" زرینہ چہکی "نہ نہ اتنے ایثار پسند نہ ہو جایئے ——— خودی اچھی چیز ہے ——— خودی اور خودداری کا آمیزہ اس طرح نہ بنایئے ——— آپ دراصل اپنی قلبی ترجمانی نہیں کر رہے ہیں ——— آپ بخوبی محسوس کر رہے ہیں کہ اس وقت کس پوزیشن میں ہیں ——— پھر ——— گستاخی معاف ——— اتنا تو نہ بنیئے "

زرینہ کے اس مطالعہ پر شہریار کی آنکھیں بڑے زور سے چمکیں ——— اور خسرو نے بھی بڑی پسندیدہ نظروں سے کیسے دیکھا ـــ

"اپنی بہن کے اس مطالعہ کی داد دیتا ہوں ——— پھر بھی ؎

برا کیا ہے میری اس وحشتِ احوال سے مظہر
کوئی خوش ہوتا جاتا ہے ـ کسی کا دل بہلتا ہے

اس کے چہرے پر جو چھری کٹاری کی بارش ہو رہی تھی اور جس انداز سے اس نے شعر پڑھا ——— زرینہ پھڑک اٹھی ——— بے ساختہ مڑ کر آواز دی ـ

"شیریں ——— شیریں یہاں آؤ تو تمہیں ایک شاعر صاحب سے ملائیں"

پھر مڑ کر خسرو سے بولی "کیا کہنے آپ کے ——— مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ——— بالخصوص اس لیئے اور کہ آپ شہریار صاحب کے بڑے عزیز دوست ہیں ——— اور بالخصوص اس وجہ سے اور کہ آپ شاعر ہوں نہ ہوں شعر پسند ضرور ہیں ——— میری بہن شیریں کا یہی حال ہے ——— شعر کہتی نہیں لیکن شعر پر جان دیتی ہے ——— "

"جبھی ہی ——— !" شہریار نے بات کاٹی "شعر پسندوں کی ہر ادا ان میں ہے ایسا سوکھا سا خشک مزاج ہے کہ کیا شاعروں کا ہوگا !"

"خوب —!" زاہدہ نے بڑے زور سے کہا "بھائی جان ! یہ تو بتائیں آخر کب سے آپنے انکشاف کیا کہ شاعر خشک مزاج ہوتے ہیں ——— ؟"

"تو پھر" شاہینہ نے شہریار کو جواب دینے نہ دیا، "فلسفی یقیناً رنگین مزاج ہوتے ہوں گے" ——— ایک قہقہہ پڑا ———

"اور کوئی ہو نہ ہو" ——— شہریار نے خود قہقہہ لگا کر کہا "میں اور میرے دوست عزیزہ خسرو، محترمہ مس شیریں کے متعلق یہی رائے رکھتے ہیں !"

"رائے غلط بھی ہو سکتی ہے" ! خسرو نے کہا

"نانا ——— آپ نہ بولیں !" روحانہ نے اپنے بالوں کو جھٹکا دیا "اس طرح آپ کی قوت گویائی کا خزانہ خالی ہو جائے گا"

فرمائشی قہقہوں میں زرینہ نے شیریں کا رخ کیا۔

وہ اس طرح لاپروا ——— ان قہقہوں، ان ہمہموں، ان ہنگاموں سے دور نہ جانے کس دنیا میں تھی !

——— !

——— !!

——— !!!

چوتھا پردہ :—

وہ آئیں گھر میں ....!

"جناح پارک" کے جلسہ کو کامل چھتیس گھنٹے گزر چکے تھے لیکن ساری زبانوں پر وہی چرچا تھا ——— ہر گھر میں وہی تذکرہ ———۔

ہر ماں کی خواہش تھی کہ شہریار اس کا داماد بنے اور تقریباً ساری لڑکیوں کی آنکھوں کے آگے اس کا خوش مزاج اندازِ تکلم، اس کا حسین چہرہ، اس کا وجیہ جسم ناچ رہا تھا —
سوائے خان بہادر کے گھر کے ——— شاید کوئی ایسا نہ تھا ——— کیونکہ آج دن کے کوئی گیارہ بجے وہ بیگم اور زاہدہ مسٹر ریاض کے پاس چلے آئے۔

"بھئی مبارک ہو ریاض صاحب!" خان بہادر نے اپنے مخصوص لہجے میں حسبِ عادت ہی ہی ہی کرنے کے بعد ہنسی کے غلبہ سے پھدکتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے زرینہ اور شیریں کی بات پکی ہو جائے گی!"

اور مسٹر ریاض سے پہلے بیگم ریاض کے کان کھڑے ہو گئے۔
امید و بیم کے جھولوں میں جھولتی ہوئی دلی مسرت کے مارے بے ساختہ مسکرا کر بولیں
"اے ہے وہ کیسے؟ ——— وہی مثل ہوئی "نہ دائی نہ دوائی کھڑے انگنائی میرے لاڈلے جوائی ——— وہ کس طرح بات پکی ہو گئی" ———

نہ کی نہ کرائی ——— بلا ہلدی پھٹکری رنگ آ گیا ؟؟"

بات کا جواب دینے کی بجائے زبان کا لطف لے کر خان بہادر بولے ۔

"خوب، خوب ——— ہی ہی ہی ——— بھابی کیا کہنے ہیں آپ کی زبان کے واللہ جب آتا ہوں بس جی خوش ہو جاتا ہے ——— آپ کی باتیں نہیں مصری کی ڈلیاں ہیں ڈلیاں !!

اچھے سوال دیگرے جواب دیگرے " مسٹر ریاض نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا " بندۂ خدا ——— یہ بھی تو بتاؤ کہ آخر اس بات میں دم کہاں تک ہے اور کتنا ؟"

"بھئی ہی ہی " انھیں دفعتاً ہنسی کے مارے کھانسی آگئی ——— بڑی مشکل سے آنکھوں سے آنسو باچھوں سے پیک پونچھ کر اپنے آپے میں آتے ہوئے بولے "ارے بابا ——— ! لاکھ تم ایم اے کر لو، ایل ایل بی ہو جاؤ ——— وکالت کی جھک مارو یا گدھے چراؤ ۔ مگر رہیں گی انکھیں آلو کی آلو ——— !"

"اے تو کہہ بھی دو اب !!" بیگم خان بہادر کو جیسے بیگم ریاض پر رحم آ گیا ——— وہ مارے حیرت کے اس مشین کی طرح چلتی ہوئی زبان کو دیکھ رہی تھیں ———"

"اچھا اچھا ——— ہی ہی ہی ——— خوب خوب" خان بہادر نے اپیل سن لی " بات یہ ہے بھئی کہ وہ کیا نام ہے ——— شاعر نے کہا ہے ؎

تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں

اور میری نظروں نے آج تک دھوکا نہیں کھایا ——— کبھی کھایا ہے بیگم ؟"

انھوں نے مڑ کر بیگم کی داد لی ، اور بیگم نے بیگم ریاض سے مڑ کر کہا ۔

"بہن میں بتاؤں ـــــ یہ تو ان کی عادت ہوئی ناموئی کہ جب تک پیرا پھیری سے نوالہ نہ کھائیں، پیٹ کس طرح بھرے ـــــ بات یہ ہے ـــــ آج سر دادے کہہ رہا تھا مرزا شہریار کا خانساماں اس سے تمہارے گھر کا پتہ پوچھ رہا تھا کہ میاں اور بی بی لوگ شاید آئیں اور ـــــ" بیگم ریاض کی آنکھیں پھیلتی جا رہی تھیں"۔ اور وہ یہ بھی کہتا تھا کہ خسرو میاں کہتے تھے مجھے ان تمام لڑکیوں میں ایک لڑکی پسند آئی ـــــ شہریار نے پوچھا وہ کون؟ تو کہا شیریں۔

شیریں سیڑھیوں میں آچکی تھی ـــــ پلٹ کر بولی

"جی چچی جان ـــــ!" اور خان بہادر کا قہقہہ گونجا

"بیٹی یہاں آ ـــــ مٹھائی کھلا ـــــ ایک بات بتاؤں"؛

بیگم خان بہادر تقریباً چیخ پڑیں ـــــ

"ہائے کچھ تو خیال کیا کرو زمانے کا ـــــ بس زبان چلتی رہتی ہے منہ کے آگے خندق جو ہوئی ـــــ اٹھائی زبان طارق سے لگا دی ـــــ نہ شرم نہ لحاظ ـــــ جبھی تو زاہدہ کا یہ حال ہے ـــــ دیکھتی ہو بہن ـــــ ایک لڑکی کیا ہے ان کا بس چلے تو کوٹ پتلون پہنا دیں اسے ـــــ!"

سبھی ہنس پڑے ـــــ سب کی ہنسی کو خاں بہادر کی موٹی وزنی بھاری ہنسی دبائے لیے لے رہی تھی ـــــ!!

ـــــ!!!

ابھی ابھی یہ لوگ چاء کا سامان سجا رہی تھیں ـــــ زاہدہ زرینہ کو چھیڑ رہی تھی ـــــ وہ سرخ ہوئی جا رہی تھی ـــــ شیریں ان سے الگ

غالبؔ کی غزل ے

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

گنگنا رہی تھی ـــــ کہ نیچے ایک ہڑبونگ سی مچ گئی ـــــ جھبکے دوڑتا ہوا اوپر آیا ـــــ

"وہ آگئے بی بی لوگ وہ آگئے ـــــ بڑے صاب ـــــ وہ صاب ـــــ وہ بڑے صاب"! سب چونک پڑیں ـــــ!!!

"ہائے کم بخت' بتائے گا بھی کہ"؟ زرینہ اور زاہدہ چیخیں

"وہ بی بی ـــــ وہ بہت بڑے صاب ہیں ـــــ بڑی خوبصورت موٹر ہے بی بی!"

"مار یئے ایک جھانپڑ گدھے کے زرّیں آپا ـــــ"! خالدہ جھنجلائی

"بالکل گدھے کا بچہ ہے"! عذرا نے کہا ـــــ اور اس کے سر پہ ایک دھپ لگاتی کونذی زرینہ ہیں ـــــ اور الٹے پاؤں لوٹی ـــــ

یہاں زاہدہ زرینہ کے آگے اپنا قیاس لڑا چکی تھی ـ

"اے چلو وہ تو خانساماؤں کی بات ہے ـــــ"! زرینہ اسے یقین دلا رہی تھی کہ مرزا شہریار والے یہاں نہیں آسکتے ـــــ زاہدہ شرط لگا رہی تھی اور عذرا نے پہنچ کر بتایا ـــــ

"ہائے زرّیں آپا! سچ مرزا شہریار ہیں ـــــ اُن کی بہنیں، بہنوئی، ہائے امّی کا دوپٹہ بڑا گندہ ہے آپا زرّیں ـــــ اور آبا میاں کی چپل بھی بالکل ٹوٹ

چکی ہے ——— ہائے کیوں نہیں خرید تے دوسری!"

زرینہ نے بھی شاید محسوس کیا کہ واقعی ابّا میاں کی کاہلی کس قدر شرمندگی کا باعث ہوتی ہے اور امّی ——— ہائے امّی کو کبھی خیال نہیں آئے گا کہ ذرا ٹھکانے سے رہیں ——— ہر وقت میلی رہتی ہیں ——— ذرا تو کپڑوں کا خیال رکھا کریں ———

"لیکن آپا کتنا اچھا ہُوا آج ہی صبح میں نے سارے کمرے صاف کر دیئے، میز پوش پردے وغیرہ بدلے اور ——— گلدان میں پھول بھی بدلے ———!" خالدہ نے خوش ہو کر کہا

ہائے کیسی شرمندگی ہوتی اگر گھر گندہ ہوتا ———!" زاہدہ نے جھرجھری لی

"لیکن آپا زاہدہ یہ مہمان کم بختوں کو بھی تو بیر ہوتا ہے ——— جتنے دن گھر صاف رہے۔ چڑیا کا بچہ نہ آئے ——— اور جس دن گھر اور گھورے میں فرق نہ ہو اُسدن بار آتیں آتی ہیں ——— یاد ہے آپا خالدہ وہ راحہ صاحب جس دن آئے تھے ———؟"

اور نہ جانے اس وقت عذرا کو کون سا حادثہ یاد آیا کہ بڑے زور سے ہنسنے لگی ساتھ ہی زرینہ اور زرینہ کا ساتھ دینے کے لیے زاہدہ ———!

کریلا دا آپا ———

اور یہاں یہ حال تھا کہ نہ کنگھی نہ چوٹی، سر گھومنہ پہاڑ لیئے بیٹھی تھیں ——— کہلا تو بھیجا کہ ابھی آئیں ——— اور ابھی آتے آتے ایک گھنٹہ لگا ———!

خبر ملی ———

"وہ لوگ جا رہے ہیں ———!"

"ہائے میرے اللہ ——— !کہہ کر زرینہ بھاگی، مرزا شہریار کے تخیل سے

وہ شرمانے لگی تھی، دراصل بیگم ریاض نے کچھ اتنی بار اور ایسے انداز سے اس کے سامنے اس کا شہریار کا ذکر کیا تھا کہ زرینہ ایک خاص تعلق سا محسوس کرنے لگی تھی اور چاہتی تھی کہ اب شہریار کے سامنے زیادہ سے زیادہ رہا کرے۔

ایک تو شہریار کی دولت، دوسرے اس کا حسن و وجاہت ـــــ تیسرے اس کی خوش مزاجی! ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں۔ شہریار کی ہر اٹھتی ہوئی نظروں سے اسے محبت کا ایک پیغام ملتا ـــــ ہر بار وہ سوچتی کہ میرے حسن کی بجلیاں کس قدر اس کے رگ و ریشہ جاں کو جلائے دیتی ہیں ـــ؟ وہ اس کی ہر نظر میں کچھ بے قراریاں، کچھ بے چینیاں پانے کی منتظر رہتی!

اُوپر سے زرینہ نمودار ہوئی تو ـــــ ساری نظروں نے اسے گھیر لیا۔ سب سے پہلے شہریار نے دیکھا اور ـــــــــــــ

"آیئے آیئے ـــــ!" کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا ـــــ اس پر سب متوجہ ہو گئے۔ روبانہ نے بھاگ کر سیڑھیوں پر جا لیا۔

"ہائے بیگم صاحبہ کتنی دیر لگا دی" اس نے خوبصورت بنے ہوئے بالوں کو جھٹکا دیا۔ "جناب نے نہ آنے کی ـــــ میں تو سمجھی تھی قسم کھا رکھی ہے؟"

"معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ ـــــ!" شہریار کی نظریں نئے جالی کے دوپٹہ کے بادلوں سے ابھرتے ہوئے چاند کی بلائیں لے رہی تھیں

"ہائے اللہ ـــــ یہ بات نہیں ـــــ میں دراصل سو رہی تھی ـــــ کسی نے جگایا نہیں ـــــ وہ تو بے چاری شیریں کو خیال آ گیا ـــــ دراصل یہ سب ہیں بڑی شریر!" اور اس نے شہریار کی آنکھوں سے آنکھیں ملا کر ـــــ

نظریں جھکالیں —— اور بیگم سرمد کے صوفے پر لپشت کی جانب سے جھک کر گلے میں باہیں ڈال دیں : "باجی جان" ! تجاہل عارفانہ کی پوری رعنائیوں سے چونک کر بولی "آپ بھی آئی ہیں ؟" —— اور ماں سے مڑ کر بولی : امّی —— امّی معلوم ہوتا ہے آج کی وہ مبارک تاریخ تھی جس کے لیے غالب نے وہ تاریخی شعر کہا تھا —— "

"یعنی —— ؟ امّی بے چاری بولیں "وہ کون سا ؟"

"وہی امّی —— وہ .... خدا کی قدرت والا ——

اب بتایئے کس کس کو دیکھوں —— دیوار و در تو نظر ہی نہیں آتے —— صرف مجھے میری باجی جان نظر آتی ہیں .!!"

"خوب خوب — بھئی سبحان اللہ !" شہریار جھوم گیا —— اور باجی جان نے دونوں ہاتھوں سے زرینہ کا چہرہ پکڑ کر ہولے سے گالوں پہ ایک چمّہ دیا — شہریار کے ہونٹ پھڑک رہے تھے !!

——————— !

ایک کے بعد دوسری سبھی آگئیں —— لیکن شیریں نہ آئی ——. خسرو کی نگاہیں شاید متلاشی تھیں لیکن تلاش کا سراغ نہ ملتا تھا

"کہاں مس شیریں" رومانہ نے بالوں کو جھٹکا دیا —— "سب کو بھیج دیا اور خود نہ آئیں ؟" حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ شیریں کتاب میں گم تھی —— اس نے زرینہ کے کہنے پر کہا۔

"توبہ ہے —— میں اُس "دماغی" کے سامنے نہیں جانا چاہتی ——

اس قدر اکڑتا ہے الٰہی توبہ ! معلوم ہوتا ہے اچھی صورت کیا پائی ہے سرخاب کے پر پھوٹ آئے ہیں !"

"ہیں ہیں ہیں ؟؟؟" زاہدہ نے منہ دھو کر حمام سے نکلتے ہوئے تولیہ کی طرف لپکتے ہوئے اور ٹپکتے پانی کے قطروں کو جھٹکتے ہوئے کہا "یہ کس کے سرخاب کے پر پھوٹے ہیں ——— اور خواہ مخواہ یہ تمہارے چہرے پر سرخیاں کیسی ؟

"یہ ———" خالدہ نے بڑی حقارت اور تمکنت سے شیریں کے غرور کو گویا ٹھکرا کر کہا "ہونھ ! زاہدہ باجی ان کے نخرے ہی نرالے ہیں"

خسرو صاحب نے کس سے بات کی ہے جو ان سے منہ جوڑ کر کرتے ——— ؟

"میں کہتی ہوں خالدہ آخر جب تمہیں محاورے نہیں معلوم تو پھر کس لیے بولنے کی زحمت گوارا کرتی ہو ——— ؟" فوضیہ نے اوپر آتے ہوئے اپنی لسانیت جھاڑی'

"او نھ !" اس سارے لمبے بڑے جملہ کا جواب تھا خالدہ کی طرف سے "تو زاہدہ باجی یہ چاہتی ہیں وہ اس طرح اُن کی خوشامد کریں جس طرح شہریار صاحب کرتے ہیں باجی نزیں کی !"

"میں کہتی ہوں انسان کی طبیعت میں یکسانیت ہونی چاہیئے ——— کبھی تو تم کہتی ہو باجی، کبھی آپا، کبھی صرف نام لے دیتی ہو ——— آخر ایسی بھی کیا انقلابی طبیعت ؟

"آخری انقلابی طبیعت کے ٹکڑے پر زاہدہ اور شیریں بھی ہنس پڑیں ——— لیکن فوضیہ اسی طرح خشک رہی ——— شاید حد سے زیادہ مطالعہ نے اسے سوکھا کھڑ تنک کر دیا تھا !

——————— !

"لیکن مس شیریں کیوں نہیں آئیں ؟" بیگم سرمد یعنی ریحانہ بولیں : "کیوں کچھ خفا ہیں ہم سے ؟"

"جی نہیں —— بات یہ ہے اُن کے سر میں کچھ درد ہے !" عذرا نے عذرخواہی کی -

"امی اگر آپ اجازت دیں تو ہم لے آئیں —— چلو خسرو !" شہریار نے کہا —— اور امی نہال ہو گئیں —— خسرو جو ساتھ تھے ! ——

"ارے تو بیٹا یہ بھی پوچھنے کی بات ہے ؟ —— اپنا گھر اپنی بہن جاؤ لے آؤ !"

اور زرینہ بے چین ہو گئی —— ہائے اُوپر کی منزل — جیسے دھوبی گھاٹ - —— توبہ ہے امی کو ذرا عقل نہیں —— نہیں معلوم کس مٹی سے بنی ہیں —— احساس ہی نہیں —— !

"میرے خیال میں ان کو تکلیف ہو گی اِس سے —— !" خسرو نے بدستور بیٹھے بیٹھے کہا : "ورنہ وہ خود ہی نیچے آجاتیں !"

بیگم ریاض نے اس کے لہجے کی تلخی کو محسوس کیا —— اُن کی آنکھوں میں ایک نامعلوم خوف رینگ گیا - اِن کا دل شائد چاہ رہا تھا کہ شیریں سامنے آئے تو کچا چبا جائیں —— کن مصیبتوں سے انھوں نے اِس راستہ کو ہموار کیا تھا —— لیکن خودداریوں کو بالائے طاق رکھ کر ایک باپ کا دل سینہ میں لیے مسٹر ریاض نے ملنے کی پہل کی تھی ؟

اور یہ بے درد اولاد !!

"اُف! ماں باپ کیا کیا جتن کرتے ہیں اور یہ کس طرح اغماض کر جاتے ہیں ——
الہیٰ توبہ! کاش شیریں کو ذرا بھی احساس ہوتا کہ ——————"

"نہیں بھئی —— تم یوں نہ کہو —— وہ آجائیں گی —— اور پھر ہمیں
مزاج پرسی بھی تو کرنی ہے اُن کی!" شہریار کی آواز اُن کو پھر سے اسی حال میں کھینچ لائی
چونک کر بولیں

"نا بیٹا —— وہ ہرگز بُرا نہ مانے گی —— تم جا سکتے ہو!"
خسرو بڑی بے دلی سے اُٹھا

—————— !

"لیکن آخر کیا وجہ ہے کہ وہ اس قدر اکڑے؟" اُوپر سے آواز آئی
خسرو کے کان کھڑے ہو گئے —— بڑی تیزی سے اُس نے شہریار کا ہاتھ دبوچ لیا
جو اُس سے تقریباً چار زینہ اُوپر تھا

"میں مانتی ہوں حسن کا شیوہ ناز و ادا ہے —— لیکن ایسا بھی کیا کہ دنیا کی کوئی
لڑکی اُنھیں بھائیں نہیں کرتی؟"

"میں کہتی ہوں —— تم لوگوں کی اُردو بے حد خراب ہے —— بھلا بھائیں
کرنا اس موقع پر استعمال کرتے ہیں؟" فوضیہ کے اس ریمارک پر شیریں بڑی برافروختہ ہوئی
اور تقریباً جھڑک کر بولی۔

"تمھاری بلا سے —— میں کہتی ہوں فوضیہ خبردار جو آئندہ سے نام بھی لیا کبھی
محاورہ کا —— لو اور سنو جیسے ہم نے ایم۔ اے نہیں کیا گھاس چھیلی ہے!!"
لیکن فوضیہ چپ نہ رہی ——————

"باجی تنگ ہے ہمیں —— " اور باہر شہریار ضبط نہ کر سکا۔

"میں آسکتا ہوں !"

"ہائے اللہ آپ ؟ اور یہاں !" فوضیہ اچھل پڑی "کیوں نہیں نہ کہتی تھی کہ ....."

اُس نے شہریار کے ساتھ خسرو کو دیکھ کر کہا۔

"شیریں ایک لمبی کوچ پر نیم دراز پڑی تھی —— پائنچہ پر سلوٹیں پڑ چکی تھیں —— دوپٹہ وہ ایک چھوٹی سی میز پر پڑا تھا —— صبح نہا کر بال کھلے رکھے تھے —— وہ اب لمبی لمبی ناگنوں کی طرح حسین سینہ پر لیٹے پڑے تھے —— دیر تک لیٹنے سے حسن میں سوئے ہوئے حسن کی دلکش ادائیں پیدا ہو گئیں تھیں ——

اپنی بے ترتیبی —— اور دوپٹہ کے نہ ہونے نے بُری طرح گھبرا دیا —— دبی سی "ہائے !" کی سسکی شرم سے بھرپور بھری —— اور لپکی دوپٹہ کی طرف !

شہریار فوضیہ کی طرف متوجہ تھا ——

خسرو کی تشنہ نظریں اِس جلوۂ جنت نگاہ سے چوک نہ سکیں !

شیریں ایک مجموعہ اضداد تھی —— جس میں شرم و لجاحت، بے باکی و بے حجابی غرور و تمکنت —— عجز و نیاز کے عناصر عجیب و غریب طرح ملے بلکہ سموئے ہوئے تھے۔

ابھی ابھی وہ خسرو پر بھڑک رہی تھی

اور ابھی ابھی وہ سامنے آیا تو —— سمٹ سمٹ کر بیر بہوٹی ہوتی جا رہی تھی۔

—————— !

—————— !!

—————— !!!

پانچواں پردہ :—

زُکام !

شہریار والے لوٹے تو لوٹتے لوٹتے زرینہ کو ساتھ لے گئے

بقول کسے "اللہ دے اور بندہ لے" بھلا بیگم ریاض کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا، گو یوں تو بظاہر بڑا ٹالا ٹولا —— لیکن رومانہ کی ضد آخر انھیں چت کر گئی ——!

"نہیں بی بی! آنٹی میں نہیں مانوں گی —— آپا زریں کو بھیجنا ہی پڑے گا آپ کو"

اور آپا زریں چلی گئی ——

چلتے چلتے شہریار نے شیریں کے لیے اصرار کیا —— لیکن شیریں اول تو طوعاً و کرہاً نیچے آئی تھی —— اور شاید اس لیے کہ وہ اوپر آ گئے تھے اور اس حال میں اسے دیکھ چکے تھے اُسے آنا پڑا ——

شیریں نے مزاج کی ناسازی کا عذر کرتے ہوئے خسرو کو دیکھا —— وہ فلسفیہ سے باتیں کر رہا تھا اور خان بہادر اُسے اور شیریں کو!

لیکن خسرو نے اشارہ تک نہ کہا کہ شیریں ہے —— بیگم ریاض کی منشاء تو تھی کہ شیریں چلی جائے لیکن ایک تو وہ خود نہیں چاہ رہی تھی، دوسرے مسٹر ریاض کو زرینہ کا جانا ہی

پسند نہ تھا ——— اُن کے ماتھے کی شکنیں گہری سے گہری ہوتی جارہی تھیں!!

——————— !

ندبنہ کو گئے تیسرا دن تھا ——— !

اصولاً اُسے دوسرے دن آجانا چاہیئے تھا ——— یا کوئی اطلاع آتی کہ وہ کیوں نہ آسکی ——— لیکن کوئی اطلاع نہ تھی۔

سوال یہ تھا کہ "کاشانہ" والے ایسے غریب تو نہ تھے کہ انہیں اس کا احساس ہی نہ ہوتا کہ ماں باپ کا کیا حال ہوگا ؟ ——— کسی نوکر ہی کو بھیج دیں ——— !

چائے کی پیالی کے آخری قطرے کو منہ میں رکھتے ہوئے مسٹر ریاض نے بڑی تشویش ناک لہجے میں کہا ———

" نہیں معلوم کیا بات ہے کہ آج تک کوئی اطلاع زرین کی نہیں آئی ؟"

آخر بیگم ریاض کو بھی احساس ہوا ——— ہلکی سی پریشانی سے بولیں

" سچ ہیں کیوں نہ جانے کیا بات ہے ——— انھیں کم از کم اطلاع تو دینی چاہیئے تھی "!!

" لیکن ——— مَیں کہتا ہوں " انھوں نے پائپ سے تمبا کو جھاڑتے ہوئے کہا ———

" انسان ایسا کام ہی کیوں کرے کہ اس مخمصے میں پڑنے کی نوبت آئے "؟

" لیکن اس میں مخمصے والی کون سی بات ہے ؟ ——— جوان جہان بیٹی کی فکر کس ماں کو نہیں ہوتی "؟ بیگم جھلائیں ——— آخر اس میں بے چاری کا کیا قصور تھا

" بیٹی ——— سب سے بڑی اور جوان ——— اور پھر بر نظر آیا تو اندھول

میں کانے راجہ" کی طرح مرزا شہریار جیسا —— آخر کیوں نہ تدبیر کر دیکھیں —— مثل مشہور ہے " ہاتھ ہلائیں تو روٹی ملے" ورنہ آسمان سے منہ میں نوالہ آنے سے رہا!

"لیکن —! مسٹر ریاض نے بھی تشویش بلکہ قدرے اور پریشان ہی ہوکر کہا "مجھے تو ان کا اس طرح غائب ہو جانا —— خطرے سے خالی نظر نہیں آتا —— ان نوابوں اور رئیسوں کا کیا بھروسہ —— دولت کا پردہ ان کے لیے سب سے بڑا سہارا ہے کہ ہر عیب پر ڈال لیتے ہیں —!"

"ٹھیک تو ہے —— لیکن کیا ضرور ہے کہ وہی کچھ ہو جو تم نے کہا ہے"

اور پھر ——! وہ قدرے بھنا کر بولیں" ہر بار، ہر دن، ہر گھنٹہ، ہر گھڑی تم سے کہتی رہتی ہوں کہ خدا کے لیے اچھی زبان نکالو —— مگر تمھیں قسم جو ہوئی میری بات ماننے کی —— یہ تو نہیں ہوتا کہ بھیج دیں کسی کو —— جھگے ہی کو بھیج دیں —— یا خود ہی چلے چلیں —— کیا گھٹ جائیں گے کچھ —— یا پاؤں میں مہندی لگی ہے —— دنیا نہ جانے اولاد کے لیے کیا کچھ کرتی ہے —— اور ایک تم ہو کہ ....!"

مسٹر ریاض —— ہمیشہ اس قسم کی گفتگو پر اپنی ساری بر خانیت کو خدا حافظ کہہ دیتے ہیں —— اور ان کے دل پر جم کر ایک گھونسا پڑتا ہے —— انہی کا دل جانتا ہے کہ کس کس جتن سے وہ پاکستان آنے میں کامیاب ہوئے —— اور پھر جائیداد کے سلسلہ میں انھوں نے کس طرح جوتیاں گھسیں تھیں —— یہ کچھ انہی کا دل جانتا ہے —— یا پھر اُن کا خدا —— اس لیے کہ بیوی جان کر جو انجان بن جاتی ہے —— اس ستم ظریفی کا کوئی علاج دنیا میں ہوتا ہی نہیں!!

"بس بیگم ——— !" وہ کڑکے "ٹھیک ہے میں نے کچھ نہیں کیا

اب تم کچھ کرکے دکھاؤ تو جانیں ——— بڑی بہادر جو ہو!"

اور وہ مڑے کہ چلیں لائبریری میں ——— کہ

"ہائے ابا جی ——— یہ دیکھیے ——— ہائے باجی سخت بیمار ہیں۔!"

فوضیہ ایک لفافہ کھولے پرچہ پڑھتی چلی آ رہی تھی۔

مسٹر ریاض نے سنبھل کر عینک آنکھوں پر رکھی ——— بیگم نے ہاتھ سے سروتہ چھوڑ دیا۔

"یہ دیکھیے ———" فوضیہ نے پرچہ تھما دیا ——— جس کو جلدی سے مسٹر ریاض پڑھنے لگے ——— بیگم نے سر اٹھا کر کہا

"آخر کچھ بتاؤ تو ——— ؟"

"ہوں ——— ذرا پڑھ لوں ———!" ان کے چہرے پر سرخیاں بڑھتی جاتی تھیں ——— جن کو دیکھ دیکھ کر بیگم کے چہرے پر سرخیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔

بڑا لمبا چوڑا خط تھا ——— وہ ختم کرنے پر تلے تھے اور بیگم کے صبر کا پیالہ "لب بام" پہنچ رہا تھا آخر انھوں نے چھٹی چھین ہی لی۔

"توبہ ہے ——— دوسرے کا ذرا تو خیال کرو ——— بلند آواز سے پڑھیے ——— لیے بیٹھے رہیں!"

———————— !

آخر طے یہ پایا کہ اگر زرینہ سخت زکام اور انفلوئنزا کی وجہ سے معذور ہے آنے سے تو پھر ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ یہاں سے کوئی چلا جائے ——— بالخصوص شیریں

کہ شہریار نے خاص طور پہ اُسے بلوایا تھا ۔

ایک گھنٹہ کی بحثا بحثی کے بعد شیریں تیار ہوئی ۔

اُسے جانے سے انکار نہ تھا ۔ لیکن خسرو کی موجودگی کا خیال کر کے اس کے رخسار گلابی ہو جاتے ۔ اور آنکھوں کی سیاہی بڑھ جاتی ۔ اور اُن میں تارے چمکنے لگتے ۔

پھر جاتے جاتے اُسے دو گھنٹے اور لگ گئے کہ ساتھ کے کپڑوں، زیور سنگھار کی چیزوں کے ساتھ ساتھ کچھ منتخب اور چیدہ کتابیں بھی رکھنی ضروری تھیں ۔

"ہائے میری آپا نرین کتنی کمزور ہو رہی ہو ۔" شیریں نے بہن کے قریب سے قریب ہوتے ہوئے کہا ۔ "مگر"

"مگر مس شیریں ۔ ذرا دور ہی رہیئے ۔" بیگم سرمد نے دروازے میں کھڑے ہو کر آواز دی "مس نرین کو انفلوئینزا کا شک ہے ۔"

شیریں کے لبوں پہ ایک جان لیوا تلخی تڑپی ۔

"یہ بات ہے ۔؟" اُس نے سوچا ۔

"لیکن باجی جان ۔" آخر اُس کے احمریں لب چپ نہ رہ سکے "معمولی بات ہے انفلوئینزا تو ہو جاتا ہے عموماً ۔ وہ تو طاعون، ہیضہ، دق سل یرقان ۔

۔۔۔۔۔۔۔"

ہائے توبہ ۔" وہ کانپ گئیں ۔ اور جڑاؤ بندے اور نکلس لرزنے لگے "کیسی باتیں کرتی ہو ۔ توبہ ہے ۔ نہ جانے نام کس طرح سے لیتی

رہو ایسی سڑی گندی بیماریوں کے — "

خسرو اندر داخل ہوا —

نظر شیریں پر پڑی تو اُس کے خوبصورت مونچھوں والے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی — !"

شیریں کو کافی راستہ گرد و غبار میں ہو کر آنا پڑا تھا — چونکہ موٹر میں شیشے ذرا ڈھیلے تھے، اس لیے وہ دھول اور گرد و غبار میں نہائی ہوئی تھی — خسرو نفاست اور صفائی کا نمونہ بنا ہوا تھا —

خسرو تو خسرو "کاشانہ" ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آئینہ کی عمارت ہے فرش میں بلا تکلف منھ دیکھ لیجئے —

شیریں بہن کے لیے اس قدر پریشان تھی کہ قطعی یہ بھول گئی کہ — بڑے گھروں کے "آدابوں" میں پہلے با نفر ردم پھر ملاقات مقرر کی گئی ہے !

سچ ہے کس قدر عجیب ہوتا ہے چھوٹے گھرانوں کے افراد کا میل ملاپ اُونچے گھرانوں کے کاخ نشینوں سے" !

! —

شیریں کی تیز نظروں نے — عقاب کی تیزی لے کر خسرو کی اس حرکت کو تاڑا — اور نفرت کی ایک ہلکی سی بدلی، اس کی نظروں کی اُفق پر اُٹھ آئی" !

دفعتاً اسے محسوس ہوا کہ وہ کس قدر غلط — انمل بے جوڑ قسم کے ماحول میں آگھری ہے — وہ نہ جانے اور کیا کیا سوچتی رہی اور — احساس کمتری کے کن اندھے اندھیرے غاروں کی طرف جانکلتی کہ شہریار آگیا — !"

شہر یار کی آمد ـــــ ہمیشہ اپنے آغوش میں ہنگامے لیے آیا کرتی تھی!
وہ آتا تو رونقیں جاگ اٹھتیں ـــــ
گھٹے گھٹے ماحول کی رگ رگ کھُل جاتی ـــــ

وہ بھی مس شیریں ـــــ جناب آپ اطمینان رکھیں!" اس کی مسکراتی ہوئی آنکھوں نے گویا مسیحائی کی ـــــ شیریں کے پژمردہ ہونٹوں میں گلاب کی کلیاں مُسکانے لگیں ـــــ "میں کہتا ہوں جناب آپ کی ہمشیرہ سولھوں آنے ـــــ بلکہ سوا سولھوں آنے بالکل وہی ہیں جو آپ کے دولت خانے سے آئی تھیں ـــــ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ـــــ صرف ذرا دماغ کا نزلہ خارج ہو گیا ہے ـــــ ابھی ابھی کرنل رحمٰن سے مل کر آرہا ہوں ـــــ کہتے ہیں آپ بالکل بے فکر رہیں خطرہ نام کو نہیں ـــــ"
اور شیریں کی آنکھوں میں جان آتی دیکھی تو جان نواز مسکراہٹوں سے اور بھی جان ڈالتے ہوئے کہا "چلیے ـــــ چلیے اٹھیے ذرا منہ ہاتھ دھو لیجیے ـــــ یہ کیا حال زار بنائے بیٹھی ہیں!"

زرینہ کو احساس ہو رہا تھا ـــــ اور شیریں کو بھی خسرو کی نظریں خیال دلا ہی چکی تھیں ـــــ شہر یار کی طرف بادامی آنکھوں سے ایک بڑی جان لیوا مسکراہٹ پھینک کر بولی

"سچ مُنّی ـــــ چل ذرا اٹھ کانے سے آدمی تو بن لے ـــــ لے اب اُٹھ بھی جا!"

شہر یار نے بٹن دبایا ـــــ

"لیجیے حضور ـــــ حمام کا دروازہ کھولتا ہوں ـــــ وہ رہا آپ

کا مقام عافیت "! زرینہ مسکرا اٹھی ——

"بس اب خیریت معلوم ہو جائے گی —— اُس نے آتی ہوئی موٹی جبشن آیا پر نظر ڈالی —— اور شہریار اس جملہ پر نثار ہو گیا۔

"سبحان اللہ —— کیا چست بندش ہے —— زریں —! اور بیگم سرمد اور خسرو کی موجودگی کو دفعتاً محسوس کر کے "اوہ"! مس زرینہ —— آپ کے ذوق کی داد نہ دینا بدذوقی ہے"!

زرینہ کے چہرے پر شفق پھولنے لگی

"اور آپ کی اس خوش مذاقی کی ——"؟

"داد دینا بدذوقی ہے —! خسرو نے شیریں کا جملہ پورا نہ ہونے دیا —— اس قدر تیز دھار تھی اس کے لہجے کی کہ شیریں تقریباً سفید پڑ گئی —— مگر سنبھل کر بول اٹھی ——

"بڑا اعلیٰ ذوق ہے آپ کا" اور آیا کے ساتھ چل پڑی ——

وہ جھٹکے سے آگے بڑھی — لہجے کی تیزی نے شہریار کو اس قدر پرلطف کیا کہ اس کے قہقہوں نے خسرو کے حیرانیوں والے بشرے پر ایک پردہ سا ڈال دیا ——

"بھئی بڑی تیز ہیں —! بڑی تیز —— بڑی تیز!! شہریار کو بڑا لطف آ رہا تھا —— اور اسی قدر بیگم سرمد کی آنکھوں میں شعلے چمک رہے تھے ——

! ——————

خسرو کو جیسے ایک جھٹکا لگا تھا —— وہ بڑی دیر سے مینٹل پیس پر رکھے ہوئے کیوپڈ کے مجسمہ کے اُس تیر کو دیکھ کر جیسے سوچ رہا تھا کہ یہ تیر چھوٹے تو کہاں لگے؟!

رومانہ اٹھلاتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

"جناب مُریدِ زرتشت ——— !"

"ایں کیا کہا زن مُرید —— ؟ شہر یار نے زرینہ کے آنکھ مار کر خسرو پر چوٹ کی۔

"جی ہاں ! مَیں دیکھ رہا ہوں —" خسرو اس تیزی سے پلٹا جیسے منتظر تھا "آثار کیسے پائے جا رہے ہیں —!" زرینہ نے ریشمی چادر سینہ پر اور کھسکالی اور رومانہ نے اپنے خوبصورت بالوں کو جھٹکا دیا ——۔

"ہائے بھائی جان آپ تو بات نہیں کرنے دیتے —— بلا بات بیچ میں ٹپک پڑتے ہیں —"

"دھوبی کے پٹکے کی طرح !" شہر یار بڑے موڈ میں تھا ——

"ہائے اللہ آ آ —— !!" رومانہ نے ایک بڑے زور سے بالوں کو جھٹکا دیا۔

"مَیں کہتی ہوں" —— !" اور جلی جلی نظروں سے بھائی کو دیکھتی ہوئی وہ بڑھی۔ خسرو کی کہنی سے لپٹ کر بولی "چلیے آپ سے مجھے کچھ پوچھنا ہے —— !"

اور پلٹ کر اس کی بڑی بڑی فسوں ساز آنکھوں میں اپنی پیاسی آنکھیں ڈال دیں ——

"چلو —— !" اُس نے تنا دُکو ئی اور چارہ نہ دیکھا ——

دونوں بیٹھے ———

اور ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے ———

بادل ہٹ چکے تھے ———

چاند نکل آیا تھا ———

خسرو اس زور سے ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا کہ دو منٹ اس کی آنکھیں نہ جھپکیں سب مڑ کر دیکھتے گئے —— سنہری گھنگریالی زلفیں بکھرائے —— سمندری رنگ کے پائنچے والے سوٹ میں نیلم کے بڑے بندے ستارہ نما لاکٹ پہنے گرتے دوپٹہ کو ایک ہاتھ سے سنبھالتے ہوئے دوسرے سے دروازے کی درز میں پھنسے ہوئے پائنچے کو بڑی نزاکت سے نکالنے میں شیریں مصروف تھی —— لمبی لمبی زلفیں کسی کے قدموں تلے بچھنے پر تلی ہوئی تھیں —— پتلی خمیدہ انگلیوں میں خوبصورت نازک نازک انگوٹھیاں جگمگا رہی تھیں ——

کتنا زبردست فرق ——

جیسے چاند بدلی کا دھندلا، میلا ملگجا پردہ اٹھا کہ باہر نکل آیا تھا ——

کہاں وہ گرد و غبار میں اٹی ہوئی شیریں کہ شیریں کہنے کو دل نہ چاہے ——

اور کہاں یہ ماہ نیم ماہ ——!

"واہ واہ وا —— ! بھئی کیا کہنے ہیں مُنّی بہن —— ! جیسے شہر یار کو بڑا پیار آگیا —— زرینہ بڑے فخر سے اسے دیکھنے لگی ——

اور شیریں ——!

محسوس ہوتا تھا جیسے اس کی آنکھیں کہہ رہی ہیں ——

"لو اب تو جی خوش ہو گیا —— رنگ برنگی کپڑوں، چمکتے دمکتے زیوروں پر فریفتہ ہونے والو —— لو دیکھو —— مجھے ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو —— ہے اب بھی ضرورت طنز و تشنیع کی چھریاں کٹاریاں برسانے کی!!——

خسرو کی حیرانی پر رومانہ کی پریشانی قابلِ دید تھی ——؛

چھٹا پردہ:—

ایک تلخی — ایک حقیقت!!

اتفاقِ وقت کہ یہ سمجھ کر کہ اب آرام آگیا شہر یار کے اصرار سے زرینہ کو ڈرائنگ روم میں ایک گھنٹہ کے لیے بٹھایا گیا —— ہوا جو لگی —— تو آخر بیگم سرمد کا اندیشہ صحیح ہُوا —!

رات کے بارہ بجے ہوں گے —— زرینہ نے شیریں کو آواز دی ——

وہ اٹھی ہے تو زرینہ آدھی بستر پہ اور آدھی نیچے —— بخار سے دہک رہی تھی —— شیریں نے بہ مشکل سنبھالا —— اور آپا کو جگا کر خود بھاگی کہ بیگم سرمد کو جگائے

اِدھر شیرا ٹہل رہا تھا —— اس نے بھاگتی شیریں کی ٹانگ لی —— اور پھر حالانکہ شیریں کا پائینچہ اس کے منہ میں تھا وہ اس قدر زور سے بوکھلا کر چیخی کہ شہر یار اور خسرو دونوں سمے دونوں باہر نکل آئے ——

شہر یار بالکل نہ سویا تھا ——

خسرو البتہ سلیپنگ گاؤن کی ڈوری کستا ہوا نکلا ——

"شیرے شیرے —— کیا بات ہے منی بہن —— ؟" شیرا اس کو چھوڑ مالک کے آگے دم ہلانے لگا —

"ہائے —— بھائی جان ——!" شیریں نے مارے ڈر کے اس کا بازو

تھام لیا "آپا زریں کو بڑا بخار ہو رہا ہے ——— خدا کے لیے ڈاکٹر کو بلوائیے ——— !"

خسرو سگریٹ سلگا چکا تھا ——— کش لے کر بولا ———

"میں ابھی وقت منع کرتا ——— لیکن اِن جناب کی عقل بھی تو ٹھکانے ہوتی !"

شہریار کمرے کی طرف لپک چکا تھا ———

شیریں نے کوئی جواب نہ دیا اور پلٹ کر آگے بڑھنے لگی ———

خسرو اُسی جگہ کھڑا رہا ———

پھر شیریں اس کی نظروں سے اُوجھل ہو گئی ——— اور صرف کمرے کے کھلے دروازے سے ریشمیں پردہ سرسرا کر باہر نکلتا رہا ———

خسرو کچھ دیر کھڑا خاموش ادھر دیکھتا رہا۔ پھر ختم ہوتے ہوئے سگریٹ کو خوب غور سے دیکھ کر ایک آخری کش لیا ——— اور پیروں تلے روند ڈالا ——— اور پھر مڑ گیا ——— اپنے کمرے کی طرف ——— کہ

"خسرو ——— ! خسرو اماں خسرو ———" شہریار نے راستہ میں رک کر دروازے سے آواز دی۔

وہ پلٹ پڑا ——— لیکن بولا کچھ نہیں ——— آنکھیں پوچھ رہی تھیں کیا ؟"

"ذرا ——— بھئی کرنل رحمٰن کو ذرا ٹیلیفون کرو ——— زریں کی بڑی بُری حالت ہے ———" اور پھر ——— پھر وہ خود ہی اُسے خاموش دیکھ کر ٹیلیفون کی طرف دوڑ سا گیا ———

دوڑتے شہریار کو پکڑ وہ بولا ———

"تم چلو میں ——— ٹیلیفون کر کے آتا ہوں — اُسے تمہاری ضرورت ہے"!

شہر یار ٹھٹک کر اُسے دیکھنے لگا ———

"ہاں ہاں اسے تمہاری ضرورت ہے — چلو چلو — چلو اب چلو بھی ہی —!" خسرو جیسے جانے کتنا سمجھ دار تھا ——— کتنا بوڑھا ——— کتنا تجربہ کار !!!

اور شہر یار جیسے اس ہمدردانہ لہجے کی گہرائیوں کو محسوس کرتا ہوا ——— باچشم پرنم پلٹ پڑا —!

———————— !

کرنل رحمٰن آئے تو زرینہ کی طبیعت بے حد خراب ہو چکی تھی ——— بڑی مشکل سے انھوں نے اُسے سنبھالا ——— سب کو اپنی مخصوص مہربان آواز میں ڈانٹا کہ بڑے بدتمیز اور "بدپرہیز" ہیں ——— "بدپرہیز" وہ ہر بات پر کہا کرتے تھے۔ شاید اپنے ڈاکٹر ہونا کا ثبوت اس طرح دیا کرتے تھے۔

صبح شیریں نے ایک لمبا چوڑا تفصیلی خط گھر بھیجا اور بیگم ریاض مع فوضیہ خالدہ اور عذرا کے اپنی موریس ایٹ دوڑاتی چلی آئیں۔

شہر یار اور بیگم سرمد نے اُن کا بڑا ہی پرتپاک استقبال کیا اور اس طرز پذیرائی کی مصنوعیت کو ایک دم فراموش کرتے بلکہ اس کا بالکل خیال نہ کرتے ہوئے بیگم ریاض بچھ بچھ گئیں ——— اس وقت ان میں ایک عجیب و غریب جذبہ پایا جا رہا تھا ———

ایک طرف تو مارے مسرت کے انکسار سے ان کا گویا دم نکلا جا رہا تھا دوسری طرف اتنے رئیس گھرانے کا ایسا پرتپاک خیر مقدم مارے فخر و غرور کے اِن کا سینہ

پھیلائے دے رہا تھا!

شہریار اور بیگم سرمار اس تماشے کو دیکھ رہے تھے ــــ بیگم ریاض کے ماتھے کا پسینہ اِن کی گھبراہٹ کہ کہتی کچھ ہیں، نکلتا کچھ ہے ــــ وہ شاید ہمدردی سی محسوس کر رہے تھے ــ

لیکن ــــــ

ایک آنکھ تھی جو اس تماشہ پر ایسی نظریں ڈال رہی تھی کہ طنز و تشنیع کی ایک دنیا اُن میں سمٹ آئی تھی ــــــ

دو لب تھے تو خاموش ــــ لیکن طعن و تمسخر کا ایک جہاں اُن پر آکر ٹک گیا تھا ــــــ

! ــــــــــــــــــ

شیریں کو خبر ملی تو وہ دوڑی آئی

اور ماں سے پہلے اِس کی نظر خسرو پر پڑی جو سیڑھیوں والے کھلے برآمدے کی ریلنگ پر کہنا لٹکائے کھڑا تھا ــــ جس کی آنکھوں اور لبوں پر طنز و تشنیع کی ایک کائنات سمٹی ہوئی تھی ــــ دفعتاً اِس کے چہرے پر چند لہریں اٹھیں

شاید نفرت اور بیزاری کی ــــــ

لیکن کس سے ؟ ــــــ

کیا اس ماحول سے ؟ یا صرف خسرو سے ؟ اِس کا حل مشکل تھا ــــــ

کچھ دیر تک وہ بڑے ضبط و تحمل سے کھڑی رہی ــــ پھر آہستہ آہستہ نیچے اُتر آئی ــــــ سیڑھیوں کے پاس والے صوفوں پر وہ سب بیٹھے تھے ــــ

بیگم ریاض کی نظر پڑتے ہی تقریباً چلائیں

"شیریں ہیں ——— میری بیٹی ——— ! اور شیریں ان کی پھیلی آغوش میں سمو گئی ——— وہ تو سب سامنے تھے ورنہ وہ رو دیتی ———

خسرو کی نظروں کی طنزیہ مار ——— رومانہ اور خسرو کا ساتھ ——— اس کی اپنی فطری خاموش مزاجی کے ساتھ اس ہنگامہ پرور ماحول کا ٹکراؤ ——— نہیں معلوم وہ کیسے ضبط کر گئی !

"معلوم ہوتا ہے بی بی برسوں سے بچھڑ چکی ہیں ——— ہائے اللہ کیسے ملی ہیں ——— بھئی ان کے انداز سب سے جداگانہ ہیں ———" شہریار کا اونچا قہقہہ گونجا۔

"جی ی ی ——— ہاں وہ میں کہتی ہوں ———" بیگم ریاض کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چمکیں ——— "بات یہ ہے یہ مجھے سب سے زیادہ مانوس ہے ——— اور اس سے پہلے کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی مجھ سے الگ نہیں ہوئی ——— اب تو تین دن ہوتے ہیں اسے یہاں آئے ———" ان کی آنکھیں پھیل گئیں " اور بات یہ ہے مرزا شہریار یہ زرینہ ——— میری بیٹی ہے تو بس زرینہ ——— اس قدر صبر و تحمل کی دیوی ہے کہ کیا بتاؤں ——— اب بھی دیکھ لیجیے کتنے دنوں سے بیمار ہے ——— اُف نہیں کی ہو گی اُس نے مجھے یقین ہے ——— !"

بیگم سرمد نے مسکرا کر کہا ———

"ہاں ! یہ تو ہے بڑے صبر سے چپکی پڑی رہتی ہیں !"

"ارے وہ ؟" شہریار نے بیگم ریاض کے کھلتے ہوئے ہونٹوں کی طرف دیکھا " وہ تو اگر بس چلے اُن کا تو آنکھ نہ کھولیں ——— بھئی بڑا ضبط ہے ———

ہم سے تو نا ممکن ہے کہ ایسا ہو سکے ——— !" اور صورت ایسی بنائی کہ بیگم ریاض کی باچھیں کھل گئیں — — ہر دل میں امیدِ موہوم کے جو دیے جل رہے تھے اُن میں مانو کسی نے منوں تیل ڈے دیا اور اُن کی تابانی ان کی آنکھوں میں جھلک آئی ——— !

مسکرا کر بولیں

"بس یہی تو بات ہے کہ نہ صرف مجھے بلکہ خود اس کے ابا کو اس سے سب سے زیادہ پیار ہے ——— اور ایمان داری کی بات تو یہ ہے مرزا شہریار میں تو اس عورت کو عورت نہیں سمجھتی جس میں صبر و تحمل کا اتنا مادہ نہ ہو ——— کیوں آپ کی کیا رائے ہے ؟" وہ بیگم سرمد کی طرف مخاطب ہوئیں جو اپنی جڑاؤ زنجیر سے کھیل رہی تھیں ——— کھیل تو رہی تھیں نظریں بھی نیچی تھیں لیکن ہونٹوں کی مسکراہٹیں غماز تھیں کہ یہ اپنے منھ میاں مٹھو بھی خوب !"

"جی ہی ی ——— " انھوں نے انداز ایسا اختیار کیا تھا جو عجیب شان اور لاپروائی سے ہوتا ہوا توجہ کے ساحلوں سے چھو سا جاتا تھا !"ٹھیک ہے ——— !

بیگم ریاض سے پہلے نیترین کو احساس ہوا کہ بیگم سرمد کیا ہیں ——— لیکن ہائے رے مامتا ! ——— بیگم نے پھر اغماض برتا ——— اور "زرینہ" ان کی ساری توجہ کا مرکز بن گئی ———

"اس کی خاطر مجھے یہ سب جھیل جانا چاہیئے ———" انھوں نے جیسے سوچا۔

اور پھر وہ مسکرا رہی تھیں ——— عجیب نچھے نچھے انداز میں مسکراہٹوں اور ممنونیتوں کے درمیان ——— !!

لیکن موضوع کوئی بن نہ پڑا ———

خاموشی سی چھاگئی

اور اس خاموشی میں یا تو بیگم ریاض کا آرزو پسند دل دھڑک رہا تھا یا مشرقی دیوار پر لگا ہوا بڑا ایگ بن کلاک !!!

——————— !

——————————— !!

یکایک خسرو کے پاؤں کی چاپ شروع ہوئی

اسے جیسے اس ماحول ——— اور اس کی خاموشی پر "رحم" آگیا ——— وہ اُوپر سے اُتر آیا !!

"آداب عرض ہے چچی جان ——— ! بیگم ریاض ایسا مزہ لے کر چونکیں جیسے وہ خسرو کی آواز نہیں تھی بلکہ فردوسی نغمہ تھا ——— !"

"جیو بیٹے جیو ——— جگ جگ جیو ——— "کہ شہریار کا قفل خاموشی ٹوٹا ——— بڑا زوردار قہقہہ جھاڑ کر بولا ———

"اور وہ تو آپ بھول گئیں ——— دودھوں نہائیں ——— پوتوں ——— !"

کہ رومانہ نے بالوں کو جھٹکا دیا ———

"یہ ؟" اس نے خسرو کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹتے ہوئے کہا: "یہ دودھوں نہائیں گے ؟ ذرا دیکھیے تو ان کی صورت !!" اور اٹھ کر خسرو کی تھوڑی پکڑ کر بیگم ریاض کے سامنے کردی۔

بیگم ریاض کو یہ بے باکی بالکل نہ بھائی ——— لیکن مجبور تھیں ——— عذرا اور خالدہ بے ساختہ ہنس پڑی ——— شیریں کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا

رہ گئی ——— اور اپنا عکس رومانہ کے چہرے پر شمشیر کی طرح بکھیر کر طنز کی گود میں چھپ گئی ——— نوشبہ البتہ بالکل خاموش بیٹھی دیکھتی رہی۔ ——— جیسے وہ کوئی تصویر دیکھ رہی ہو!

قبل اس کے کہ شہریار کچھ کہتا ——— خسرو نے خود کو رومانہ سے آہستگی سے چھڑا لیا اور مونڈھا کھینچ کر عین بیگم کے سامنے بیٹھ گیا ——— اس کی اس ایک حرکت نے ساری فضا کی خاموشی ختم کر دی ———

"اچھا یہ بتائیے ——— چچا کیوں نہیں آئے؟"

بیگم سرمد نے خسرو کی اس بے تکلفی پر آنکھیں فدا اور کشادہ کر لیں ——— اور شہریار اس نئے خسرو کو دیکھنے لگا، جو اب ملنساریوں کے ساحلوں پر قدم انداز ہو رہا تھا اور یہ بالکل نئی چیز تھی!

ورنہ خسرو اس کا بچپن کا ساتھ کھیلا دوست تھا۔

"بیٹے بات یہ ہے انھیں اپنے مطالعہ سے فرصت نہیں ملتی ——— ہر وقت چوبیس گھنٹے دن رات وہ کتب خانے میں رہتے ہیں حتیٰ کہ سوتے بھی وہیں ہیں —!"

اور اس جھوٹ پر کہ سوتے بھی وہیں خالدہ اور عذرا نے اپنے آپ کو بڑی مشکل سے روکا!

"لیکن دو چار منٹ نکال تو سکتے تھے؟"

"ہاں کیوں نہیں ——— لیکن ——— اچھا اب تم اتنے کیوں پریشان ہوتے ہو کاشانہ ہی کا تو رہنا سہنا ہے ——— اور کاشانہ دور نہیں؛ کہ شہریار کو دیکھا۔

"دُور تو نہیں —— لیکن پتہ نہیں میں کب اس کو چھوڑ دوں —— بات یہ ہے، میں اگر چھوڑنا چاہوں گا تو صرف پانچ منٹ بھی نہیں لگیں گے —— پانچ منٹ بھی نہیں !!"

بیگم ریاض سفید پڑ گئیں —— اور وہ لاشعوری خوف کا بھوت ان کے سامنے تاک دھنا دھن تاک دھنا دھن کی بھیانک تال پر ناچنے لگا !!

لیکن شیریں نے بروقت سنبھال لیا !

"اور بھائی جان —— معاف کرنا —— میرا مطالعہ کس قدر صحیح نکلا ؟"

شہر یار چونکا تو خسرو بھی لاشعوری طور پر پلٹ پڑا —— اور اتنا جملہ کہہ کر کہ شیریں اس طرح خاموش بیٹھی تھی جیسے سمندر !!

"یعنی —— ؟" شہر یار نے رک کر پوچھا

"یعنی یہ کہ —— معاف کرنا بڑے "جلد باز" رہیں آپ ؟" شہر یار اس چوٹ پر ذرا بوکھلایا —— حق کی تلخی کلیجہ کے پار ہو گئی —— خسرو کی نظروں میں بھرپور داد ہی داد تھی !

"اچھا جی !! اس نے اس تلخی پر قابو پاتے ہوئے کہا " مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ ایسی بڑی کیریکٹر ریڈر (CHARACTER READER) ہیں !"

"جی ہاں بالکل —— " اس نے پورے اطمینان سے کہا " بھائی جان پھر آپ کو بہت اچھی سمجھتی ہوں !" ——

"کاش میں اس کو تحسین سمجھ سکوں !" شہر یار کے لہجے میں مار کھائے ہوئے سانپ کی بے کلی تھی —— خسرو مسکرا رہا تھا۔

جیسے خوش ہو رہا ہو —— داد دے دے کر خوش ہو رہا ہو!!!

"شیریں بیٹی —— !! بیگم ریاض کانپ اٹھیں —— کیسا منہ پھٹ زمانہ ہے، —— ہائے کم بخت کو سوجھی بھی تو کیا؟ —— ان کے خیالوں کے محل لرزنے لگے !! تمہاری زبان کو لگام بھی ہوگی؟"

"لیکن —— !!" کہ شہریار نے سنبھالا لیا ——

"جی ہاں —— جی ہاں!" وہ موڈ میں آگیا تھا "فرمایئے فرمایئے جھجکتی کس لیے ہیں آپ؟"

"اور یہ ان کی خاص "تہذیب" ہے!" خسرو کو شاید یاد آگیا تھا کہ شہریار اس دوست ہے اور دوست کی توہین کون گوارا کرتا ہے!

"خوب ب ب !!" شہریار کا جلا ہوا دل اس پھاہے سے بڑا ٹھنڈا ہوا، قہقہہ جھاڑ کر بولا "وہ بھی خوب مارا ہے —— بھئی کیا کہنے ہیں تمہارے!"

خسرو اٹھ کھڑا ہوا ——

"ارے بیٹھو تو —— !" بیگم ریاض بولیں "کہاں چلے؟"

"چچی جان —— وہ —— ایک بے حد ضروری کام یاد آگیا ہے۔ معاف کیجیے گا —— اچھا —— اچھا —— آداب عرض ہے!"

اور وہ چلا گیا —— بیگم ریاض تقریباً بوکھلا گئیں —— شیریں کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا —— "اللہ!" شیریں نے مسکرا کر ریحانہ سے پوچھا

"باجی زاہدہ یہاں ہو گئی ہیں کبھی؟" ریحانہ بہت ہی خاموش کچھ رنجیدہ سی تھی لیکن شیریں سے مسکرا کر خندہ پیشانی سے جواب دیا ——

"زاہدہ؟ —— اچھا —— زاہدہ خان بہادر؟ —— نہیں تو میں نے بلایا بھی تھا!"

"بڑی اچھی ہے زاہدہ —— بڑی خوش مزاج" شہریار نے شیریں کو کچھ کہنے نہ دیا۔ بیگم ریاض کے ماتھے پر ایک شکن پیدا ہوئی، اور وہ جلدی سے مسکرا پڑیں کہ شکن مسکراہٹوں میں تبدیل ہوگئی۔

"مگر بیٹیا —— بددماغ بھی بہت ہے!"

"نہیں تو —— آنٹی جی؟ رومانہ نے بالوں کو جھٹکا دیا زاہدہ بالکل بددماغ نہیں ہے اوہ! pretty angel کبھی ہو سکتا ہے کہ وہ اور بددماغ ہو؟"

ریحانہ نے نظریں اٹھا کر رومانہ کو دیکھا —— شیریں نے دونوں کو دیکھا اور جلدی سے لپک کر ماں کی اس بدتمیزی کے ہتھوڑے کو اٹھا کر دور پھینک دیا۔

"امی زاہدہ کو زبیدہ نہ سمجھئے۔ میں نے زاہدہ کو پوچھا تھا؟"

"کون زبیدہ" رومانہ نے پوچھا، ریحانہ نے دیکھا —— سوالیہ نظروں سے:

"وہ جو اس روز جناح پارک میں سیاہ کپڑوں میں تھی —— سانولی سانولی سی —— عجیب بوکھلائی سی لگتی تھی —— !"

"اچھا اچھا وہ —— !" رومانہ کو اطمینان ہوا "میں سمجھی زاہدہ ——"

اتنے میں بیگم ریاض بھی سنبھل چکی تھیں ——

"تو تم نے زبیدہ کو پوچھا تھا کہ زاہدہ کو؟"

"زاہدہ کو —— !" بیگم ریاض "تو یہ ہے" کہہ گئیں ——

"مجھے زاہدہ کی ناک بہت پسند ہے!" ریحانہ بولی ——

"لیکن مس زرینہ کے مقابلہ میں تو —— شہریار کے اس ایک جملہ نے بیگم ریاض کے شرمندہ چہرے پر ایک عجیب چمک پیدا کردی

"ہاں ان کی کیا بات ہے —— مَیں تو مقابلہ نہیں کر رہی ——!" ریحانہ مسکرا پڑی! البتہ ریحانہ نے ناک سکوڑ کر بھنویں اُوپر کو چڑھا لیں۔

"اے بی! جب میری آیتہ تیرہ سال کی تھی انہی دنوں کی بات ہے میجر سرور میرے بھائی کے پاس ایک نوجوان آیا کرتا تھا —— اس نے نہ جانے کتنی نظمیں زرینہ پر لکھی تھیں ——!" بیگم ریاض کا رواں رواں پھیلا تھا —— شہریار نے بھویں سکیڑ کر بڑی تلخ نگاہوں سے دیکھا —— نیریں ماں کی اس قلابازی پر چونک تو پڑی لیکن بڑی پھرتی دکھلائی

"میری سمجھ میں نہیں آتا آخر شاعری میں محبت کی اہمیت، کس گیدڑ کا انکشاف ہے؟"

"معاف کرنا باجی! گیدڑ کا انکشاف کوئی محاورہ نہیں! فوضیہ نے گویا موٹے شیشوں والی عینک کے پیچھے سے کہا ——

"لیکن مس فوضیہ —— !" نہ جانے خسرو پھر کہاں سے نکل آیا "یہ محاورہ ہو نہ ہو، مَیں تو محبت کو شاعری کا بھوجن سمجھتا ہوں!!"

"لیکن اعلیٰ النفیس جسین اور ان سے زیادہ طاقتور قسم کی محبت! اور یہ حقیقت ہے کہ ہر طاقتور شئے پرورش کے قابل ہوتی ہے اور یقیناً دنیا میں پرورش ہی طاقت کی ہوتی ہے —— رہ گیا ایک ہلکا سا لگاؤ تو میرا خیال ہے ایک ہی شجر میں اس کا خاتمہ بالخیر ہو سکتا ہے!"

نیریں سے ان جملوں پر خسرو مسکرائے بغیر نہ رہ سکا —— سب

اتنے متاثر تھے کہ پھر ایک سکوت طاری ہو گیا ۔

لیکن شیریں لرزتی رہی

نہ جانے پھر امّی کی زبان کہیں پھسل نہ پڑے

پھر یہ کوئی ایسی بات نہ کہہ بیٹھیں کہ —— سنبھالنا دوبھر ہو جائے !

آہ جاہل ماں کی محبت —— بالخصوص جب وہ اپنی اولاد کو اونچے ماحول میں بسانے کی سعئ بلیغ فرمائے —— کتنی عجیب ہوتی ہے ! جیسے دلدل کا پھنسا آدمی بار بار باہر نکلنے کی کوشش کرے اور سوکھی زمین پر کھڑے ہونے کو باعثِ صد افتخار سمجھے !!

لیکن ہوا وہی جس کا ڈر تھا

بیگم ریاض نے بار بار اپنی ممنونیت کا اظہار کیا —— شیریں کو اُسی طرح کوفت ہوئی —— اور خسرو کی مونچھوں پر اُسی طرح طنز و تشنیع کی چھری کٹاری برستی رہیں —— ! اور ان سارے حادثوں سے بے نیاز شہریار اسی طرح قہقہے بکھیرتا رہا ——

اور شیریں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا جب بیرے نے چائے کی اطلاع دی ——

ساتواں پردہ:—

چشمکیں !!

خدا خدا کر کے بیگم ریاض رخصت ہوئیں ——— سب سے زیادہ خوشی شیریں کو ہوئی اور محض اس لیے کہ نئی تہذیب اور مصنوعیت کی جان یہ لوگ اب تو آرام سے بیٹھیں — اپنی بوریت کے بوروں کو ہلکا کریں ——— وہ خود بھی وہاں سے اُٹھ بھاگی ——!

"آپا زریں ——— ہیں ہیں!" مارے کوفت کے اس کی سانس پھولنے لگی تھی "ہائے امی کیسا غضب کرتی ہیں ؟ ——— ہائے آپا نہیں معلوم ہم یہاں سے کب چلیں گے ؟"

زرینہ کے چہرے پر بہن کو دیکھ کر جو شگفتگی پیدا ہو رہی تھی وہ ایک دم غائب ہو گئی ——— بڑی چونک کر بولی "کیا ہوا ؟ امی نے کیا غضب کیا ؟؟ بتاؤ تو جانیں ——— اور ....!" شیریں نے جیسے اپنے آخری جملہ کے اثر سے پیدا ہونے والے کرب کو بہن کے چہرے پر پڑھ لیا

"ہائے آپا نہیں معلوم امی کیوں اس طرح کرتی ہیں ؟ ——— معلوم ہوتا ہے جیسے انھیں احساس ہی نہیں ہوتا کہ ——— آخر ہم بھی تو کوئی مقام رکھتے ہیں ؟ ——— ہماری بھی تو کوئی عزت ہے ؟ بھلا اس طرح کچھ کچھ

جانا بھی کوئی بات ہوئی ؟"

"وہ پگلی ـــــ !" زرینہ نے ہلکی سی چپت لگائی ـــــ "تو نہیں جانتی کاش کوئی امی کے دِل کا اندازہ کر سکے ـــــ نسرین !! بہت دور ٹیبل پر رکھے ہوئے کیوپڈ پر نظریں گڑ چکی تھیں ـــــ خمیدہ پلکوں کی نوکوں پر گہرا تفکّر رقص کر رہا تھا ـــــ دھیمے دھیمے انداز میں کہہ رہی تھی ـــــ ! آمی ـــــ امی ایسا کیوں کرتی ہیں ؟ ـــــ ایسا کیوں کرتی ہیں ـــــ ؟؟

"وہ کیوں کرتی ہیں" ؟؟ نسرین نے بچّوں کی طرح پوچھا

"سنو ڈیئر امی ایسا اِس لیے کرتی ہیں کہ ان کی پانچ لڑکیاں ہیں ـــــ اور پانچوں بیاہ کے لائق ـــــ اور اِس گندی سوسائٹی کا گندا مرد ہائے نسرین شادی گڑیوں کا کھیل نہیں جیون بھر کا سودا ہوتا ہے ـــــ کون جانے یہ جیون ـــــ یہ زندگی ـــــ ! ایک پل کہ ہزاروں سال ؟ اور پھر جو کہیں چول ٹھیک نہ بیٹھی تو یہ گاڑی ساری عمر چرچراتی ہے ـــــ ہائے !!

اُسے جھرجھری آگئی ـــــ لیکن نسرین اٹھ بیٹھی

"لیکن باجی میں قسم کھاتی ہوں ـــــ میں عمر بھر باپ کے گھر خوش رہ سکتی ہوں. لیکن ایسی ذلت کے بعد کسی ایسے گھر میں ـــــ " اُس نے بڑی حقارت سے "کاشانہ" کی طرف اشارہ کیا " جس میں نہ ہماری نہ ہمارے اخلاق وتہذیب کی نہ ہماری لیاقت اور حسن سیرت وصورت کی ـــــ نہ کسی چیز کی صحیح معنوں میں عزت ہو ـــ میں تو اِس جواہرات کے ڈھیر پر ایک چھلکتی ہوئی نظر ڈالنا پسند نہیں کرتی ـــــ باجی میری آپا جان ـــــ ایکدم اس نے اپنا لہجہ ٹھنڈا کر لیا ـــــ زرینہ

کو اپنی محبت کا دھڑکا ستانے لگا تھا ——— "آپ مجھے کچھ کہیں لیکن جہاں خودداری کو ٹھیس لگے وہاں میں اپنی محبت بھی قربان کر سکتی ہوں"

"ہائے توبہ ——— اللہ۔!!! دھڑکتا ہوا دل پھڑک اٹھا اور زرینہ نے اپنا نازک ہاتھ اس بدفال کے منہ پر رکھ دیا!"

لیکن جان تم سمجھتی نہیں، امی کس سچوئیشن (SITUATION) میں ہیں؟"

"میں جانتی ہوں ——— لیکن اُسے فوراً یاد آگیا ——— زرینہ اور شہریار۔

حالانکہ وہ کبھی روشن مستقبل سے قطعاً ناامید تھی، لیکن صرف مسکرا کر رہ گئی ———

باہر خسرو کب کا گزرتے گزرتے شیریں کی آواز پر چونک کر ٹھٹک کر کھڑا تھا۔

مونچھوں پر چھریاں کٹاریاں برسنے لگیں

لیکن

آخری جملہ پر آنکھیں چمک اٹھیں ——— سگریٹ کی راکھ جھاڑنے والا ہاتھ نیچے آتے آتے رک گیا۔ اور ذہن کے غنچہ سے سگریٹ کا دھواں خوبصورت مرغولوں اور حلقوں میں تبدیل ہوتا ہوا سنہرے پھولوں والی چھت کی طرف پرواز کر گیا ——— !

کچھ دیر بعد وہ اجازت طلب کر رہا تھا

"مس زریں چلیے۔ میں آپ کو لے چلوں ——— اس نے کمبل اٹھایا

شیریں بالکل انجان "لائف" میں ایک خوبصورت بیچ (ساحل سمندر) کا بڑا پیارا رنگین منظر دیکھ رہی تھی۔

"لیکن بھیا میں کس طرح چلوں، کرنل رحمٰن دیکھیں گے تو مار ڈالیں گے ویسے ہی وہ بدپرہیز کچھ کم کہتے ہیں"۔

"خوب ب !! اس نے مسکرا کر کہا "ان کی بدپرہیزی کی ایک ہی چلیے ہر احتیاط کے لیے میں حاضر ہوں ———"

"نا بھیا مجھ پر کم از کم آج رحم ہی کرو ——— مجھ سے کرنل رحمٰن کے طعنے نہیں سُنے جاتے !!"

ابھی خسرو مسکراہٹوں سے گزر کر بہنی کی چوکھٹ پر پہنچ گیا

"بھی مسٹر ریاض آپ کے حُسنِ کلام کی داد دینا ظلم ہے ——— "اور شیریں کے ماتھے پر دو شکنیں اور زیادہ ہو گئیں۔

"اور آپ کے رنگ گفتگو کو کیا کہوں؟ ——— ! باجی ریحانہ کہاں ہیں؟ بڑی دیر سے نظر نہیں آئیں؟"

خسرو ایک دم ہنس پڑا

"میں نے انھیں، سردار صاحب کے کمرے میں ننھی ننھی جرابیں بُنتے دیکھا تھا اور وہ ——— جیسے اُسے ایک دم یاد آ گیا" وہ شہریار کہاں ہے؟

زرینہ کی آنکھوں میں استام کی کہربائی قوت نے ایک چمک پیدا کر دی ہونٹ کانپتے کانوں کی لویں سرخیاں بکھیرنے لگیں ——— جن کی لپیٹ رخساروں تک پہنچی!! اور خسرو کی تیز عقابی آنکھوں نے اس منظر پہ تاثر کا اور بھی گہرا رنگ اختیار کیا ——— لی کر بولی.

"دیکھیں آپ کی پاکٹ میں ہوں گے ——— وہ صبح سے یہاں آئے

بھی ہیں ؟"

محبت کی خود فراموشی کا یہ عالم تھا کہ چار گھنٹے چار سال سے زیادہ ہو چکے تھے "

" لیجئے یہ بھی ایک رہی —— صبح ہم دونوں آئے تھے —— "

" آج ؟ —— " زرینہ نے کہا ! " عالی جناب یہ کل کی بات ہے "

" خوب " ! یہ کل کی بھی ایک رہی —— " عالی جناب " ——

جی ہاں " جناب " —— ملاحظہ فرمائیے —— یہ آج کی بات ہے ۔"

" توبہ ہے ، لیعنی میں جھوٹ بولتی ہوں "

" اچھا میں شہریار کو بلاتا ہوں —— "

" نہیں نہیں ، اس کی ضرورت نہیں —— لیجیے مان لیتی ہوں کہ آج ہی کی

بات ہے —— !"

" نہیں جناب ایسے کیسے —— " کہتا ہوا باہر چلا گیا ——

شیریں پر ایک نظر ڈالے بغیر —— اور اس کی نظریں اس کے پیٹھ موڑتے

ہوئے —— " اٹھ چکی تھیں !!

—————— !

—————— !!

—————— !!!

رات کا کھانا کھا کر اٹھے تو شیریں نے رومانہ سے کہا

" اچھا مجھے اجازت دیجیے —— میں چلوں اب ——

" کہاں ؟" اس نے ابروں کو اوپر کھینچ کر کہا " کہاں کے ارادے ہیں

شیریں نے سرجھری سے کہا
"بس اب چل کے سو رہوں ——" ! خسرو ہاتھ دھو کر تولیہ سے ایک ایک انگلی بڑے زور سے رگڑ رگڑ کر پونچھ رہا تھا اور شیریں کے جملہ پر اس کی آنکھوں کے پپوٹوں اور مونچھوں کے کناروں پر نہ جانے لرزشیں سی اٹھ رہی تھیں کیسی ؟
"کیوں کیا بات ہے شیریں بہن ——" ؟ شہر یار شاید ضبط نہ کر سکا
شیریں نے جیسے آتے آنسو پی کر "کہیں دو" سے ایک مسکراہٹ کھینچ لی آنکھیں نمناکی سے چمک گئیں۔
"کوئی بات نہیں —— بس یونہی —— اب چلتے ہیں"! شہر یار نے جیسے اس راز کو پالیا —— اُسے بیگم ریاض والا سین یاد آگیا —— اور اُس کو جیسے رحم کے ساتھ دل میں عجیب تلطف سا محسوس ہُوا بڑے زور سے مسکرا کر بولا
"ارے رے ! بس بند بھی کرو اب اپنا راگ ؟ بڑی آئیں وہاں سے فلسفی بہ منھ اور یہ تانیں ؟ اللہ کا نام لو —— اور چلو ذرا ہنس بول لیں —— پھر رات تو بڑی ہے تڑپنے ——" وہ جلدی سے سنبھل گیا، جیسے اس کے لبوں نے بہک کر اس کے دل کی دھڑکنوں کو بکھیرنے کی کوشش کی تھی
میرا مطلب ہے "سونے کے لیے"!
خسرو نے اس کی طرف یوں دیکھا جیسے شہر یار "مجرم" ہو —— اور پھر قوت طنز نے اس کی چھوٹی چھوٹی مونچھوں کو پھڑکا دیا —— ریحانہ بالخصوص اس بے تکلفی پر بڑے زور سے چونکی تھی اور جیسے اُسے یہ حرکت کھل گئی تھی ——
البتہ سرمد ابھی تک دو سیب اٹھائے ہوا میں اچھال اچھال کر کھیل رہا تھا اُس

اس کا منھ تقریباً کھلا ہوا تھا اور وہ بار بار منھ میں آئے ہوئے پانی کو پی رہا تھا!

—————— !

اور پھر سب بیٹھک میں داخل ہو گئے!

وسیع و عریض، عظیم الشان بیٹھک میں یہ چند وجود —— اپنی مختلف طبائع اور صفات لیے ہوئے تنکوں کی طرح بکھر گئے

سرمد نے ریحانہ، شہر یار اور شیریں کو ایک جگہ کر لیا اور رومانہ اور خسرو کی طرف سے پیٹھ موڑ لی، کیونکہ رومانہ اندر آنے سے پہلے ہی خسرو کی کہنی سے لٹک چکی تھی۔ ——

"ہوں! اور اب جمے گی پارٹی —— پھر دیکھیے گا ——!" اس نے خلاف معمول اپنے آپ میں بڑی جولانی طبع پیدا کر کے ریحانہ کی ٹھوڑی چھو کر چٹکی بجائی —— جو اپنے ننھے سے ابھار کو کانچ کے فانوس کی طرح سنبھالتی ہوئی بلیے چوڑے دیوان پر بیٹھ رہی تھی

"اوہ —— بس رہنے گا ——!" اُس نے تیوری پر بل ڈال کر مسکرا دیا —— جیسے اسے سرمد کی اس حرکت میں لطف آیا اور سب کی موجودگی کا خیال کر کے طوعاً و کرہاً اسے بننا پڑا

"لیکن —— !" شیریں اپنی اداسی کو زبردستی کی مسکراہٹوں میں چھپاتے ہوئے بولی "یہ تاش تو میرے بس کا روگ نہیں! بندی کو اس سے معاف ہی رکھیے ——!

"ارے مس شیریں!" سرمد کا آیا ہوا موڈ خراب ہونے لگا "لیکن مسکرا کر بولا "کیوں کسی کی بے عزتی خراب کرنے پر تلی ہوئی ہیں —— آئیے چلیے مان بھی جائیے:

"خوب بھئی یہ بے عزتی خراب کرنے والا معاملہ بھی خوب رہا!" شہر یار کا قہقہہ

گو نجا اور خسرو —— جو رومانہ کے ہاتھ چھڑا کر لکھنے کی میز پر بیٹھ چکا تھا اس طرف مطلق نہ دیکھتے ہوئے کہہ اٹھا

"تو پھر اس میں تمھیں شک ہے شہریار؟ آخر (Manners) بھی تو کوئی چیز ہیں" - شیریں کی پیٹھ پر بڑا زبردست کوڑا پڑا تھا —— "

"جی ہاں ہم دیہاتی کیا جانیں (Manners) وہ تو میں پہلے ہی عرض کر چکی ہوں اخلاقِ حسنہ ہمارے بس کا روگ نہیں —— پھر ان کا مظاہر؟ —— اب ....!

——————!

"ہاں تو یہ بتائیں یہ خط کسے لکھا جا رہا ہے ——؟" رومانہ نے مزید کچھ کہنے کا دروازہ بند کر دیا —— خسرو کی مونچھیں پھڑکیں —— کچھ دیر رُک کر بولا

"رخشی کو —— ؟ رومانہ نے بالوں کو جھٹکا دیا ——

"ہوں ں —— تو یہ رخسانہ کو کیا لکھا جا رہا ہے ؟

"میں سمجھتا ہوں اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں —— وہ میری بہن ہے!!

"تو یہ ہے !" رومانہ نے اپنی انگوٹھیوں والے ہاتھ کو دوسرے ہاتھ میں لے کر اس نزاکت سے دیکھتے ہوئے کہ جیسے یہ اس کا اپنا ہاتھ نہیں کسی دلھن کا ہے —— اور کنکھیوں سے خسرو کی توجہ کو متوجہ کرتے ہوئے کہا "یہ کہتے جھلکی"۔ وہ صرف مسکرا دیا اور اس کی نظریں شیریں اور شہریار پر پڑیں جو کتابوں کے شیلف پر جھکے ہوئے تھے۔ ——

"ارے رے —— مگر یہ پہلے تو نہ تھا!" ادھر سے آواز آئی —— وہ اور ریحانہ اب شطرنج میں گتھے ہوئے تھے۔

رومانہ نے ان کو دیکھا —— تیوری پہ بل پڑے اور دوسرے لمحے وہ وہیں

سے ریحانہ سے پوچھ رہی تھی

"ارے باجی بی بی ——— ! یہ تاش کا کیا بنا آپ کا ؟ ——— شطرنج ؟"

ریحانہ اونٹ رکھتے رکھتے مسکرا پڑی

"ہاں بھئی ——— مس شیریں کتابوں سے عشق فرماتی ہیں! بڑی ادیب عالم، مولوی فاضل جو ٹھہریں ——— " لیکن شیریں نے رومانہ کو کچھ کہنے نہ دیا ———

"جی بندی آداب بجا لاتی ہے. ——— لیکن عرض یہ ہے بس اس ذرہ نوازی کے لائق نہیں ——— یہ تو نہیں البتہ اس کے سوا اور چیزوں سے محبت بھی کرتی ہوں"

"اور چیزیں ——— ؟ رومانہ کے طنز کو شہریار کی خوش مزاجی نے جھیل لیا

"مثلاً بھین کی تیمارداری ——— ! وہ ہنسا بڑے زور سے " اور یقین ہے جتنی ان کی تندرستی بڑھے گی اتنی ان کی فکر !"

ہر طرف سے قہقہے یوں نکل آئے جیسے شریر بچے آنکھ مچولی کے چور کے پکڑے جاتے ہی نکل پڑتے ہیں ——— صرف خسرو خط لکھنے میں مصروف تھا ——— پھر سب خاموش ہو گئے

"بس بس ——— ! شیریں کو ندیر پڑی "وہی قدر ——— ! اس پر پھیکی پھیکی مسکراہٹیں ہر طرف پھیلیں البتہ شہریار زور سے ہنس پڑا ——— خسرو کی مونچھیں پھڑک اٹھیں ———

"ہائے آپ کی لائبریری ——— کتنی پیاری ہے ! رومانہ نے آنکھوں کو بڑا رومانی بنا کر خسرو کی طرف اس طرح دیکھا کہ اسے نظریں اٹھانی پڑیں ———

"کیوں جھوٹ کہتی ہوں ؟ خسرو کی نظریں کتنی خالی تھیں !!

"ہونا بھی چاہیئے ——" اس نے اس طرح کہا جیسے بڑی معمولی سی بات تھی " آخر کئی نسلوں کا سرمایہ جو ہُوا!"

"ہونھہ!" وہ ٹھنکی" اور جو کتابیں آئے دن خریدی جاتی ہیں ؟" ابکی بار اس نے پھر ایک جان لیوا مسکراہٹ اس پر پھینک دی —— اور وہ ٹھنڈا برف کی طرح بے اثر ہو کر بولا

"اس زمانہ میں لائبریری کو کون نظر انداز کر سکتا ہے؟"

"ہائے! اس کو جیسے اس کی کج فہمی کھل گئی اور کسی قدر ہمار دانہ انداز پیدا کر کے سیدھے اس کی ٹائی پر نظریں جما کر بولی :" خدا کی قسم میں تو سوچ بھی نہیں سکتی —— اور اور ہائے کتنا پیارا ہو گا جب بن جائے گا روپ نگر والا گھر ——

اُف —— بس چیز ہو گا چیز! —— کیوں؟" اس نے میز پر ایک گال لگا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا ——

"میری اپنی آرزو بھی ہے کہ وہ کوئی چیز ہی بن سکے" خسرو نے خط پر سے نظریں نہ اُٹھائیں

"لیکن میری تو رائے ہے ——!" رومانہ نے ایک نظر شیریں پر ڈالی جو کسی کتاب میں غرق ہو چکی تھی اور پھر شہریار پر سے نظریں ریحانہ پر ڈالیں پھر خسرو کو اسی انداز سے دیکھتے ہوئے بولی "بسنت نگر کا نمونہ ہی رہے گا بسنت نگر کا!"

"سچ یار ——!" شہریار بول اٹھا "اگر تم سوچو بسنت نگر کی فروخت کا تو سب سے زیادہ بولی میری!!

"لیکن جناب میں ایسا سوچوں بھی کیوں؟ وہ حسب دستور خط پر جھکا رہا ——

"لیکن اگر یہ سوچ ہی لو تو کیا ہرج ہے" شہریار دفعتاً اٹھ کھڑا ہوا

ارے رے ——— یہ سواری بادِ بہاری ادھر کیسے ——— زرینہ آہستہ آہستہ آرہی تھی ——— خسرو اور رومانہ بھی چونک پڑے ——— شہریار نے قریب پہنچ کر سہارا دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن وہ "شکریہ" کہہ کر آگے بڑھی اور ریحانہ کے مشتاق پہلو میں بیٹھ گئی ——— جو اس کے لیے نہ جانے کیوں بڑی وسعت سے کھلا ہوا تھا ——— !

بنّو ہے کیسی اب طبیعت " پوچھا ریحانہ نے اور آنسو چھلکے شہریار کی آنکھوں میں ——— زرینہ کا حسن بیمار رنگ لیے ہی آیا تھا ——— خسرو نے نہ جانے کیوں بڑی لپک سے پوچھا

"جی ! اندر اکتا گیا تھا ؟" اور بڑی محبت بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔

جی ہی ہی !" زرینہ نے اپنی خوبصورت آنکھیں اوپر اٹھائیں جن کی پلکوں کے خم کمزوری سے اور بھی خمیدہ نظر آ رہے تھے

"بڑی وحشت ہوتی ہے ——— !" قبل اس کے کہ خسرو کچھ کہتا شہریار چہکا

"سچ سچ !" اس کا جیسے گلا رندھ رہا تھا "تمھاری ——— میرا مطلب ہے آپ ہی کا حق تھا ——— کتنے دن ہو گئے ———

"سنو ! زرینہ نے شہریار کو آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ کہا اور جیسے بات کرنے کے لیے شیریں کو آواز دی "یہ کیا ہو رہا ہے ؟"

"جی ہی ہی پڑھائی ——— مطالعہ ——— Reading ——— Study ——— جو کچھ آپ کہہ لیں !!!"

رومانہ نے دفعتاً چونک کر خسرو کو دیکھا جو علین سامنے بیٹھی رومانہ کو چھوڑ کر ایک دوسری لڑکی میں بقول اس کے (INT-REST) (دلچسپی) لے رہا تھا! اور اس وقت تک شیریں اتنے ہوش میں آچکی تھی کہ اس نے کسی زبان کی سحر آفرینی محسوس کر ہی لی —— بڑی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اور آنکھوں کو ایک بار کھول کر میچتے ہوئے انگڑائی کو روکتے ہوئے کہا ——

"باجی ی —— مطالعہ شاید خطوط نویسی سے زیادہ شاندار اور دلچسپ مشغلہ ہے"! شہریار کھل اٹھا اور خسرو مسکرائے بغیر نہ رہ سکا

"حد ہی تو ہے بدمذاقی کی ——"! شہریار نے جھک کر زرینہ کا رومال اٹھا کر اسے دبتے ہوئے مڑ کر دیکھا خسرو کی طرف اور اس بے خیالی میں اس کا ہاتھ زرینہ کی گود میں پہنچ گیا۔ سرمایہ دیکھ رہا تھا —— "کوئی کتاب پڑھتا ہے" کوئی خط لکھتا ہے —— "! رومانہ چمکی

"اسی لیئے تو بھائی جان میں انھیں خط نہیں لکھنے دیتی ——"! زرینہ چونکی شہریار کے ہاتھ کے مس سے اور سرخ سی ہو کر رومال لے لیا —— وہ بھی پلٹ کر کھسیانی ہنسی ہنسنے لگا —— دیکھیے نا کتنا لمبا چوڑا ہے خط۔ خدا کی قسم کتنا لمبا چوڑا —— !!

"بھیا خسرو مس رخسانہ کب ملیں گی! کیسی ہیں وہ؟ بھئی ہمیں ان سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے"۔ زرینہ بولی —— خسرو فوراً مخاطب ہوا۔

"وہ بس رومانہ جتنی ہے بلکہ شاید کچھ کم ہے —— اور ——"! رومانہ نے بات پوری نہ ہونے دی۔

"اور ------ قد میرے برابر ہو گا نا؟ گذشتہ موسم بہار پر دیکھا تھا لبنت نگر میں ------ جب تو مجھ سے کم تھا!"

"نہیں وہ تو میرا خیال ہے مس شیریں کے برابر ہوگی اب!"

"ہائے کب ملنا ہو گا ------ تو بہ میرا دل کس قدر تڑپتا ہے کاش کسی کو کوئی خیال ہو؟ ------ اُف جب بھی خیال کرتی ہوں ------ کتنی پیاری صورت ہے۔ کیسے عمدہ اخلاق ------ اور ہائے اس عمر میں وہ شائستگی کا کتنا پیارا نمونہ کہ رخسانہ کی بجائے شائستہ کہنے کو جی چاہے! اور اف تو یہ بہانو کس طرح سجاتی ہیں!! غضب ہے غضب!!!"

"اور ایمانداری کی بات ہے"! شہریار رومانہ کی آنکھوں میں جو ستائش کی لہریں تھیں ان میں بہنے لگا "مجھے تو اس پر تعجب ہے کہ اتنی سی لڑکیاں یہ شائستہ کس طرح ہو جاتی ہیں؟ یہ ساری کی ساری شائستہ لڑکیاں!!"

"ساری کی ساری"؟ خسرو کو ہنسی آگئی، شہریار میرا خیال ہے تم اب چل کر سو رہو!"

"نہیں یار خدا کی قسم ------"! شہریار نے ہنس کر کہا "میں تو سخت حیران ہوں! یہ کس طرح گھر اور گھر کی ہزاروں ذمہ داریوں کے بعد بھی کس طرح اتنی مہذب اور شائستہ بنی رہتی ہیں ------!"

"مگر" خسرو نے خط بند کرنے کے لیے پانی کی کٹوری میں برش ڈالتے ہوئے کہا "یہ ہزاروں ذمہ داریوں والی بات تو بڑی مصنوعی ہے ------ میری جان پہچان میں آدھی درجن خواتین کرام ایسی ہوں گی کہ صحیح معنوں میں شائستہ کہلا سکیں ------!"

"بالکل ——!" روما نہ نے بالوں کو جھٹکا دے کر پیچھے پھینکتے ہوئے کہا "بالکل میرا بھی یہی خیال ہے!"

"تو پھر" شیریں بول ہی اٹھی —— نظریں تیروں کی طرح سیدھی خسرو اور رومانہ پر تھیں —— "میرا خیال ہے وہ جو آپ کے تخیل میں شائستگی کا معیار ہے اسی میں کھوئے رہتے ہوں گے، آپ زیادہ تر!"

"یقیناً!" اس نے بڑے اطمینان سے پر نور جواب دیا

"اور واقعہ بھی یہی ہے!" اس کا "ہز ماسٹرس وائس چلدیا" پھر جب تک کوئی اپنے آئیڈل (IDEAL) پر نہ اترے کوئی کس طرح اسے مان لے —— عورت ہے —— تو پھر اسے نغمہ و موسیقی، رقص و سرود، چند انداز، اخلاقِ حمیدہ، لب و لہجہ طرزِ گفتگو اور اندازِ تخاطب اور سب سے بڑھ کر POISE کی مالک ہونا چاہئے —— ورنہ یہ نہ ہو تو لفظ شائستہ "کچھ پیچھے نا" کا دم چھلہ لگانا ہی پڑتا ہے ——!"

"یہ تو ٹھیک ہے!" خسرو نے شیریں کی طرف دیکھا جو نظروں میں شمشیریں لیے رومانہ کی طرف بڑھ رہی تھی "اس کے علاوہ زیورِ علم سے آراستگی بھی کوئی چیز ہے —— علم ہی انسان کے دماغ کو وسیع کر سکتا ہے ——!" اور جیسے رومانہ کو کسی نے گولی ماردی —— کتاب اب بھی شیریں کے ہاتھ میں تھی!"

لیکن تعجب تو یہ ہے ——! شیریں نے کتاب کو آہستہ سے شیلف میں رکھتے ہوئے کہا "آپ "چھ" عورتوں کو جانتے ہیں جو شائستہ ہیں —— مبلغ چھ عدد محترم —— یا خواتین کرام ——!" "لیکن میرا خیال ہے بہت وسیع معلومات ہیں آپ کی!"

"بس اتنی ہی معلومات ہیں آپ کی اپنی صنف کے متعلق ؟ خسرو نے لقمہ دیا
تعجب ہے"!

لیکن مس رومانہ کی بتائی ہوئی صفات میں نے کبھی کسی ایک عورت میں نہیں دیکھیں
یہی میرا قصور ہے"!

"لیکن شتنوُد ـــــ ! زرینہ نے اُسے سنبھالا چلو اب چھوڑ بھی اس محبت کو"!

ـــ "ہاں مس شیریں اب اِدھر آئیے ـــــ شریف بچیوں کی طرح ـــ ہوں
چلو ـــ چلو ـــــ "! شہریار بچکار رہا تھا اور خسرو پن کشن میں پنوں سے
لکھ رہا تھا ـ S . R ـــــــ "!

"اچھا اب تو اجازت دیجیے ـــ شیریں نے کہا" زرینہ بھی اُٹھ کھڑی
ہوئی ـــ "

"اور بنا رہی بھی چلی ـــــــ "!

"ارے بس ـــــ "! سرمد اور ریحانہ بولے اور پھر ریحانہ نے شہریار کی
طرف دیکھا جو بڑی حسرت سے زرینہ کو دیکھ رہا تھا "جاؤ شہریار انہیں چھوڑ آؤ ـــ
ـــــــ اچھا شب بخیر ـــــ "!

اور جیسے ہی دروازہ بند ہوا رومانہ بول اُٹھی

"میں کہتی ہوں یہ شیریں ـــــ اُن عورتوں میں سے ہے جنھیں خواہ مخواہ
بھی مردوں سے داد لینے کے لیے اپنے آپ کو گرانے میں لطف آتا ہے ـــ
اور کوئی مرد اس جال میں پھنس بھی جاتے ہیں ـــــــ لیکن میرے نزدیک
یہ بڑا زبردست آرٹ ہوتے ہوئے بھی کمینگی ہی ہے ـــــــ اور

کچھ نہیں — !"

"بے شک !" خسرو نے بڑے زور سے کہا "پھانسنے کی ہر ترکیب عورت کی کمینگی کے سوا کچھ بھی نہیں ——— اور نسبتوں اور تعلقات کے لیے جیسی ہوشیاری اور چالاکی سے کام لیا جاتا ہے وہ سوائے سفلہ پن کے اور کیا ہے ؟"

لیکن رومانہ کی اس جواب سے تسلی نہ ہوئی بلکہ وہ چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح بل کھا کر رہ گئی ——— !

آٹھواں پردہ:-

خمِ کاکل

صبح ہی صبح شہریار نے زرینہ کا دروازہ کھٹکھٹایا ——— ٹک ٹک ٹک
ناخن کا مخصوص مدھم سا کھٹکا

"تسلیم ———" شیریں نے مسکرا کر دروازہ کھولا۔ وہ اندر آیا نہ جانے کیوں آتے ہی شیریں کو بغل میں لے کر بڑی چہل سے بولا

"علیکم التسلیم منی بھین ——— !" اچھی خاصی بہن کو بھین بنا دینا گویا اس کے خوش محبت و مسرت کی دلیل تھی "اور سنائیے عالی جناب سرکار عظمت مدار ——— !" اور ریشمی چادروں میں سلوٹیں زیادہ ہو گئیں، لانبی پلکوں کی نوکوں پر نہ جانے کہاں سے کرنیں آ ڈھلکیں، خمیدہ ہونٹوں کے خموں میں جیسے ملاحتیں سمو گئیں اور شباب سے تمتماتے ہوئے گال شراب کے چھلکتے جام بن گئے !

"وہ بھئی یہی میرے سلام کا جواب ہے، ——— میں نے کہا" شہریار اب زرینہ سے بہت قریب ہو گیا تھا اس کے ہاتھ اس کے بالوں تک پہنچ رہے تھے ———

وہ احساس قرب سے چونک سی پڑی اور مسکراہٹیں بکھیرتی آنکھوں کی جولانیاں اور خمار لٹاتی ہوئی بل کھا کر بولی

"جی ی — اچھی ہوں شکریہ "! شہر یار کے کانوں کی لویں سرخ ہونے لگی تھیں، آنکھوں کا خمار شاید زیادہ ہی ہو رہا تھا

"تو پھر جناب اٹھتی کیوں نہیں — ؟ غضب خدا کا جانتی ہو اس وقت کیا بجا ہے۔ سات بج چکے ہیں سات — ! اور میرا خیال ہے خسرو اور روبانہ تو ناشتہ بھی کر چکے ہوں گے — "! شیریں کے کانوں میں یہ دو نام جیسے ہتھوڑے کی ضرب بن گئے، چہرہ سفید ہونے لگا اور جس خوش دلی سے وہ اٹھی تھی وہ کافور ہونے لگی۔ تھکے ہوئے مسافر کی طرح وہ ایک کوچ پر بیٹھ گئی — لب۔ بھینچ گئے اور آنکھوں کی سطح نمناک ہو گئی !

زرینہ اور شہر یار کہاں تھے۔ — ؟ کمرہ میں شیریں بھی تھی لیکن اُن سے بے خبر — زرینہ کے پلنگ کے پاس کوچ پر وہ بیٹھ چکا تھا اس کی انگلیاں گاؤن کی ڈوریوں کے پھندنوں سے کھیل رہی تھیں — انگلیاں تیزی سے حرکت کر رہی تھیں —

"زریں — ! خدا کا شکر ہے کہ آج تم سب دنوں سے اچھی ہو!"

اور وہ کہہ رہی تھی

"تو پھر آج ہمیں اجازت ہے ؟"

"اجازت ؟" وہ جیسے چونک پڑا، یکایک آنکھیں نمناک ہو گئیں، چہرہ سُرخ !

"تو پھر — تو پھر کیا تمہارے دشمنوں کی ناسازی مزاج کی دعائیں مانگوں ؟" وہ مسکرائی، اس کی آنکھوں کے چمک سے چہرہ منور ہو گیا —

"نہ نہ خدا کے لیے ایسی دعائیں نہ مانگیے — بس بہت ہو چکا —

کتنی تکلیف میں نے پہنچائی ہے ——— اُف توبہ !"

اُس نے جھرجھری لی تو شہریار نے اس کے جھرجھرائے ہوئے سینہ کے خم و پیچ پر نظریں گاڑ کر کہا ———

"آخر زریں یہ اجنبیت کب تک ؟ ——— "؟ اور شیریں جیسے چونک پڑی ——— وہ رومانہ اور خسرو کو ہاتھ میں ہاتھ دیئے باغ کی روش پہ چہل قدمی کرتے دیکھ رہی تھی ——— اور سوچ رہی تھی ——— بھلا مجھے کیا حق ہے کہ میں ان کے راستہ کا کانٹا بنوں اور پھر خسرو ——— اُف !! اس کی طنز و تشنیع کی گود میں میں سو سکوں گی ؟ ——— جل کر بھسم نہیں ہو جاؤں گی ان اجلیوں سے ؟ ——— اور پھر ——— ایمان داری کی بات تو یہ ہے کہ میرا اور اس کا کیا جوڑ ——— مثل مشہور ہے رچمن بوا کہا کرتی تھیں "کوا چلے ہنس کی چال اپنی بھی بھولے اس کی بھی بھولے لگے پُھدکنے ——— ہم کیا ہیں کہ اس کی آرزو کریں کہ ہمارے یہ سنہرے سپنے نہ ٹوٹیں ؟ ——— ؟

"وہ ٹوٹیں گے ——— ضرور ٹوٹیں گے ——— زمانہ اُن کو کچلے گا اور اپنے بیدرد پیروں تلے روندے گا ——— قسمت لے کے پیدا ہوتا ہے انسان بنا نہیں سکتا ——— قضا و قدر جس پر مہربان ہو گئی ہو گئی ——— نہیں ہوئی تو اسے مہربان کون بنائے ——— اور پھر نامہربان کہہ کر مہربان بنانے کی تمنا ——— کتنی خام اور کیسی فضول ——— بلکہ الفضول ہے !! ——— ہونہہ ! ——— اور ایک ہم ہیں کہ مرے جاتے ہیں !! کہ شہریار کی آواز آئی ———

"آخر زریں یہ اجنبیت کب تک" ؟ اور بلا سوچے سمجھے وہ تقریباً چیخ اٹھی

اُس وقت تک جب تک کہ زمانہ ہمیں آپکے برابر نہ کھڑا کر دے!" اس کے تفکّر بھرے چہرے پر ایک جلال سا طاری تھا ـــــ شہر یار چونک پڑا ـــــ

"اوہو ہو ـــــ مس شیریں ـــــ! یکایک وہ لاشعوری طور پہ متاثر ہو گیا شیریں کی بردباری اور تفکرانہ انداز اُسے بہت پسند تھا بلکہ بڑی حد تک وہ مرعوب سا رہتا ـــــ بھئی آخر بات کیا ہے آپ ابھی اچھی بھلی تھیں!" زرینہ بھی قدرے پریشان تھی

"دوست نوّو ـــــ! بات کیا ہے "اُس نے بڑی نرمی سے پوچھا اور ساتھ ہی اُس کی نظریں شہر یار کی نظروں سے ٹکرائیں جیسے وہ پوچھ رہا تھا "آخر بات کیا ہے؟"

اور شاید اُس نے اپنی مکمل بے علمی کا اظہار کیا

"اچھا میں ابھی آئی"، شیریں لوٹ آئی تھی ـــــ اور شرمندہ سی تھی لجا کر مسکرائی اور غسل خانے میں گھس گئی!

ـــــ!

ـــــ!!

ـــــ!!!

ناشتہ سے فارغ ہو کر ہاتھ پونچھتے ہشاش بشاش سب کے سب ڈرائنگ روم میں ہو لیے، حسنِ اتفاق کہیئے کہ حسن اتفاق خسرو اور رومانہ بھی ناشتہ پر شریک تھے ـــــ شیریں بھی افسردگی کے جھمیلے سے نکل آئی تھی اور شہر یار بالخصوص اس لیے کھلا جا رہا تھا کہ آج زرینہ کو اور زیادہ آرام تھا، آج اس نے سب کے ساتھ ناشتہ کیا تھا

اندر داخل ہو کر ریحانہ ڈسرمد اور زرینہ و شہر یار کیرم پر جم گئے، شیریں نے آیا سے اپنا غلاف منگوا لیا جسے وہ کاڑھ رہی تھی ——— خسرو خط لکھنے بیٹھا اور رومانہ حسب عادت کرسی کھینچ کر اس کے سامنے ڈٹ گئی

شیریں پردہ پارٹیوں کے درمیان ایک سنگ مرمر کے ستون سے لگے صوفے پر بیٹھ گئی وہ بظاہر مصروف تھی لیکن ہر بار اس کی آنکھیں خسرو اور رومانہ پر سے ہوتی ہوئیں سامنے لمبے سروں پر جا جمتیں جن پر دو سنہری چڑیاں بیٹھی مصروف ناز و نیاز تھیں ——— !

رومانہ بار بار خسرو کو ٹوکتی، خط کی تعریف کرتی اور رخسانہ کو پہنچا آتی اور کوشش کرتی کہ وہ اپنی آنکھیں اٹھا کر اس سے کچھ کہے ——— یہ خالی خولی " ہاں ہوں ——— الہٰی توبہ !" ——— اور پھر جب اکتا جاتی اس کی فطرتی زہریت سے تو میز پہ گال لٹکا کر براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگتی !

دفعتاً خسرو نے نظریں اٹھائیں اور ایک ——— ایک اچٹتی نظر رومانہ پر ڈال کر بھویں چڑھا لیں، ہونٹ بھینچ لیے اور ڈرار کھول کر روشنائی کی شیشی اور قلم (Fountain) نکالا ——— رومانہ جھپٹ کر اٹھی اور بالوں کو جھٹکا دے کر اس کے ہاتھوں سے قلم چھیننے لگی، جس کو وہ کھولنے لگا تھا ———

" ہائے اللہ مجھے دیجیے میں بھروں سیاہی ——— !" وہ مسکراتی جاتی تھی" خبر ہے میں قلم بہترین بھرتی ہوں !"

" شکریہ ——— لیکن مجھے ہمیشہ اپنا کام آپ کرنے کی عادت ہے !"

اور وہ پھر سے لکھنے لگا۔

" اُف توبہ ـ" اس نے ذری سی تیوری چڑھائی، لیکن خسرو کی طرف

دیکھ کر مسکرا اٹھی "ہائے کتنی سیدھی لائنیں ہیں اور کس قدر تیز لکھائی ـــــ"

"میرا خیال ہے ـــــ" وہ چپکے سے مسکرایا "غلط فہمی کا علاج ناممکن ہے ـــــ نہ لائنیں سیدھی ہیں اور نہ لکھائی تیز ـــــ میں تو بڑا سست لکھنے والا ہوں" اس نے پینترا بدلا

"ایک سال میں کتنے خط لکھنے پڑتے ہوں گے ـــــ اور وہ تو بہ میری ـــــ وہ جو کاروباری خطوط ہوتے ہیں وہ الگ ؟" اس نے بالوں کو جھٹکا دیا۔

"شکر ہے" وہ مسکرا اٹھا "خوش قسمتی سے یہ خدمت میرے ہی سر رہی جو کہیں مجھیں کرنا پڑتا تو" اور وہ ایک دوسری پگڈنڈی پر چل دی

"رخشی کو لکھنا کوشش کرے کہ جلد آئے میں اس سے ملنے کے لیے تڑپ رہی ہوں !"

"اور یہ میں رات ہی لکھ چکا ہوں !" اس نے رک کر رومانہ کو دیکھا جو اب نگاہیں نیچی کیے ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ اور پھر اس کی نظریں غلاف پر جھکی ہوئی شیریں پر پڑی شیریں کا چہرہ ایک خوبصورت (PROFILE) بنا رہا تھا ـــــ ایک خوبصورت ایک مٹی تصویر ـــــ بالخصوص سیاہ دراز پلکیں اور خوبصورت پتلی ناک ـــــ اس نے ایک جھرجھری لی اور ہونٹوں پر آتی پھڑکن بھینچ لی

پھر اس کی نظریں رومانہ کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کی طرف لوٹیں جو اس کا قلم چرانے کی سعی بلیغ فرما رہا تھا ـــــ "خوب !" وہ مسکرا اٹھا ـــــ اور شیریں نے چونک کر سر اٹھایا "میرا خیال ہے" رومانہ ذرا میں اس خط کو ختم کر ہی لوں جو تم اجازت دو ـــــ مجھے بہت کچھ لکھنا ہے ـــــ اور لکھ

نہیں پا رہا ہوں !

"اوول !" وہ اس کی مسکراہٹ پر اور پھیل پڑی "تو ہم کیا کرتے ہیں —— اور قدرے گھوڑ کر پھر سے ہنستے ہوئے بولی "اچھا اتنے لمبے چوڑے پیارے پیارے خط ہمیشہ رخشی کو ملتے ہیں ؟" اس نے آنکھیں جھکا کر بھوئیں چڑھا لیں —— اور نیچے کا ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا

"لمبے تو ضرور لکھتا ہوں لیکن پیارے ہوتے ہیں یہ رخشی جانے !"

"اور میرا عقیدہ ہے —— !" وہ مسکرا کر نچھتے ہوئے بولی "جو اتنے لمبے خط اتنی آسانی سے لکھتا ہے ۔ وہ کبھی بُرے خط نہیں لکھ سکتا !"

"لیکن رومی —— !" شہر یار دفعتاً چلایا "یہ بات نہیں ہے خسرو لکھتا ہے تو چار حرفی لفظ پر بھی کافی ریاضت کرتا ہے —— آسانی سے نہیں لکھتا —— اور یہ کوئی قابل تعریف بات نہیں ! کیوں جناب خسرو کیا رائے ہے ؟"

"ٹھیک ہے —— میرا طرز تحریر تم سے اور ہے !"

"ہائے اللہ !" رومانہ کو بہانہ مل گیا —— وہ چیخی "بھیا ایک پوچھتے ہو اتنی لاپرواہی سے لکھتے ہیں کہ تصور نہیں کیا جا سکتا —— ہر جگہ الفاظ چھوڑتے اور جہاں نہیں چھوڑتے وہاں صرف نکتے دے دیتے ہیں !" ایک بڑا سا قہقہہ لگا جو کئی قہقہوں کا مجموعہ تھا —— صرف خسرو اور شیریں مسکرا رہے تھے ۔

"ہاں بھئی میں کیا کروں —— !" شہر یار نے ڈسٹرائیکر پر انگلی کا نشانہ لیتے ہوئے کہا "ہوشیار زریں —— وہ میرا مطلب ہے میرے تخیل کا بہاؤ اتنا تیز ہوتا ہے کہ میں ان کی ترجمانی الفاظ میں کر ہی نہیں پاتا —— اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے :

وہ خود ہی ہنس پڑا ——— "کہ مخاطب پر کوئی خیال واضح کر ہی نہیں پاتا ——— !"

"کیا انکسار ہے عالی جناب کا !" شیریں نے چپکے سے جملہ کس ہی دیا اب کس کی ہمت ہے کہ الزام دے سکے !"

"لیکن واضح باد اس انکسار سے زیادہ" خسرو نے لطف لے کر جواب دیا "مکر و فریب اور کہیں نظر نہیں آتا ——— اور یہ ہے کیا ؟ اکثر خود رائے کی بے ہودگی اور کبھی ایک بالواسطہ فخر و غرور ——— !"

"اچھا جی بی بی !" شہریار نے تیوریاں چڑھائیں "تو پھر جناب - ذرا تصفیہ فرمائیں میری انکساری کس شق میں شمار ہو گی ؟ ———"

"بالواسطہ فخر و غرور میں ——— !" خسرو نے جیسے نتہائی متانت جھاڑ دی "کیونکہ تمھیں اپنی کوتاہیوں کا نہ صرف احساس ہے بلکہ ان پر فخر بھی ہے کیونکہ ——— !"

"ہاں ہاں میں تشریح کا منتظر ہوں !" شہریار بے صبری سے بول اٹھا "کیونکہ تمھیں اپنے تخیل کی جولانیوں اور اپنی لاپرواہیوں کے مظاہرہ میں لطف آتا ہے - اور تم سمجھتے ہو کہ اگر یہ قابلِ تعریف نہیں ہیں تو پھر بھی دلچسپ ضرور ہیں ——— ہر جلد باز اپنی جلد بازی کو متاعِ عزیز سمجھتا ہے اور کبھی لاشعوری طور پر صحیح نتیجہ پر بھی پہنچ جاتا ہے ——— مجھے یاد ہے چچی بیگم ریاض کے سامنے تم نے کہا تھا میرا کیا ہے ——— میں چاہوں تو پانچ منٹ میں کاشانہ" خالی کر دوں ——— ! اور خیال تعریف میں اپنا یہ خیال ایک قصیدہ سے زیادہ گراں قیمت تھا ——— لیکن عرض ہے ایسی خام خیالی قابلِ تعریف کب ہو سکتی ہے ؟ ——— اور اگر

تم ایسا کر بھی دو تو اس سے حاصل ؟ ——— آخر اس سے تمھیں یا کسی کو اور کون سا فائدہ ہو گا ؟" زرِ شہر یار کی جیسے کوئی دکھتی ہی رگ، پکڑ لی گئی تھی ——— تڑپ کر ضبط کرتے ہوئے مسکرا کر چلایا ——

"نہیں یہ زیادتی ہے — بہت بڑی زیادتی ——— اور میرے نزدیک جانتے ہو ؟ صبح کی باتوں کا شام کو یاد رکھنا جرم ہے جرم ——— اور میاں ذرا خیال کرو خواتینِ کرام سامنے بیٹھی ہیں" اس کا ہاتھ لاشعوری طور پہ زرینہ کی طرف اٹھ گیا، جس پر سب مسکرا پڑے "وہ بھلا اپنی حساسی کا بھانڈا ان کے سامنے کوئی کیسے پھوڑنا گوارا کر سکتا ہے ! —"

"میری جان ——— تمھارا علم نفسیات کا سکہ مجھے تسلیم ——— لیکن ایسا بچپن تو نہ کیا کرو —"

"اور میں قسم کھا سکتا ہوں کہ تمھاری فطرت میں بے چینی اور سیمابیت ہے اور اس عجلت پسندی کا یہ عالم ہے کہ اگر کوئی تم سے کہے بھیا میرے تم اس گھوڑے پر کتنے خوبصورت لگتے ہو ——— اس لیے بہتر ہے آئندہ ہفتہ تک اسی پر سوار ہوا ——— اور مجھے یقین ہے تم ضرور مان جاؤ گے اور اگر وہ مزید اصرار کرے گا تو پھر شاید ایک مہینہ بھی بیٹھے رہو ——— جانتے ہو ——— !"

اس نے شہر یار کے ہلنے والے لبوں کو ہاتھ کے اشارے سے ساکت کر دیا ———

"ایسا کیوں ہو گا ؟ صرف عجلت پسندی ہی نہیں بلکہ یہ ہے تمھارا اس صفت کے ساتھ واقعات بلکہ شاید موزوں لفظ ہے، حادثات کی رو میں بہہ جانا !!" اور اس کی چھوٹی چھوٹی باریک مونچھوں کے نیچے اُس کے پتلے پتلے گلابی لب پھڑکنے لگے !

"میرا خیال ہے اس رائے کا مطلب یہ ہے بھیا گویا اپنے ساتھ نا انصافی سے کام لیتے ہیں! اور یہ بیان مبالغہ سے خالی نہیں —— ! قبل اس کے کہ خسرو کچھ کہے کیونکہ اس کی آنکھوں میں روشنی کی ایک کرن دوڑ گئی تھی، شہریار تڑپ اٹھا ——

"ممّی بہین!" وہ حسبِ عادت بڑے موڈ میں آکر بولا "میں شکر گذار ہوں کہ ایک تنقید تحسین میں تبدیل ہو گئی لیکن اِس شخص موصوف" —— ! اس نے خسرو کی طرف جس کی مونچھوں پر مسکراہٹیں اور بھی تیزی سے ناچ رہی تھیں، انگلی اٹھائی "یہ نہ جانے اس کا مطلب کیا نکالے گا —؟" کہ سرمد چڑ اٹھا

"بھئی خدا کے لیے چپ رہو، شہریار! اماں یار پتہ نہیں تمہیں ایسی باتوں میں کیا لطف آتا ہے!" اس نے اسٹرائیکر کو گھما کر نشانے پر لاتے ہوئے کہا "بات نہ بات کی دم بس بکے چلے جاتے ہو!!"

"میرا خیال ہے!" زرینہ نے کہا اس نے جیسے فضاؤں میں تلخیاں سی سونگھ لیں۔ "بس اب اس بحثا بحثی کو چھوڑیں اور بھائی جان خسرو آئیں ذرا ہمارے پاس بیٹھ کر کچھ احسان ہی فرمائیں ہم پہ —— شاید ہمیں بھی حق ہو گا ہی آپ سے کچھ کہنے کا!"

اس دلکش انداز سے وہ نرم نرم لہجے میں بول رہی تھی کہ تقریباً سب پسندیدہ مسکراہٹیں بکھیرنے لگے، ریحانہ سے پہلے سرمد نے دیکھا اور رومانہ سے پہلے شیریں نے جس کی خوبصورت آنکھوں میں بہن کی محبت سج رہی تھی —— ایک ٹھنڈی روشنی سی تھیں جو کہ آہستہ آہستہ آنکھوں کی سطح پر پھیلتی جاتی تھی! —— خسرو بڑی پسندیدہ نظریں ڈالتا مسکراتا اٹھا —— اور شہریار جیسے یہ بھول چکا تھا کہ اس کے اور زرینہ کے علاوہ وہاں کوئی اور بھی ہے۔

"بات یہ ہے" خسرو پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالے ڈالے زرینہ کے قریب پہنچ گیا "تحسین میرے نزدیک بس لڑائیوں کی منھ بولی بہین ہیں —— اور میرا خیال ہے میں اب چلوں!" زرینہ نے کسی قدر حیرانی سے اُسے دیکھا ——

"بھیا —— ناراض ہو ہم سے؟" اور خسرو فوراً اس کے پیچھے پہنچ گیا

"ارے رے بہن ——!" وہ جیسے لوٹ آیا "کیا کہتی ہو ——!"

اور فرطِ محبت و خلوص سے اُس کے گالوں کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر چہرہ اُوپر کی طرف کر کے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا

"ہمیں شکایت؟ —— اور آپ سے؟؟ آپ پر بڑا زور دے کر ہو سکتی ہے؟" شہریار نے شاید اُس سے زیادہ پیار سے خسرو کی اس خلوص پرور حرکت کو دیکھا —— اُس کے چہرے پر سرخیاں بڑھ رہی تھیں!

"میرے بھیا ——!" بڑا گہرا سانس لے کر خسرو کی طرف دیکھتے ہوئے بولی —— "اچھا آئیں بیٹھ بھی جائیں!!"

ریحانہ، رومانہ اور سرمد جیسے "دم بخود تھے" —— اور غیر سخن شناس کی طرح مہر بہ لب!!

——— !!!

"اچھا بھئی اب اس خوشی میں کہ ہماری بہن نے غسلِ صحت کیا ہے ساز چھیڑیں ذرا" خسرو نے پتلون کی کریزیں درست کرتے ہوئے صوفہ پر بیٹھے بیٹھے کہا "بس مس رومانہ اور محترمہ بیگم سرمد کی توجہ کا منتظر ہوں —— امید ہے کہ خواتینِ کرام ضرور سرفراز فرمائیں گی!!"

"اللہ رے شریر آدمی ؟" رومانہ اپنا نام سن کر کھل اٹھی اور بڑی پر غرور نظروں سے شیریں کی طرف دیکھا —— وہ اس وقت الجھے ہوئے دھاگوں کو سلجھانے میں لگی تھی —— مایوس نظریں لوٹ آئیں اور دفعتاً خسرو کی طرف پلٹ پڑیں —— اور اس کی نظروں سے ٹکرا گئیں جو شیریں پر سے ہوتی ہوئی اُس تک پہنچی تھیں —— روم روم میں جیسے بجلیاں دوڑ گئیں اٹھلا کر بولی

"اب بھئی زبردستی ہے —— : ویسے ہمارا گلا خراب ہو رہا ہے !"

"تو زحمت نہ فرمایئے !!" خسرو نے کہا تو شاید سچے جذب دل سے لیکن شیریں کے کانوں میں اس کا مطلب کچھ اور ٹپکا —— اس کے کانوں کی لویں سُرخ سرخ ہو گئیں —— اور شاید اس کا شک پختہ ہو جاتا کہ سرمد نے پہاڑ رکھ دیا ——

"اچھا بھئی اگر آپ کا مزاج ناساز ہے تو کوئی بات نہیں شیریں بہن بھی تو ہیں ؟"

"معاً شیریں کی آنکھوں میں روشنی آگئی —— لیکن ریحانہ بول اٹھی . ——

"میں کہتی ہوں رومی آخر یہ بات کیا ہے ؟ جب تم سے کہو مزاج نہیں ملتا ۔ چلو اٹھو !" اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی

"نہیں ری ری —— نہیں ری ری !" بچوں کی طرح ریحانہ کے بازو سے لٹک کر مچلتے ہوئے اس نے کہا

"باجی جان ہمارا گلا ٹھیک نہیں !" اور باجی جان نے ٹھوکا دیا .

"باجی جان کی بچی تو یوں تھوڑا ہی مانے گی —— !" اور ان کی انگلی لپکی —— ابھی لگنے نہ پائی تھی کہ وہ مچل کر بھاگی —— !

"اچھا اچھا اچھا —— ! میری باجی جان —— جان باجی ۔

اور خلقت تماشہ دیکھنے لگی ــــــ !

پیانو کے پردوں میں جان پڑنے لگی ــــــ

سُر بلند سے بلند ہوئے ــــــ

رفتہ رفتہ ــــــ

آہستہ آہستہ ــــــ

ہولے ہولے ــــــ

اور پھر ؟ ــــــ پھر ؟

پھر وہ بلند ہونے لگے ــــــ

بلند ــــــ اور بلند

اونچے ــــــ بہت اونچے ــــــ بے حد اونچے !!

اور جب کم ہونے لگے تو راگ بلند ہُوا ــــــ دردیلا اور سُریلا ! ؎

لب، پہ آئی تھی اور بتا نہ سکے ۔۔۔ زخم دل ہم انھیں دکھا نہ سکے

اپنی اختر سماریاں نہ گئیں ۔۔۔ جن کو آنا تھا پھر بھی آ نہ سکے

واہ خوب بہت خوب ؎ جن کو آنا تھا ــــــ پھر بھی آ نہ سکے !!

سب مدہوش تھے ــــــ

ہے ادھورا فسانۂ اُلفت ۔۔۔ سارے عالم کو جب رُلا نہ سکے

ان کو اپنا ہی ہم بنا نہ سکے ۔۔۔ وہ تو آتے تھے ہم ہی لا نہ سکے

واہ واللہ کمال کر دیا ــــــ خوب بہت خوب ــــــ وہ تو آتے تھے

ہم ہی لا نہ سکے" سر دھڑک رہے تھے ــــــ سب خاموش تھے ــــــ

کہ شہریار نے مست ہو کر کہا

"وہ آتے تھے ہم ہی لا نہ سکے !!"

تم سے مل کر بھی ہے اداسی سی　　　تم سے مل کر بھی تم کو پا نہ سکے

سرمد نے داد دی، ریحانہ اور زرینہ مسکرا اٹھیں ——— اور خسرو کے لب صرف پھڑک کر رہ گئے ——— اس نے شیریں پر نظریں ڈالیں جو سر جھکائے بیٹھی تھی!

مظہر ضبط غم ہے خاموشی　　　صرف مطلب جو ہم سنا نہ سکے

جس وقت رومانہ نے آخری اختتامی ہاتھ پیانو پر مارے اور پردے لرزنے لگے اس کے بعد کافی دیر تک نغمہ گونجتا رہا اور ہر ایک جیسے احساسات میں گم ہو گیا ——— کہ "صُمٌ بکمٌ" بنا بیٹھا رہا ———

شیریں کا سر اٹھ چکا تھا اور خسرو برابر اسے دیکھ رہا تھا ——— !

اور رومانہ نے جب اُسے اپنی طرف متوجہ نہ پایا تو اس نے مڑ کر دوبارہ پیانو پر ہاتھ مارے ——— !

——————— !

اور دُھن چھیڑ دی

گاؤ خوشی کے گیت　　　ہو ہو گاؤ خوشی کے گیت

آج کسی کی ہار ہوئی ہے　　　آج کسی کی جیت

نغمہ اس قدر مسرت انگیز تھا کہ سارے چونک پڑے ——— جیسے کسی نے ساکن نیلے پانیوں میں پتھر دے مارا ———! اور مسرت پھوٹ بہی !!

سرمد نے تاج کی تجویز پیش کی ——— اور ریحانہ کی طرف دیکھ کر مسکرا پڑا

—— جو اِس تجویز پہ چین بچیں ہو رہی تھی ——

"میرا مطلب ہے،" وہ ہنس پڑا " چلو ابھی کوئی ہرج نہیں!" اور ریحانہ کا ہاتھ خود بخود اپنے ننھے سے ابھار کی طرف چلا گیا ——

"شہریار نے زرینہ کا ہاتھ پکڑ لیا —— اور وہ لچک کر بولی

"اور جو میں تھک جاؤں تو؟"

"نہیں ہولے ہولے ——!" اور اس نے بڑی نرمی سے سہارا دے کر اُسے اٹھا لیا —— "مرمد رومانہ کے قریب پہنچا —— جھک کر سرگوشیوں میں بولا

"میرا مطلب ہے، رومی —— تم ذرا ہلکے کر لو اور قدرے آہستہ ——!"

وہ مسکرا اٹھی اور سر کی جنبش سے ہاں کر دی ——!

شیریں سب کو دیکھنے لگی —— اور خسرو اُسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا

دفعتاً وہ اس کے قریب پہنچا اور —— جھک کر بولا ——

"میرا مطلب ہے، ——" اس نے چونکی ہوئی شیریں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں —— اور اٹھنے کا اشارہ کیا —— "رومانہ نے پلٹ کر دیکھا اس کا رنگ فق ہو چلا تھا —— لیکن وہ سنبھل گئی اور لوٹ کر نے نہ پایا ——"

"اونھوں ——!! اس نے نظریں جھکا کر سر ہلا دیا.

"اُٹھیے گا اب —— !!" آواز میں قدرے زور تھا اور آنکھوں میں التجا ——

"مجھے معاف کیجیے —— اِس وقت نہیں ——!" اس نے آنکھیں اُوپر کو اٹھائیں اور انھیں خسرو کی محبت نے جکڑ لیا ——

"لیکن اگر مان جاؤ تو کیا ہرج —— ہر وقت کی نہیں کے بعد کبھی ہاں بھی

اچھی لگتی ہے ——— !

اور پھر ——— ؟

جب خسرو و شیریں کے سینوں میں لرزشیں اٹھتی رہیں ——— روم روم میں بجلیاں دوڑتی رہیں ——— کانوں کی لویں لو دینے لگیں ——— رخساروں پر شعلے لپکنے لگے ——— گرم و جوان سینوں سے ٹکرا کر جوانی جوش میں آنے لگی ——— رومانہ اسی طرح ساکن بنی رہی جیسے سمندر ———

اور خسرو خاموش صرف مسکراتا رہا ——— اور نظروں سے محبت کے رنگین رسیلے اور حسین نغمے بکھیرتا رہا ——— !!!

نواں پردہ

محسن کا بیٹا!

مسٹر ریاض جیب میں ایک خط اُڑستے لائبریری سے نکلے
نسرین نے دیکھا اور سیڑھیوں پر چڑھتے چڑھتے ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی

"میں کہتا ہوں ——— کہاں ہو؟" انھوں نے بیگم کو آواز دی اور وہ بیٹھک سے نکل آئیں۔ "زمیندار" ان کے ہاتھ میں تھا اور آنکھیں پھیل رہی تھیں ——— چہرہ پر سرخیاں دوڑ رہی تھیں

"میں کہتی ہوں آخر اور سب کچھ تو ہو سکتا ہے بھلا اس کمزوری کا سدباب نہیں ہو سکتا! خدا کی مار ان پر ——— نہ جانے حکومت کر تی کیا ہے؟" وہ کہے چلی گئیں اور یہ بھول گئیں کہ ان کو مسٹر ریاض نے بلایا تھا

وہ کھڑے کھڑے پہلے تو دیکھتے تو غور سے دیکھتے رہے، پھر مسکرا کر ایک ٹھنڈی سی سانس لی اور مڑ کے چلیں اندر لائبریری میں ——— نسرین سے نہ رہا گیا۔ ———

"امی بی بی! وہ جل گئی۔ آخر ایسا بھی کیا انسان کا اپنے سے باہر ہو جانا ——— ہمیشہ امی ابا میاں کی بات کاٹتی ہیں یا سنتی ہی نہیں ——— ابا میاں ہی کا کلیجہ ہے ورنہ کون اس قدر پروا کرتا ہے۔ ہونھ!! "ابا میاں نے آپ کو آواز دی تھی!"

مسٹر ریاض جاتے جاتے لوٹ پڑے — بیٹی پر محبت پاش نظریں ڈال کر انھوں نے اس کرب کو بھانپ لیا جو شیریں کے دل میں ان کی حالت پر پیدا ہوا تھا — "رونہ بیٹی رہنے دو — انھیں اگر اسی میں خوشی ہوتی ہے تو ٹھیک ہے!!"
بیگم ریاض نے پلٹ کر بیٹی کو دیکھا اور پھر شوہر کو — اور جیسے انھیں یاد آگیا۔— مسکرا کر بولیں
"کیوں خیر تو ہے —؟" اور چلیں ان کی طرف "یہ صبح ہی صبح آج قسم کیسے توڑی گئی؟" وہ شاید محسوس کر رہی تھیں کہ اس خاموشی کی تہہ میں طوفان ہے!
"کچھ نہیں —!" مسٹر ریاض نے لاپرواہی سے کہا "میں شیریں سے پوچھ لوں گا بیٹی ذرا میرے ساتھ آنا" اور آہستہ سے پلٹ پڑے — بیگم ریاض قریب تر ہو چکی تھیں۔ بڑے پیار بھرے لہجے میں بولیں
"آخر میں بھی تو سنوں —! کہو تو بات کیا ہے — کوئی خاص بات ہے ورنہ تم اور اتنے سویرے سے لائبریری سے باہر!" اور بڑھ کر نہیں جھولا کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولیں "لو چلو ذرا بیٹھ بھی جاؤ!"
"بات یہ ہے —" وہ شیریں کا بازو تھام کر بیٹھ گئے اور گھسیٹ کر اسے بھی پاس بٹھا لیا "میرا خیال ہے آج کچھ اچھے ہی کھانے پک رہے ہیں؟"
"اچھے کھانے؟!" بیگم نے حیران ہو کر پوچھا "بھلا کون آرہا ہے؟" اور قبل اس کے کہ وہ جواب دیتے وہ ایکدم کھل کر بھول گئیں "اچھا میں سمجھی — ہائے تمھیں ستانے میں کیا مزا آتا ہے؟ کہو سب آرہے ہیں کہ اکیلا وہ؟"
اور مسٹر ریاض نے بہت ہی غور سے دیکھا — مسکرائے اور بولے —

"میرا خیال ہے وہ اکیلا ہی آئے گا — کیونکہ اُن کے ابا میاں ہرگز نہیں آئیں گے — انا ہوتا تو یہ جال کیوں پھیلایا جاتا"!

"جال ل ؟" بیگم چیخ اٹھیں — "کیسا جال ؟"!

"لیکن ابا میاں اُن کے والد تو ہیں نہیں ؟ شیریں کو بھی وہی خیال گزرا جو بیگم کو"!

"نہیں والد نہیں، والد تو بقید حیات ہیں — اور وہی تو سارے فتنہ کی جڑ ہیں — اب محسن ہی میں کچھ کہہ بھی نہیں سکتا"!!

"اے وہ ہے کون آخر"؟ بیگم کے لیے جھمیلا ہی ہوگیا

"وہی نعمان اشرف — اپنے مل والے حصہ دار"!! بیگم کے چہرہ کا رنگ اُڑ گیا۔

"ہائے اللہ — کیا وہ آرہے ہیں"؟

"نہیں اُن کا لڑکا آرہا ہے سلمان"!

"سلمان ؟ لیکن —" بیگم کچھ سوچنے لگیں — سب خاموش تھے! "کیا عمر ہوگی اس کی ؟ بیگم نے نظریں آتی ہوئی خالدہ پر گاڑ دیں — اور مسٹر ریاض کی نظروں نے ان کا تعاقب کیا — وہ مسکرا گئے

"ٹھیک خیال ہے تمھارا بیگم — شکر ہے مجھے ایک حل مل گیا" بیگم اُن کی اس تیرہ فہمی پر پھول گئیں — اس خوشی میں یہ جذبہ بھی ملا ہوا تھا کہ میری نظر کام کر گئی —!

"یہی تو میں کہتی ہوں کہ جو گڑ سے مرے اُسے زہر کس لیے دیا جائے ؟ بات تو جب ہی ہے کہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے"!

"شیریں! بیٹی خالدہ کو ذرا آج ایک اچھا سوٹ نکال دینا۔ ـــــ اور ہاں وہ کون سا والا نکالو گی ـــــ میرا خیال ہے وہ نیوی بلو والا پہنا کا مداتی والا ـــــ اور ہاں ـــــ اس کے ساتھ زیور کیا لو گی ـــــ چلو جونسا جی چاہے نکالنا"

"ام ــ ی" شیریں غرق حیرت تھی کہ امی کو سوائے اس کے اور کچھ نہیں سوجھتا "آپ ہی بتا دیجئے"!

"اے ہے توبہ ہے ذرا تو تم لوگ اپنی عقل بھی استعمال کیا کرو، لو بھئی غضب ہو گیا ذرا سا زیور کا انتخاب نہیں کیا جاتا، اللہ رکھے اتنی اتنی عمر ہونے کو آئی، اور ایک ہم تھے کہ ...."! مسٹر ریاض نے مسکرا کر بازو تھام لیا

"ہوں! میں کہتا ہوں شیریں بیٹی کوئی سا سیٹ نکال لو اور ہاں بس اب جلدی کرو کہ انھوں نے گھڑی دیکھی وہ آتا ہی ہوگا میں نے کار اسٹیشن بھیج دی ہے

بیگم ریاض کے ہاتھ سے اخبار چھوٹ گیا۔

"کیا کہا، کار بھیج دی ہے؟ اے ہے اللہ میں کہتی ہوں میرا ہی ایسا بے غیرت جنم ہے جو جئے جا رہی ہوں تمہارا ساتھ دیئے جا رہی ہوں لو بھلا وہ کب تم نے کار بھیجی! بھئی میں کہتی ہوں یوں ہاتھ پیر نہ پھلایا کرو ـــــ آخر کوئی ٹھڈ کا نے کی چیز تیار ہوگی کہ نہیں؟" مگر ریاض مسکرا مسکرا کر محبت پاش نظریں بکھیرتے ہوئے اٹھے ـــــ

"ارے بھئی میں اس کی فکر کبھی نہیں کرتا، تم کو اور مکو ان کے لیے کہنے کی ضرورت ہے؟ تم تو نہ جانے کس طرح اپنے جادو کے پٹارے سے مزے دار چیزیں نکال لیا کرتی ہو"! بیگم ریاض نے بڑی بڑی آنکھیں دکھلا کر مسکراتے ہوئے کہا

مد ہوں ں ! نکال لیا کرتی ہوں اور جادو کے پٹارے سے تمھی نہ کوئی پٹارا پٹو ا بنوا لائے ہو" لو بھلا وہ تو یونہی مجھے کچھ خیال آیا تھا میں نے کل بادام کی جالی بنوائی تھی اور امرود کی جیلی اور کیا نام گاجر کا حلوا بنوا لیا تھا ——— لو بھلا اگر یہ نہ ہوتا تو آج اچھی خاصی گت بن گئی ہوتی ! مسٹر ریاض قدرے زور سے ہنسے اور چٹکی بجا کر بولے

"ہو بھی تو بس یہی تو میں کہتا نہ تھا ۔ بیگم م ! بڑی محبت سے ان کی ٹھوڑی چھو لی اور ہونٹ بھینچ لیے " میں کہتا ہوں جادوگر ہو تم جادوگر بالما " ۔ بیگم نے جلی کٹی نظریں لڑا کر محبت کے خزانے خالی کر دیے

" ارے ہٹو بی ! مجھے نہیں اچھے لگتے یہ چونچلے ! " اور سرخ کر مسکراتی ہوئی تیزی سے کہا ———

" اماں تم یہیں کھڑی ہو ! " ارے سُنا نہیں اپنے آبا کے کارنامے کو وہ آیا ہی چاہتا ہوگا " اور جب وہ چپکے سے مسکراتی ہوئی چلی گئی تو مسٹر ریاض کو آنکھیں دکھائیں " میں کہتی ہوں تمھیں شرم نہیں آتی ؛ اسے جوان جوان بیٹیوں کے سامنے کیسی للو پتو کرتے ہو ؛ اے تمھیں ہوا کیا ہے ؟ مسٹر ریاض نے اطمینان سے سگار کی راکھ رکھدانی میں جھاڑی " کچھ نہیں ——— بھئی آخر میں بھی انسان ہوں ؛ سینہ میں دل رکھتا ہوں بھلا کیا اب اس کا حق بھی نہیں رکھتا کہ تم سے ذرا ہنس بول لوں ؟ اولاد کیا ہوگئی مصیبت ہوگئی پھر ——— ؟ "

" اونھ " بیگم نے مڑ کر پاندان کھسکایا " لو ذرا مجھے وہ خط تو سناؤ " مسٹر ریاض نے مسکرا کر خط نکالا

" ارے ہاں یہ تو میں بھول ہی گیا ، لو سنو لکھتے ہیں ———

"بھائی صاحب

السلام علیکم ! یہ ہیں میاں سلمان جنھیں میں آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں ابھی ابھی علی گڑھ سے ایم اے ایل ایل بی کر کے لوٹے ہیں۔ میرا جو حساب کتاب آپکے ذمّہ لگایا ہے وہ ان کو مہربانی کر کے سمجھا دیجئے بھائی صاحب آپ تو جانتے ہیں میرا آپ کا معاملہ تھا تو اس کی ضرورت نہیں تھی لیکن اب انھیں کاروبار سنبھالنا ہے لہذا جو یہ کریں وہ کم ہے آپ اس کا ضرور خیال رکھیں !"

بھابی محترمہ کیسی ہیں ان کا گاجر کا حلوا ابھی یاد آرہا ہے کہ سردیاں شاید سے شدید تر ہوتی جارہی ہیں اور وہاں انھیں میرا پُر خلوص سلام کہیئے گا اور بچیوں پیاریوں کو پیار —— پانچ سال میں نہ جانے کہاں کی کہاں پہنچ گئی ہوں گی !"

آپ کا مخلص

نعمان اشرف

ضروری نوٹ :—

بھائی صاحب ! سلمان بڑے "صوفی انسان" ہیں ان کا ذرا خیال رکھئے گا آپ تو جانتے ہیں میرے ہاں سہن کا طریقہ بے حد نرالا ہے' لہذا وہاں —— بہرحال آپ سمجھ گئے ہوں گے !

"اے کوئی ایسا بہا خط نہیں ! بیگم نے اطمینان کا سانس لے کر ڈلی پان پر رکھی اور بیڑا بناتے ہوئے کہا" مگر یہ نعمان صاحب کو اکڑنے کی بڑی عادت ہے !"

"وہ تو پرانی عادت ہے" مسٹر ریاض بولے۔ "مگر ایک بات ہے اصول اُن کی زندگی کا سب سے بڑا اصول ہے"!

ٹھیک سات بجے کار دروازے پر پہنچی۔ گھر میں ابھی وہ ہڑبونگ تو نہ مچی، جیسے شہریار کے آنے پر مچا کرتی تھی لیکن کچھ ہماہمی ضرور ہو گئی۔

چاکلیٹ رنگ پر سفید دھاریوں والا خوبصورت سوٹ اور سرخ سبز، زرد چینیوں والی ٹکٹائی لگائے فیلٹ کیپ بڑے سلیقے سے اوڑھے سلمان اندر آئے مسٹر ریاض نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بڑے اکڑے اکڑے سے تھے اور لیے دیئے بھی

"السلام علیکم چچا جان! السلام علیکم چچی جان" اُنھوں نے مڑ مڑ کر دونوں کی طرف ایک عجیب شان سے ہاتھ کچھ اُوپر اٹھایا۔

"جیتے رہو میرے بیٹے!" بیگم ریاض بولیں اور مڑ کر آواز دی "ارے لڑکیو! اب آبھی چلو تمھارے بھائی جان آگئے"! اور خالدہ، فوضیہ اور زرینہ اُوپر سے چلی آئیں اس نظر افروز نظارے پر سلمان کی آنکھیں کچھ چمکیں مگر تمکنت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، خالدہ غضب ڈھا رہی تھی اور تاب لانا مشکل تھا! مسٹر ریاض حسب عادت کم بول رہے تھے مگر بیگم ریاض، زرینہ اور فوضیہ نے کمی خاصی پوری کر رہی تھیں —

"اے میں کہتی ہوں بیٹا! ذرا منھ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل ڈالو اور کھانے کے لیے تیار ہو جاؤ"!

"مگر چچی جان!" سلمان نے کہا "بات یہ ہے! میں ڈنر ہمیشہ ڈنر سوٹ میں کھانے کا عادی ہوں"! قبل اس کے کہ کوئی کچھ کہتا، خیریں سیڑھیوں پر چمکی

"بھائی جان! آپ ڈنر سوٹ میں کھانے کے عادی ہیں؟" سب مسکرا پڑے۔
سلمان نے چونک کر اوپر دیکھا بے حد سادہ لباس پہنے وہ خود بھی مسکراتی نیچے آئی "آداب عرض ہے"! میں سلام کرنا ہی بھول گئی تھی!" کہ اتنے میں ملازم نے آکر کہا
"حضور! خاصا لگ چکا ہے! اور سب مسکراتے ہوئے اٹھ گئے
کھانے پر مسٹر ریاض بہت کم بولے البتہ سلمان کچھ ضرور کھل اٹھا
"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ مزے دار کھانے میری کس کس بہن کا کارنامہ ہے"؟ اس نے قدرے بے تکلف ہو کر کہا، بیگم ریاض ذرا منھ خاصا بنا کر بولیں ——
"اے بیٹا! یہ بھلا پوچھنے کی بات ہے؟ میں نے انھیں سکھایا سب کچھ مگر روزانہ تو نوکر کام کرتے ہیں"! وہ جلدی سے سرخ سرخ ہو کر بولا
"ارے معاف کیجیے چچی جان مجھ سے غلطی ہوئی۔ لیکن چچی جان وہ زمانے گئے جب خلیل خان اور فاختہ ہوا کرتی تھی۔ آج کل تو کام کیے بغیر کام نہیں چلتا"! اور بادام کی خالی منھ تک لے کر ہٹاتے ہوئے بولا "چچی جان کیا بتاؤں یہ بیگم نواب سرقلدر ہیں میرا مطلب ہے، —— جن کی ریاست کا میں نگراں ہوں، وہ خود اس بڑھاپے میں کام کرتی ہیں اور بڑے مزے دار کھانے پکاتی ہیں۔

کھانے کے دوران میں خاموش رہنے کے علاوہ مسٹر ریاض سگار پی پی کر جیسے نوکروں کے میز خالی کرنے کے منتظر رہے۔ جب دروازہ بند ہو گیا تو انھوں نے سلمان کو مخاطب کیا ——
"ہاں تو سلمان میاں اب سناؤ یہ بیگم سرقلد کیسی ہیں؟ میں نے ان کی بڑی

باتیں سنی ہیں"! سلمان کرسی پر قدرے آرام سے بیٹھتے ہوئے ایک نظر زرینہ پر ڈال کر بولا۔

"جی ہاں چچا جان! میں کیا عرض کروں آپ سے کہ کس قدر شریف شخصیت ہے اُن کی"! قبل اس کے کہ کوئی کچھ کہتا فوضیہ مسکرا کر بولی

"بھائی جان معاف کیجئے گا ——— یہ آپ الفاظ کا استعمال ذرا غلط کرتے ہیں ——— دیکھیئے نا اُس وقت آپ فرمانے لگے "میں ڈنر سوٹ میں ڈنر کھانے کا عادی ہوں۔ اور اب یہ شریف شخصیت"! سلمان ایکدم سرخ ہو کر مسکرا کر بولا۔

"وہ ——— وہ بات تو معقول صورت رکھتی ہے بہن مگر ———"؟

"لیجئے یہ کیا ——— بات کی معقول صورت، کیا ہوئی"؟ سب کھلکھلا کر ہنس پڑے مگر بیگم ریاض ڈلی کاٹتے ہوئے بولیں

"اے فوضیہ! اے اب رہنے بھی دے" پھر سلمان سے مخاطب ہو گئیں "میں کہتی ہوں بیٹا اِن کی باتوں کا خیال نہ کرنا یہ ایک سے بڑھ کر ایک شیطان ہیں"! اور واقعی قہقہوں کی ایک نقرئی گھنٹیوں کی زنجیر تھی کہ بجی چلی جا رہی ہے، سلمان کے کانوں کی لویں لو دینے لگی تھیں، اُس نے صرف پہلو نہیں بدلا بلکہ موضوع بدل دیا۔

"ہاں تو چچا جان میں کہہ رہا تھا، بیگم سرقدر مجھ پر بالخصوص بے حد مہربان ہیں یہی نہیں بلکہ انھوں نے تو سارے اختیار کیا دیئے ہیں میری اپنی ذاتی خوش حالی اور فلاح و بہبود کا انھیں بے حد خیال رہتا ہے ——— چنانچہ انھوں نے مجھے جو کوٹھی دی ہے آپ دیکھیں گے تو بے حد خوش ہوں گے "خوبصورت، مختصر، مفید! آپ سب چلیں گے نا میرے ساتھ"؟

"اے بیٹا ـــــ !جواب مسٹر ریاض کو دینا تھا لیکن دیا بیگم نے "سنو تو! ہم ضرور چلیں گے جم جم' نت نت آباد رہیں ہمارے بلانے والے ـــــ مگر بیٹا کیا اُن بیگم سرقدر کے اولاد بھی ہے ؟ انھوں نے پان منھ میں رکھ لیا ـــ

"جی ہاں!" سلمان نے کہا " ایک لڑکی ہے اور بقول بیگم سرقدر دنیا کی نمبر ون خوبصورت لڑکی اور ریاست شیردان گڑھ کی واحد وارث"!

"بھائی جان! ہم نے سنا ہے کہ ان کا محل فلک نما بے حد عظیم الشان عمارت ہے": خالدہ نے پوچھا۔ سلمان نے بڑی پسندیدہ نظر اس پر ڈالی

"بے حد عظیم الشان کیا کہنے اس محل کے ـــ لیکن افسوس یہ ہے کہ صرف دو ہی آدمی اُس میں رہتے ہیں ـــــ بیگم سرقدر اور صاحبزادی سرقدر"! ـــــ

"اور آپ کی کوٹھی اس محل سے کتنی دور ہے ؟ عذرا نے پوچھا۔ سلمان نے مسکرا کر اس کو بھی دیکھا ـــ

"بہت قریب ـــــ بس ایک باغ اس کے اور میری کوٹھی کے درمیان ہے"! اُس نے اطمینان سے پان تھالی سے اٹھا لیا "تم لوگ آؤ گی تو بہت خوش ہو گی میری کوٹھی میں اٹھارہ کمرے ہیں اور ان میں چھ بیڈ روم ـــــ سارے انتظامات کے ساتھ ـــ"!

"اٹھارہ کمرے اور چھ بیڈ روم ؟ عذرا نے پوچھا "اور بھائی جان آپ کا اپنا باغ بھی ہے"؟

"ہاں وہ باغ میرا ہی ہے۔ جو محل فلک نما کے درمیان ہے"! سب ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکنے لگیں۔

"مس قدر پھر کس کے ساتھ اپنا وقت گزارا کرتی ہیں بھائی جان؟ خالد نے پھر پوچھا
"اب تو اُن کے پاس صرف ایک گورنس ہے اور اسی لیے —— اوہ!
کہہ کر وہ سنبھل گیا۔ بیگم ریاض کے چہرے پر ایک رنگ آگیا، چونک کر بولیں
"کیوں بیٹا رک کیوں گئے"؟ سلمان پھر سرخ ہو گیا۔
"جی کچھ نہیں —— وہ —— وہ کوئی ایسی بات نہیں! بیگم
ریاض کی آنکھیں چمکیں"۔
"ایسے میں کیسے مان لوں؟ بھلا یہ بال دھوپ میں سفید ہوئے ہیں" ہنس کر بولیں
"اے سفید نہ ہوئے ہیں تو کیا لیکن آخر اتنی عمر میں ہم نے کچھ تجربہ ضرور سیکھا ہے"!
پھر سے ہلکے ہلکے قہقہے گونجے۔
"جی کی! جی وہ بات یہ ہے —— اس نے ایک نظر زرینہ پر ڈال
کر کہا "بات یہ ہے کہ بیگم سرقد چاہتی ہیں میری بیوی اُن کی صاحبزادی کی سچی دوست
ثابت ہُوا"
"تمھاری بیوی؟ وہ چونکیں لیکن سنبھل کر بولیں "تو بیٹا اُسے ساتھ کیوں نہیں
لائے؟ وہ بے ساختہ مسکرا پڑا اور ایک چھلکتی ہوئی نظر پھر زرینہ پر ڈالی، شیریں کے
ہونٹوں پر مسکراہٹیں کھیلنے لگیں۔
"چچی جان آپ بھی کمال کرتی ہیں؟ میری بیوی کہاں ہے، میری تو ابھی شادی بھی
نہیں ہوئی"
"یہ کہو! بیگم ریاض نے اطمینان کی سانس لی۔ "تو کہیں نسبت وسبت بھی ہوئی ہے"؟
انھوں نے (دل کی) کرید کا ایک حل تلاش کر ہی لیا۔ سلمان پھر سے سرخ ہو کر مسٹر ریاض کے

سگریٹ کیس سے کھیلتے ہوئے زرینہ پر نظریں جما کر کہا

"بس چچی جان، ابّا جان کا خیال ہے کہ وہ جلد ہی میرا مسئلہ حل کر دیں گے!"

"تو کہیں دیکھی بھی ہے لڑکی؟" بیگم ریاض نے ایک اور پینترا بدلا

"چچی جان دیکھ تو لی ہے ——— میرا مطلب ہے،" جلدی سے سنبھل کر بولا "دیکھ لی ہے" بس اب اُدھر سے جواب کا انتظار ہے ——— !"

"کس کی لڑکی ہے؟" مسٹر ریاض نے چپکے سے پوچھا اور نظریں بیگم کی کشادہ ہوتی ہوئی نظروں سے ملا دیں۔

"جی! وہ مسکرا کر بولا" وہ میرے چچا کی لڑکی ہے!"

"تمہارے چچا ———؟ مسٹر ریاض نے سگار منھ تک لے جا کر رک کر پوچھا" کون سے چچا؟ کیونکہ تمہارے ابّا تو اکلوتے ہیں جیسے تم اُن کے اکلوتے؟ سلمان کی آنکھوں میں شرارت چمک رہی تھی

"جی ہاں! وہ میرے ابّا کے دوست ہیں مگر سگے بھائیوں سے بڑھ کر ۔!"

"کیا نام ہے اُن کا؟"

"چچا جان ——— " وہ کچھ رک کر انھیں دیکھنے لگا اور وہ اُسے "یہ میں آپ کو کل صبح تفصیل سے بتاؤں گا ——— اچھا اب اس وقت مجھے اجازت دیجئے۔ میں ذرا پابندی سے نو بجے سونے کا عادی ہوں" ——— اور یوں سب اٹھ گئے۔

دسواں پردہ

میجر آفتاب حسن!

دوسرے دن ناشتہ سے قبل ایک گھنٹہ تک بیگم ریاض سے سلمان کی باتیں ہوتی رہیں

" ہاں تو بیٹا " انھوں نے کوچ پر اطمینان سے لیٹتے ہوئے کہا " تم نے نام نہیں بتایا اپنے چچا کا ! سلمان بڑے انداز سے مسکرایا۔

" اُن کا نام آپ جانتی ہیں چچی جان "!

" اے نہیں بابا ! میں نہیں جانتی، کون ہیں "؟ انھوں نے دوپٹہ سر پہ ڈال لیا۔

" آپ بھی کمال کرتی ہیں، ریاض احمد صاحب ایل ایل بی ایڈوکیٹ کو آپ نہیں جانتیں "! وہ کھل کر ہنس پڑیں کہ ان کا دل ابھی کی گواہی دے رہا تھا

" اے چل لڑکے کیوں بوڑھوں کو بناتا ہے "! اس پر وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔

" چچی جان آپ خود کو بوڑھا نہ کہا کیجیے ——— " اور گردن کھجلا کر اُن آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

" تو پھر چچی جان بے جا شرم و حیا برطرف ——— کیا میں زرینہ کے لیے درخواست کر سکتا ہوں "؟ ایک دم انھوں نے ایسا ٹھٹھا لگایا کہ وہ چونک کر رہ گیا۔

"اچھا تو یہ بات ہے!" مگر سنو ——! ایکدم وہ سنجیدہ ہو کر بولیں "زرینہ کی بات کچھ پکی سی ہو رہی ہے —— تم کسی اور کو پسند کر سکتے ہو!" وہ سفید سا ہو گیا۔ لیکن فعتاً پھر سرخ ہو کر بولا

"ارے! تو پھر —— تو پھر شیریں کے لیئے؟"

"مگر بیٹا اُس کی بھی بات کچھ ہونے والی ہے اور ——"

"تو چچی ہونے والی ہے ہوئی تو نہیں —— پھر آپ کو میں یہ بتا دوں میں نے اپنی زندگی کا حساب کتاب بالکل اکیلا رکھا ہے —— میری بیوی بڑی خوش قسمت ہو گی کہ میں نے اس کی زندگی سے ساس، نند کا جھگڑا پہلے ہی مٹا کر رکھ دیا ہے۔!"

"یہ تو ٹھیک ہے" —— مگر بیٹا تم اپنے چچا کو نہیں جانتے اُن کی عادتیں بڑی عجیب ہیں۔ انھوں نے لڑکیوں کو لڑکوں کی طرح پالا ہے اور یہ بھی نہیں بلکہ انھوں نے تو شادی بیاہ کی آزادی بھی دے رکھی ہے!"

"تو چچی جان بات یہ ہے کہ چچا جان کچھ زمانہ کو سمجھنے کا بڑا ہی سلیقہ رکھتے ہیں یہی نہیں بلکہ میں تو —— بس چچی کیا بتاؤں مجھے الفاظ نہیں ملتے ——!" کہ اتنے میں جھجکے نے آکر اطلاع دی ناشتہ تیار ہے!

"بھائی جان! ایک بات بتایئے؟ خالدہ نے پوچھا "آپ چلیں گے مریم نگر ہائے بھائی جان کوئی دیکھے جا کر کتنی رونق وہاں رہتی ہے"

"اور پھر وہاں سے ماموں جان کے پاس چلیں گے"۔ فوضیہ بولی

"ہاں بھئی اگر مریم نگر تک جانا ہو تو میں بھی چلوں گی مجھے وہاں سے منز سبزی وڈ

کی "ایسٹ لِن" لینی ہے ——— بڑی پیاری کہانی ہے، بھائی جان آپ نے پڑھی ہے؟"

"چلیے صاحب ہم تیار ہیں" سلمان نے اٹھتے ہوئے کہا "بس ذرا میں کپڑے بدل آؤں۔"

"ارے بھائی جان رہنے بھی دیجیے کیا کریں گے کپڑے بدل کے ابھی تو بدلے ہیں آپ نے" خالدہ بولی

"ارے کیا کہتی ہو" سلمان نے حیران ہو کر اپنے کپڑوں کو دیکھ کر کہا "ان کپڑوں میں باہر چلا جاؤں، یہ تو میں نے ناشتہ پر پہن لیے تھے ——— بس دیر نہ ہوگی ابھی آؤں گا!"

"اور ابھی آؤں گا" نے صرف ایک گھنٹہ لیا۔ یہ لوگ تو سب کی سب انہی کپڑوں میں ساتھ ہولیں البتہ شیریں نے ہلکا ٹھنڈا سرمئی کوٹ پہن لیا۔

راستہ بھر خوب لطیفے رہے، خان بہادر کی نئی گاڑی بقول شیریں چلتی نہیں "بہتی" رہی "کتاب محل" پہ گاڑی روک کر فوضیہ نے پچاس روپیہ کی کتابیں رسالے خرید سے تو خاصہ گھنٹہ لگا دیا، سب بور ہو گئے، کبھی کتابوں کو چکر لگا لگا کر دیکھا اور کبھی فٹ پاتھ پر آ کر راستہ کی سیر کی، خدا خدا کر کے وہاں سے "سوزن کار" پہنچے جہاں شیریں اور زریں نے اپنے دوپٹے دے رکھے تھے، ان کا کام سلمان کو بہت پسند آیا

"شکر ہے بھائی جان پھر سے سوزن دوزی کا رواج ہوا اور وہ موئے بیل کے ڈیزائن سے پیچھا چھوٹا!" خالدہ بولی

"ایں یہ بیل کے ڈیزائن کیا؟" سلمان نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہ شیشہ کاری نہیں جانتے آپ —— ؟"

"شیشہ کاری کیا؟" وہ اور حیران ہوا۔

"بھائی جان یہ جو کپڑوں پر شیشے لگائے جاتے ہیں نا؟" شیریں نے سمجھایا

"اس کو کہہ رہی ہے!"

"اوہ! وہ ہنسا" بھئی آپ لوگ ہیں خوب!" کہ شیریں نے کہا

"چلیئے اب چلیں —— ہمیں ماموں جان محفوظ کے پاس پہنچنا ہے، فون کر دیا تھا۔ ممانی جان بیگم محفوظ بے چین رہوں گی" اس نے بی وضیہ نے تو لوریت کی حدوں تک —— کی ہے آج!" زرینہ بولی اور سب ہنستے ہوئے نکلے، بی وضیہ نے "اونھ" کہہ کے گردن کو جھٹکا دیا اور منہ بنا لیا۔

کچھ ہی دور بڑھے ہوں گے کہ سامنے سے دو نوجوان ایک موڑ سے مڑ کر عین ان کے مقابل ہو گئے۔ پہلا نوجوان جو سیدھے ہاتھ پر تھا نیلے رنگ کے سوٹ میں ملبوس بڑی خوبصورت ٹائی باندھے تھا اور دوسرا فوجی لباس میں —— نشانات بتا رہے تھے کہ وہ میجر ہے۔

"ارے یہ تو طارق صاحب ہیں" عذرا بولی "تو آ گئے کیا یہ؟"

"تو کیا یہ یہاں نہیں تھے؟" زرینہ نے پوچھا

"نہیں باجی —— یہ تو لندن گئے تھے!" عذرا بولی اس کے گال سرخ ہو چکے تھے، شیریں نے جیسے اس کی حالت تاڑی اور ابرو پر بل پڑ گئے

"تو تمہیں کیسے معلوم تھا کہ یہ لندن گئے ہیں؟" اس نے پوچھا، عذرا اس کے لہجے کی تلخی محسوس کر کے چونکی۔

"یہ کوئی نئی بات ہے آپا؟ سارا مریم مگر جانتا ہے"! وہ تنک کر بولی

"اور یہ کون ہے؟" نوضیبہ نے کہا

"یہ ——— ؟" عذرا بولی: "نہ معلوم کون ہے ——— ؟"

"کیا چغد لگ رہا ہے" خالدہ نے کہا "اُف! اکڑتا کتنا ہے!"

"تو تمھیں کیوں بُرا لگ رہا ہے؟" شیریں نے کہا: "وہ تمھارے ساتھ تو نہیں اکڑ رہا ہے؟" کہ اتنے میں وہ دونوں اس کے قریب ہو گئے۔ اور چونک کر طارق بولا

"ہیلو عذرا! تم یہاں کہاں" اور پھر اپنی بے تکلفی پر چونک کر کسی قدر سنجیدہ ہو گیا: "آپ لوگ مسٹر ریاض: یہاں کیا ہو رہا ہے ——— یعنی شاپنگ؛" اس نے سر پیچھے پھینک کر بڑا سا قہقہہ لگایا "اچھا ان سے ملیئے، میرے دوست ہیں میجر آفتاب حسن ——— بڑے عالی خاندان اور بہت ہی شریف!"

"جیسے آپ"! عذرا نے جملہ چست کیا "بڑی خوشی ہوئی میجر صاحب آپ سے مل کر" ایک بڑا قہقہہ سا لگا"

"اور آپ سے ملیئے" شیریں نے آگے بڑھ کر کہا "طارق بھائی یہ ہیں: ہمارے چچا زاد بھائی سلمان اشرف؛ کوہ نور آئیل ملز میں ہمارے شریک ہیں!"

"بڑی خوشی ہوئی سلمان صاحب آپ سے مل کر ——— ہاں تو آپ کب تک یہاں رہیں گے" طارق نے پوچھا"

"یہی کوئی دو تین دن!" اور مڑ کر میجر سے مخاطب ہوا "کیوں میجر صاحب آپ بھی آئے ہیں یہاں؟" وہ مسکرایا ——— اس کی وجیہہ شخصیت، گورے

چٹے رنگ خوبصورت نقش اور پوری پوری مردانہ دلکشیوں سے بھرپور اس کا وجود سارے کا سارا چمک اُٹھا۔ خالدہ اُسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی اور اس کی نظر بھی باربار اُٹھ رہی تھی!

"جی یہی دو ایک ہفتہ، آجکل چھ ماہ کی چھٹی لے رکھی ہے" ٹوپی اتار کر بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"کیوں کیوں خیر تو ہے؟ کچھ نیک ارادے ہیں کیا؟" اُس نے ہنس کر پوچھا "وہ بھی نیک ارادے تو آپ جانتے ہیں!"

"معاف کرنا سلمان صاحب اپنے ارادے ہوں نہ ہوں آپ کی بات کچھ ایسی ہی لگتی ہے!" ہاہاہا! ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"لیکن آفتاب صاحب تجربہ آپ کو زیادہ معلوم ہوتا ہے" کہ اتنے میں خسرو کے منہ سے نکلا۔

"ارے!" اور سب اس طرف ہٹ کر دیکھنے لگے، جس طرف وہ دانتوں میں انگلی دبائے دیکھ رہی تھی

شہریار اور خسرو ایک چوکرٹے (چار گھوڑوں والی بگھی) میں آرہے تھے، گاڑی آکر ان کے سامنے رک گئی اور اس میں سے شہریار بے تابانہ اترا اور لیڈی کا زرینہ کی طرف جو ہمہ تن استقبال ہوئی کھڑی تھی۔ آنکھیں چمک رہی تھیں، گالوں پر سُرخیوں کے دھارے پھوٹ رہے تھے۔

"ارے اسلام علیکم میں نے کہا زرینہ خوب ملاقات ہوگئی میں وہیں تو جارہا تھا آپ کے دولت کدہ!!" اور نگاہوں میں پیار کیا، بلائیں لیں اور شکائتیں بھی جڑ دیں، شیریں خسرو

کا تعارف سلمان سے کروا رہی تھی اور نہ جانے کیوں خسرو کی موچھوں پر چھری کٹاری کی جگہ اس کی آنکھوں میں دھندلکے پھیل رہے تھے اور کچھ باتیں ہو ہی رہی تھیں اور ابھی سلمان بیگم سرو قد کی بات کرنے بھی نہ پایا تھا کہ خسرو کی نظریں میجر آفتاب پر پڑیں، جو فوضیہ اور عذرا سے باتوں میں مصروف تھا اور خسرو کی نظروں سے جیسے لاشعوری طور پر متاثر ہو کر وہ بھی پلٹ گیا اور ———

پلٹنا غضب ہو گیا ———

خسرو کی آنکھوں میں شوخی ناچنے لگی اور آفتاب کا چہرہ کانوں کی لووں سمیت سُرخ ہو گیا۔ دونوں ایک دوسرے کو گھور رہے تھے بالآخر خسرو نے نفرت کی ایک کڑی نظر ڈالی۔ اور شہریار کی طرف پلٹ گیا جو زرینہ میں کھویا ہوا تھا ——— بڑی نرمی سے مسکرا کر بولا۔

"زرینہ بہن اب اجازت ہو گی؟" زرینہ نے اس کے چہرہ کی سرخی پر جی ہی جی میں خوش ہو کر کہ یہ شیریں کا اثر ہے، بولی۔

"اے ہے تو بھائی جان! آپ کو معلوم ہے نا انسان کو اپنا کیا ہوا ارادہ پورا کرنا چاہیئے، ارادہ بدلنا بہت بڑی بات ہے" خسرو مسکرا تو پڑا لیکن قدرے تکدر سے بولا

"بات یہ ہے ایک بے حد ضروری کام یاد آ گیا ورنہ ہم آپ کو گھر لے چلتے اور پھر چچا جان سے آپ لوگوں نے پوچھا بھی نہ ہو گا کہ ...."

"کہ ہمیں الہام ہوا ہے کاشانہ والے راستہ میں ملیں گے اور ہمیں اپنے ساتھ چلنے کی خواہش کریں گے تو ابا جان ہم چلے جائیں وہاں!" عذرا نے جملہ کس کر منہ بنایا اور ایکدم سبھوں نے قہقہہ لگایا۔ شیریں نے پلٹ کر دیکھا تو میجر آفتاب حسن خالدہ سے

اجازت لے کر جا چکا تھا اور اس کے ساتھ طارق بھی اور اس کے کچھ دیر بعد سب اپنی اپنی راہ چل دیئے۔

بیگم محفوظ سب کی اور بالخصوص زبینہ اور شیریں کی منتظر تھیں کہ جب یہ کاشانہ سے لوٹی تھیں اُن کے پاس نہ گئی تھیں، ایک عذرا اکثر جایا کرتی تاکہ طارق اور دوسرے فوجی افسروں کا پتہ لگتا رہے اس کو فوجی افسروں کی وردیوں اور اُن کی وجاہت سے عشق تھا! سلمان کے تعارف پر بیگم محفوظ نے اُس سے پرتپاک برتاؤ کیا، باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ آج شام کو محفوظ صاحب نے چند فوجی افسروں کو مدعو کیا ہے جس میں طارق کسی ایک نئے دوست میجر آفتاب حسن کو بھی لا رہے ہیں۔

"سچ ممانی جان ؟" چیخ کر عذرا ناچ اٹھی "ہائے اباشیریں آفتاب صاحب بھی آئیں گے ہائے کتنی اچھی ہوتی ہے فوجی آن بان ۔ —— کیوں سلمان بھائی جان ؟" اس نے سلمان کو مخاطب کیا۔

"میرا خیال ہے! خالدہ بولی "سلمان صاحب کو فوج میں ہونا چاہیئے تھا کیوں سلمان صاحب !"

"تو اور کیا پھر سلمان بھائی جان اتنے شاندار لگتے ! عذرا نے منہ بنا کر کہا "ہمارے بھائی جان کچھ کم شاندار ہیں !" کہ بیگم محفوظ نے آکر کہا "چلو چائے تیار ہے" چائے پر بڑی دلچسپی رہی، سلمان کو کھل کر قہقہے، بالخصوص شہریار جیسے قہقہے، لگانے کی عادت نہ تھی، اس کی طبیعت میں ایک ایسا رکاؤ تھا جیسے اس کو بچپن سے برا دبایا گیا اور دب جانا اس کی فطرت بن گیا، مگر پھر بھی رونق رہی!"

شام کو محفوظ صاحب مع چار چھ دوستوں کے جن میں طارق اور آفتاب بھی تھے آ پہنچے، اُن کا پہنچنا تھا کہ جیسے زعفران کا کھیت کھل گیا، وہ وہ سقف شگاف نہیں، فلک شگاف قہقہے لگے اور وہ دِل گداز نہیں، دیوار گداز جملے چُست ہوئے کہ پناہ بخدا! ایک طوفان تھا کہ اُمڈ رہا تھا —— ایک حشر تھا کہ بپا تھا!

مگر کس قدر دلچسپ اور دلکش ہوتا ہے، خلوص کی محفلوں کا انداز؟ جیسے انسان نے جینا سیکھ لیا ہو۔ رجائیت اور امیدوں کے گلستان مہکنے لگتے ہیں

چاء کا ایک اور دَور چلا اور قہقہہ بار چاء کے بعد سب لوگ مختلف ٹولیوں میں بٹ کر مختلف کھیل کھیلنے لگے، پنگ پونگ سے لے کر کارڈز اور کاؤنڈز سے لے کر شطرنج سبھی چلنے لگے، سوائے شیریں اور میجر آفتاب حسن کے، یہ دونوں ایک کنارے پر دریچہ والی سیٹی (S CFFCE) پر بیٹھے مصروف گفت گو تھے۔

جب سے میجر آفتاب اور خسرو کے رنگ شیریں نے دیکھے تھے، سخت حیران تھی اور اُس کے پیٹ میں چوہے کلبلا رہے تھے کہ کیسے معلوم ہو ماجرہ کیا ہے؟ مریم نگر اور بسنت نگر، وغیرہ کا ذکر کرتے کرتے ذکر آگیا، خسرو اور شہر یار کا پہلے تو آفتاب نام پر کچھ خاموش ہوگیا جیسے سکتے میں آگیا ہو —— پھر بولا۔

"آپ کب سے واقف ہیں، ان لوگوں سے؟" شیریں کی مراد بر آئی

"تقریباً ایک مہینہ ہوتا ہے۔ سنا ہے" وہ بولی "روپ نگر میں ان کی بہت بڑی جائداد ہے"

"جی ہی ہاں! تلخی کے ساتھ مسکرا کر شانے جھٹکے اور آفتاب نے جواب دیا "بہت بڑی —— بہت ہی بڑی یعنی کروڑوں کی آمدنی ہے سالانہ مجھ سے زیادہ

اچھی معلومات رکھنے والا آپ کو کوئی اور نہ ملے گا ——— میں تو بچپن سے اُن لوگوں سے واقف ہوں "! شیریں کچھ کہہ نہ سکی حیران آنکھیں بول پڑیں اچھا آ "؟

"آپ حیران ہوں گی مس ریاض، کہ اس کے باوجود ہمارا آپس میں کیسا عجیب برتاؤ رہا "!

"میں تو کیا کوئی اور بھی ہوتا تو یقیناً حیران ہوتا " اس نے پوچھا "کیا نہیں "؟

"ضرور ضرور ——— مگر کیا آپ کا کافی ملنا جلنا ہوا ہے "؟

"جی ہی ی "! اس نے سر ہلایا "میں کا شانہ چار دن رہی تھی! لیکن ——— بس کیا بتاؤں۔ وہ بوریت یہ پھیلاتے رہے مسٹر کرمیاہ بخدا "! آفتاب ہونٹ بھینچ کر مسکرایا "

گو مجھے ایسا کہنے کا حق تو نہیں لیکن میں آپ کو جتائے دیتا ہوں کہ مس ریاض خدا کے لئے ان کا ذکر کیں اور نہ کیجئے گا ——— اس لئے کہ مرحوم نواب نوشیروان جاہ سے میرے تعلقات اتنے گہرے اور قلبی تھے کہ میں اُن کے خاندان کے کسی فرد کے متعلق، خواہ وہ کتنا ہی کمینہ، رذیل اور نالائق کیوں نہ ہو "! ایک لفظ نہیں سن سکتا! شیریں نے منھ بنا کر کہا۔

"لیکن یہ میری اکیلی کی رائے تو نہیں، سارا لبسنت نگر جانتا ہے کہ وہ بدتمیزی کی حدوں تک بداخلاق اور اکھڑ ہیں "! سگریٹ کی راکھ جھاڑ کر آفتاب بولا

"ٹھیک ہے لیکن یہ میں آپ کو بتا دوں کہ اگرچہ خسرو نواب نے مجھے وہ وہ دکھ اور ایسے ایسے چرکے دیئے ہیں کہ میں عمر بھر بھول نہ سکوں گی، مگر مجھے صرف خیال نواب مرحوم کا آتا ہے ——— چنانچہ اب آپ سے کیا چھپاؤں میں

نے تو محض اسی غم غلط کرنے کی خاطر فوج میں نوکری کر لی ہے ورنہ مجھے اس کی ضرورت ہی نہیں تھی! مَیں خواہ کوئی بات ہو کیسی بات ہو کہیں ہو اُسے معاف کر سکتا ہوں ——!"
شیریں تنک اُٹھی۔

"مگر آخر کیوں؟ یہ تو کمزوری اور معاف کریں آفتاب صاحب کمزوری اور بزدلی ہے!"

"ہو جانے دو بھائی بزدلی سہی، کمزوری سہی لیکن میں اپنے دل کو کیا کروں؟ لاکھوں کی جائداد سے جس پہ میرا حق تھا، جس کے لیے نہ جانے میری کتنی چھوٹی عمر سے نواب مرحوم نے وصیت کر دی تھی اس نے چھین لیا اور مَیں نے کچھ نہ کہا، اُف نہ کی تو آپ اندازہ لگا سکتی ہیں مَیں اُسے کچھ کہہ سکتا ہوں" شیریں کے ابرو پر بل پڑ گئے۔

"مگر آخر حد بھی ہوتی ہے نیک مزاجی کی؛ مَیں کہتی ہوں۔ پھر مَیں کہوں گی آپ مجھے معاف کریں —— بے وقوفی ہے نری بے وقوفی! یہ دنیا ہے آفتاب صاحب دنیا! یہاں لڑے بغیر کوئی حق پا نہیں سکتا، دیکھیے مَیں لڑکی ہوں لیکن مجھے کوئی بے وقوف نہیں بنا سکتا۔ اب آپ یقین کیجیے ہماری سوسائٹی کو بس، ایسی ہستیوں کی ضرورت ہے جس میں جرأت ہو، اخلاقی، ذہنی اور جسمانی ہر طرح کی جرأت!"

"میں آپ کے اس خیال کی بڑی قدر کرتا ہوں مس ریاض"! آفتاب نے خوش ہو کر اُسے بڑی تحسینی نظروں سے دیکھا، خوبصورت چہرہ اظہارِ مسرت پر اور چمکنے لگا تھا ذہانت اُس کے ماتھے سے پھوٹ پھوٹ کر برس رہی تھی! "لیکن جب انسان گر جائے۔ تو پھر بھلا دوسرا اُن گرا دلڑں کو گلے سے کیسے لگا لے؟ حد یہ ہے ——

ہیں! بس ایک ہی بات آپ سے کہوں گا —— اُنھوں نے تو حد کردی میلہ وصیبت نامہ نہ جانے کس طرح چروایا اور بات اپنی دانست میں ختم کردی"! شیریں سرخ ہوگئی۔

"اللہ توبہ! اتنی بری حرکت؟ ہائے میں آپ سے سچ کہتی ہوں میری اُن کے متعلق اچھی رائے کبھی نہیں لیکن میں آپ کو یقین دلاؤں میں انھیں ان حدوں کو پہنچا ہوا نہیں سمجھتی تھی"! "اُف توبہ ہے —— ہیں کو اکب کیا نظر آتے ہیں کیا؟ زور سے ہاتھ پہ ہاتھ مار کر آفتاب نے مصرعہ ملایا

"جی ہاں! دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا"! اتنی زور سے مصرعہ پڑھا کہ سب چونک چونک کر اسے دیکھنے لگے "ان کی فتنہ گریوں کی انتہا نہیں"!

"میرا خیال ہے آپ قانون کی گرفت میں لے لیں سارا معاملہ"! شیریں نے رائے دی

"تہمیں میں ریاض نہیں"! آفتاب نے احتجاج کیا "میں ایسا نہیں کرسکتا کم ازکم جب تک مجھے نواب مرحوم یاد ہیں —— ہائے! آپ نہیں جانتیں وہ کیا تھے؟ —— حیث وبعض میں "وہ پ محل" آج تک خالی پڑا ہے"! اور میں قبضہ نہیں لے رہا ہوں"!

"اُف توبہ"! کانپ کر شیریں نے کانوں کو ہاتھ لگایا "حد ہے ——"!

لیکن! وہ کچھ سوچ کر بولی "پھر یہ مرزا شہریار والے ان سے کیسے میل کھا گئے"؟

"اوہو! آفتاب نے خوبصورت بھویں تان کر کہا "اس کی نہ کہیئے یہی تو وہ راز ہے کہ اگر آپ ملیں گی اور لغو ہر حرکت کو بھی دیکھیں گی تو میرے پہ منہ لعنت بھیجیں گی کہ میں جھوٹا نظر آؤں گا —— یہ شخص —— خدا مجھے معاف کرے اور

بالخصوص پیارے نواب مرحوم کی روح ——— اوّل درجہ کا ایکٹر ہے ایکٹر ——— آپ سے کیا عرض کروں اس کی فخر و مباہات کی عادت اور غرور و نخوت کی فطرت ہونے کے باوجود اس کو یہ کمال حاصل ہے کہ ماحول میں پانی کی طرح ڈھل جاتا ہے اور پھر روپیہ پیسے والے ——— دولت تو اس کی کمزوری ہے ! چنانچہ میرا حشر آپ دیکھ رہی ہیں ؟ بھلا فوج میں نوکر ہونے کی ضرورت تھی ؟" اور قبل اس کے کہ شیریں جواب دے جلدی سے بولا "میرا خیال ہے یہ شہر یار والے ہوں گے دولت مند ؟"

تو کیا آپ ان سے واقف نہیں ؟ شہریں بولی "وہ بڑے دولت مند ہیں اور ساتھ ہی بے حد شریف بھی ——— ! ہمیں تو بڑی خوشی ہے کہ ایک اچھا پڑوس آباد ہو گیا !"

"ہاں ں !" قدرے بے دلی سے آفتاب بولا "مگر تا بہ کے ؟ یہ حضرت خسرو رنگ ضرور لائیں گے۔ دیکھیے گا !" شیریں نہ جانے کیا سوچ رہی تھی ——— "مگر ——— یکایک سوچوں سے باہر آ کر بولی "سنا یہی ہے کہ اپنی بہن سے بے انتہا محبت ہے ——— آپ مس نوشیروان کو تو جانتے ہوں گے !" غم کی ایک ہلکی سی سیاہی آفتاب کے چہرے پر پھیل گئی، ٹھنڈی سانس لے کر بولا ———

"بھلا میں اور مس نوشیروان کو نہ جانوں گا ؟ یعنی رخشی کو ؟" لہجہ میں بڑی سنجیدگی تھی "سچ کہتا ہوں مس ریاض نہ جانے کتنے کتنے طویل گھنٹے میں نے اس لڑکی کی خوشی کی خاطر گنوا ڈالے ——— لیکن بے مروتی میں یہ اپنے بھائی سے

بھی دو چار جُوتے آگئے ہے"! شیریں نے اِس درد کو محسوس کرتے ہوئے کہا —
"مجھے افسوس ہے - بلکہ بڑا ہی افسوس ہے آفتاب صاحب عجیب البنانوں سے پالا پڑا ہے" رک کر بولی" کاش آپکی کوئی خدمت کر سکتی"! آفتاب اور غمگین ہو گیا
"شکریہ آپ کا مس ریاض آپ کتنی اچھی ہیں، لیکن میں آپ کو یقین دلاؤں میرا دل گواہی دیتا ہے یہ ایک نہ ایک دن ضرور اپنے کیفر کردار کو پہنچے گا، یاد رکھیے غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے - یہ اطوار رنگ لا کر رہیں گے ! بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی ؟ سو دن سُنار کے تو ایک دن لوہار کا بھی ہوگا"! ایک زور دار قہقہے سے یہ لوگ چونک پڑے، فوضیہ کہہ رہی تھی .
"خوب بھائی جان کیا کہنے آپکے ایک محاورہ اور ہاتھ آیا ——— سو سنار کی ایک لوہار کی سنا کرتے تھے اب اس بے چارے کو بھی یہ دن لگے ہیں —؟ محفوظ صاحب بھی آگئے تھے اور فوضیہ نے خوب رنگ جمایا اور تین محاورے اپنے دل سے جوڑ کر سنا دیے کہ یہ بھی آفتاب نے کہے ہیں مثلاً کہنے لگی .
"لیجئے اور سنیئے ——— فرماتے ہیں ناچ نہ جانے رادھا، ٹیڑھا ہو گیا گگرا . ——— اور یہ کہ یک نہ شُد دس پندرہ بیس شُد ! ——— اور یہ کہ راجہ تیلی کے گھونسلے میں ماس کہاں !" اور وہ وہ بن بن کر باتیں بنائیں کہ لُطف آگیا . مگر آفتاب کی زندہ دلی کو مطلق اثر نہ لیا بلکہ فوضیہ پر ایک بھائی کی سی گرم جوشی سے محبت پاش نظریں بکھیرتا رہا .
اِس ہنسی خوشی کی محفل میں ڈنر پر ایسا لطف آیا کہ محفوظ صاحب مثلاً اُس کا دیر تک ذکر کرتے رہے، نہ جانے کتنوں کے اچھو لگ لگ گیا ؟

یہانتک کہ حد ہو گئی سلیمان جیسے کم گو ان کے آنسو نکل نکل آئے اور اچنبھو لگ گیا!

اور جب شیریں لوٹی تو راستہ بھر اُسے خبر نہ ملی گاڑی میں کیا ہُوا، اس کی آنکھوں میں آفتاب اپنی ضوپاشیوں سے جلوے بکھیرتا رہا اور انھیں چکا چوند کرتا رہا ——— بار بار اس کی وجاہت، سادگی، نیک دلی، نیک نیتی، شرافت اس کے سامنے آکھڑی ہوتی اور وہ اسے اور زیادہ پسندیدہ نظروں سے دیکھنے لگتی ——— لیکن ساتھ ہی اس کے پس منظر میں خسرو کا ہیولیٰ چھایا رہتا۔ پھیلا رہتا ———

اپنی اس خباثت نفس اور بد دیانتی کے باوجود اپنے اس فخر و غرور اور نخوت و تکبر کے باوجود وہ ایک اپنی شخصیت لیے رہا ——— ایک شخصیت ایک ذات ——— جو اُس کی اپنی تھی ——— !"

گیارھواں پردہ

سیاہ پوش نہیں وہ سیاہ قلب بھی ہے

دوسرا دن عجیب شادمانی کا دن تھا !

شیریں نے زرینہ سے کل والی ساری باتیں آفتاب اور خسرو کی سنائیں ، زرینہ پہلے تو چپکی بیٹھی سنتی رہی اور پھر بولی

"لیکن سنو ! مجھے بڑا شک ہے ——— مگر کیا کروں بات آفتاب جیسے شریف انسان کی ہے ——— لہٰذا میں کوئی قطعی رائے نہیں دے سکتی، میرا تو خیال ہے دونوں دھوکے میں ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ایسے انسان ایک دوسرے کو ہمیشہ غلط پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اب ہمارے لیئے قطعی مشکل ہے کہ ہم کسی فیصلہ پر پہنچ سکیں"

"مگر آپا" شیریں مسکرائی مگر سنجیدہ تھی یا تو آپ دونوں کی پوزیشن صاف کیجیئے ورنہ میں ایک کو سچا سمجھوں گی !"

ارے پگلی !" زرینہ ہنس پڑی "لو بھلا میں کیسے کہہ سکتی ہوں یا تم خود بھی کیسے کہہ سکتی ہو ! سنو ! سوچو تو کوئی بیٹا خواہ کتنا ہی نالائق کیوں نہ ہو کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کو جس کو اس کا باپ اس قدر چاہتا تھا اس کی اتنی بے عزتی کرنے پر اتر آئے ؟ نہیں بھئی ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ! ہو سکتا ہے ؟"

"بھئی اگر تمہارے مزدوٹے کی بات ہو تو آسانی سے یقین کر لوں کہ وہ تھالی کا بیگن ہیں مگر آفتاب صاحب ——— نہیں آپا وہ ہرگز جھوٹ نہیں بول سکتے اُن کی آنکھوں میں بلا کی صداقت تھی!"

"نہیں شنو نہیں!" زرینہ نے احتجاج کیا "بھئی ہم قطعی رائے قطعاً نہیں دے سکتے" پہلو بدل کر بولی "اور رہ گیا یہ کہ شہریار فقط خسرو کی ایکٹنگ کی داد دیتے ہیں تو یہ یوں غلط ہے کہ ہم نے دیکھا ہے اُن کے تعلقات بڑے گہرے ہیں ——— پرخلوص!"

کہ جھمکے دوڑا ہوا آیا

"بی بی جی بی بی جی! ——— وہ ——— وہ آگئے ——— وہ بڑے صاب لوگ!"

"افوہ ایسا جی جلتا ہے کہ اِس کے پپاٹیہ پن پر کہ کیا بتاؤں!" شیریں نے جل کر کہا "سچ بتا کون آیا ہے" اور اس کے ہولے سے کان پکڑ لیے

"جی بی بی جی وہ ——— وہ صاب لوگ ——— بڑا مرجا صاب لوگ!"

"کون کاشانے والے؟" زرینہ صوفے پر سے اٹھ کھڑی ہوئی "میں دیکھوں؟" اور جھانک کر زینہ پر سے دیکھا، نیچے ڈرائنگ روم میں اونچے اونچے قہقہے کھنک رہے تھے، "ہاں ہیں تو"، یہ کہہ کر دوپٹہ سنبھالا اور سُرخ سرخ ہوتی نیچے اتر گئی ——

السّلام علیکم! کا بھرپور نعرہ لگا کر شہریار نے زرینہ سے ہاتھ ملایا اور اُس نے وعلیکم السلام کہتی ہوئی ہاتھ چھڑا کر ریحانہ اور رومانہ کے ہاتھ پکڑ لیے۔

"کتنی خوشی ہوتی ہے باجی جان جب آتی ہیں آپ!" اُس نے ریحانہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں

"اور ہمارے آنے سے نہیں ہوتی؟" رومانہ نے ناز سے اپنے بالوں کو جھٹکا دیا

"ارے ارے میری بہن ناراض ہو گئی، وہ رومانہ کے لپٹ پڑی' دراصل چھوٹے بچوں کے سامنے زیادہ اظہار محبت نہیں کیا جاتا کہ وہ ذرا .... آنکھیں گھما کر اس کی آنکھوں میں ڈال دیں ذرا ...... میرا مطلب ہے — اب تم یقیناً سمجھ گئی ہوں گی!!"

"اچھا اب رومانہ یہ بھی بتا دو کہ ہماری شان نزول کیا ہے؟" شہریار آخر قریب کھسک آیا۔

"مگر میں یقین دلاتی ہوں آپ کا حفظ آسان نہیں" زرینہ نے مڑ کر نظریں ملائیں۔ بھرپور وار کیا بھرپور!

"اوہو ہو!" وہ تڑپ اٹھا "خوب خوب کیا کہنے —— ہاں تو محترمہ عرض یہ ہے وہ —— وہ جو ہماری "اسکیم" تھی —— اس کی خالی خالی حیران آنکھیں دیکھ کر۔

ارے بھئی وہی جب آپ لوگ تھیں کاشانہ میں تب ہی ہوئی تھی اسکیم کہ ایک شاندار فینسی ڈریس شو ہوگا —— اور —— اور اس میں کچھ ناچ نوچ بھی لیں گے لوگ!" اور قہقہہ لگایا .....

"اچھا تو اس کی گھڑی آ گئی ——؟" زرینہ نے پوچھا

"ہونھ ہونھ"! شہریار نے کہا زرینہ سے اور دیکھا بیگم ریاض کو جو چائے کا سامان

نکلوا کر ہانپتی کانپتی آرہی تھیں " چچی جان آپ بھی کمال کرتی ہیں، تکلفات رہنے دیجیے!"
مگر بیگم ریاض نہ مانیں ——— اور مانیں کیسے جبکہ انھوں نے پستہ کی بوریاں اور انڈوں کی پیوسی کے ساتھ تھوڑے سے نمک پارے انھوں نے بنائے رکھے تھے۔ آجکل یہی خوف کے مارے کہ کہیں یہ لوگ آ نہ جائیں دو چار پکوان پر دوسرے تیسرے ایسے ہی کیا کرتے تھے۔

" اے بھلا اس میں تکلف کی کون بات ہے؛ بات یہ ہے میں پستہ کی بوریاں اور انڈوں کی پیوسی بیٹی ریحانہ کے لیے بھیج رہی تھی کہ ان کا جی آج کل میٹھے نمکین کو چاہتا ہوگا۔ ——— بڑی خوشی ہوئی کہ تم سب آہی گئے!"

غرض خوب میٹھا اور بوریاں اڑیں اور انھوں نے انھیں دعوت دے دی کہ اتوار کی شام نہ بھولیں ——— یعنی آج ہوا بدھ تو جمعرات، جمعہ، سنیچر اتوار کی شام؟

ایک بات خاص طور پر شیریں نے محسوس کی کہ خسرو نہیں آیا تھا دوسرے ریحانہ اور رومانہ نے خاص طور پر بیگم ریاض کی ہر بات سے بچنے کی کوشش کی وہ کچھ کھنچی جارہی تھیں اور وہ لوگ برابر نظر انداز کیے جارہی تھیں۔ شیریں سے بھی یوں ہی غاں غوں ہوئی ورنہ ان کی توجہ کا مرکز صرف زرینہ تھی اور دوسروں کی طرف تو انھوں نے آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔

زرینہ کو اتنا ہوش کہاں تھا کہ کچھ کہتی سنتیں ——— صرف ایک شیریں تھی کہ اس کے دل میں نہ جانے کمیونزم کی کتنی باتیں آئیں اور گئیں ——— کتنی باتیں سرمایہ داری کے خلاف اس کے دل پر لہو کی دھار بن گئیں!

البتہ جب باتوں باتوں میں اس نے سنا کہ فوجی آفیسر بھی آرہے ہیں تو معاً

اسے میجر آفتاب یاد آیا اور وہ اُس کا نام سننے کے لیے بے تاب ہو گئی۔

نہ جانے کیا بات ہوئی کہ ادھر وہ لوگ گئے اور خیال ہے کہ "کاشانہ" پہنچے بھی نہ ہوں گے کہ بارش ہونے لگی جھم جھم ——— اور لے لو دیکھتے دیکھتے ہیں زور سے برسا پانی کہ مانو چھاجوں برس گیا اور برستا چلا گیا ———

نہ کوئی گھر سے نکل سکتا تھا، نہ کہیں آ جا سکتا تھا نہ ممانی بیگم محفوظ کی خبر ملی نہ فوجی افیسرز آئے نہ کاشانہ کی کوئی خبر ملی ——— باہر کمپونڈ میں چھپا کے پھول کھل کھل کر مرجھاتے رہے! خالدہ اور عذرا کھڑکیوں میں بیٹھی بور ہوتی رہیں!

بھاری پاجامہ اٹھائے "شیریں" کاشانہ" کی شاندار ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی اس کی نظریں اس وسیع و عریض ہال میں کسی کی متلاشی تھیں! اس کو یقین ہی نہیں یقین کامل تھا اور یکایک وہ ڈرنے لگی کہ کہیں اس کا یہ کانچ کا فانوس ٹوٹ تو نہیں جائے گا، کتنے کتنے جتن کئے تھے، غالب کا شعر کتنی بار زرینہ نے اسے چھیڑنے کو پڑھا تا کہ وہ ذرا بگڑ جائے ع

"لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عقاب میں"

لیکن جیسے دل پر منوں برف آ گری ——— کیا کسی نے آج تک مری اور شملہ پر برف کا گرنا دیکھا ہو گا؟

تو میجر آفتاب حسن اس لیئے نہیں آئے کہ انھیں کسی خاص شخص کی موجودگی ناپسند تھی! طارق نے یہ بتایا تو مسکرا یا بھی! اور شیریں سمجھ گئی! اس کے دل میں خوشی کی ترنگ جیسے سرد شعلہ کی طرح بجھ گئی!

زرینہ گجراتن بنی تھی۔ اور شیریں لکھنؤ کی بیگم، زرینہ ٹھیٹ مہاراشٹر کی گجراتن

لگ رہی تھی، گوری گوری صندلیں بانہوں میں لمبی لمبی آستینوں والی زریں کھن (اچولی کا خاص کھنی کپڑا) کی کسی ہوئی چولی، باریک زری کی باٹلی، وضع کی ساری جس کا لنگوٹ، کس کر میزی (ساری کی چنٹ) اس طرح نکالی گئی تھی کہ ایک پاؤں پنڈلی تک چلنے میں عریاں ہو ہو جاتا۔ اس پر سارے ٹھیٹ گجراتی وضع کے زیور ایک سماں بندھ گیا ہر ایک نظر اٹھتی اور اس پر جم جاتی —

شہریار کی نظر پڑی تو پہلے تو حیران دیکھتا رہا۔ زرینہ جان بوجھ کر انجان بنی کنکھیوں سے تاک تاک کر مسرور ہو رہی تھی اور زاہدہ کی ہاں میں ہاں ملائے جا رہی تھی آخر شہریار سے نہ رہا گیا۔

" میں نے کہا نمستے !" اس نے جھک کر ہاتھ جوڑ دیئے —

" رام رام بابو جی !" زرینہ نے جواب تو دیا مگر بڑی جھینپ سی گئی کہ آج لباس تن کی عریانی پر نہ سہی تن کی نمائش پر ضرور مچلا ہوا تھا !—

زرینہ کو جیسے یقین تھا کہ شہریار کی دالہیت اُسے اس روپ میں دیکھ کر ناچ اُٹھے گی اور اس کی یہ خود اعتمادی صادق صد سچی تھی !

شیریں کے چہرے پہ تکدر کے بادل اٹھنے لگے جنہیں کہ زاہدہ نے بری طرح محسوس کیا۔

" شنو جان ! یہ کیا بد مذاقی ہے ؟" اس نے گال پر شیریں کے ہلکی سی چٹکی لی بھلا یوں منھ بنا ہے —

" ایں ؟" شیریں دور سرخ سرخ وردیوں میں کسی کو ڈھونڈ رہی تھی، ناکام نظریں تھک ہار کر لوٹ رہی تھیں کہ چونکا دی گئیں " کیا کہا ؟" اور خالی خالی آنکھیں زاہدہ کے

کوسے پر گاڑ دیں ——— زاہدہ بنی تھی جاپانی گڑیا ! ایک جگہ کھڑی تھی آنکھیں یوں بند کرتی اور کھولتی تھی جیسے سچ مچ کی گڑیا۔ ایک ہنگامہ کے بعد اسے اب تنہائی ملی تھی !"

"میں نے کہا۔ کہاں کہاں کی سیر کر ڈالی نواب ہاؤس بیگم !" زاہدہ نے جملہ چپت کیا "بھئی زاہدہ زبان میں لگام دو !" شیریں نے شرما کر کہا "تمھیں بھی بڑی سوجھتی ہے !"

"آج تو وہ غضب ڈھایا ہے، تم نے کہ خسرو بھی کو کہنی بھول جائیں ایکبار؟" زاہدہ نے آنکھ ماری یعنی بڑے اسٹائیل سے "ڈنک" کیا ! کیوں جھوٹ کہتی ہوں ؟" اور بڑے عجیب انداز سے آنکھیں گھمائیں۔

"ہوں ں ! کیا کہئے اس سچی کے" شیریں کی بات کاٹ کر زاہدہ بولی

"ارے ارے دیکھنا وہ آرہے ہیں جناب خسرو شیریں نواز ———

معلوم ہوتا ہے رقص کی نیت ہے ———" شیریں نے زاہدہ کے ٹھوکا دیا

"ہوں ں۔ بڑی نجومی ہو نا ؟" ——— وہی عظیم بیگ والی بات کہ جوتے دیکھ کر پتہ لگا لیتی ہو۔ ؟

"ہائے اللہ خدا نہ کرے کہ میں اور یہ بات پسند کروں ؟ یہ دنیا کی سب سے بڑی بدقسمتی ہوگی، جبکہ ایک ایسے انسان سے جس سے نفرت کرنے کا کوئی تہیہ کئے ہوئے ہے ! اللہ رسول کا واسطہ تم میرے متعلق تو یہ خواہش نہ کرو ! اور قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتی خسرو نے پہنچ کر بڑی بے تکلفی سے ——— ایک ایسی بے تکلفی جس پر وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی، بلکہ حیرت سے گویا اس کا منہ کھلا کا کھلا

رہ گیا ——— اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بڑی ہی نرمی اور پیار سے بولا "مس ریاض آج آپ کو داد نہ دینا، بقول آپ کے بہت بڑی بدذوقی ہی نہیں بلکہ کورذوقی ہے!" اور بڑی جان لیوا اسکراہٹ پھینک دی "آج میں آپ سے بصد شوق و نیاز درخواست کروں گا کہ آپ میرے ساتھ رقص کریں!" شیریں نے آنکھیں جھکا کر اوپر کو اٹھائیں ——

"آپ کا بے حد شکریہ خسرو صاحب میں ——— میں معافی چاہتی ہوں ——— میں بے حد تھک چکی ہوں ——— میں دیکھیے نا ...." خسرو نے اس کا ہاتھ دبا کر کہا

"اوں ہوں! یہ نہیں ہوگا ——— بس اب آپ ———"

شیریں نے اس کی بات کاٹی اور ہولے سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی

"جی نہیں یں یں ——— ہائے دیکھیے نا میں کس قدر تھک گئی ہوں!"

"اوں ہوں!" سر کو جنبش دے کر خسرو نے اور زور سے ہاتھ دبایا "یہ نہیں ہوگا۔ بس میں نے جو کہہ دیا!" شیریں ایکدم سرخ ہو گئی کہ خسرو پر مردانہ عزم کا جلال دمک اٹھا"

"بڑے وہ ہیں آپ!" وہ اٹھلا کر بولی، مگر معاً سنبھل سی گئی "تو آپ معاف نہیں کریں گے!"

"اوں ہوں!" دوسرے ہاتھ سے سگریٹ کا آخری کش لے کر وہ بولا "نہیں آپ کو چلنا ہوگا!"

"اچھا تو پھر چلیے" شیریں جیسے ریشم کے ڈوریں بندھی تھی کہ کھنچ گئی لاکھ

لاکھ زاہدہ نے دامن گھسیٹا، آنکھیں دکھائیں اور گھورا مگر وہ کسی ساحر کے معمول کی طرح چلی گئی۔

نغمہ چھڑ چکا تھا اور کاشانہ کے وسیع و عریض حسین و خوبصورت ڈرائنگ روم میں حسن و رنگ و نور کے جلوے جنت نگاہ اور دلکش و دلفریب نغمے فردوس گوش بنے ہوئے تھے!

یہ اونچے طبقہ کے لوگ!

یہ جنت بہ آغوش اور دولت بکف انسان!!

یہ زندہ جیتا جاگتا عجائب گھر!!!

فوضیہ عجیب ناقدانہ نظروں سے اپنی عینک کے موٹے موٹے شیشوں کے پیچھے سے آرام سے ایک صوفے پہ بیٹھی سوچ رہی تھی۔ اُس نے مشہور انگریزی شاعر کیٹس کا بہروپ بھرا تھا اور بڑی داد وصول کر چکی تھی۔ عذرا اور خالدہ نے فوجی آفیسروں کے لباس پہنے تھے اور طارق سلمان اور ان کے دوستوں سے مصروفِ دعوت تھیں۔

خسرو کچھ دیر شیریں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے خاموش کھڑا رہا، وہ بھی چپ رہی ایک دور رقص کا ہو چکا اور خسرو شیریں کی اس بوالعجبی پر حیران تھا کہ اس نے سارے رقص کے دوران میں ایک لفظ نہ کہا صرف اُس کے رخساروں پر خون کی سرخیوں کے مدوجزر اٹھتے بڑھتے بڑھتے گھٹتے رہے!

دوسرا دور شروع ہوا اور ساتھ ہی خاموشی کا دور بھی! لیکن شیریں طے کر چکی تھی کہ وہ ضرور بولے گی۔

"آج معلوم ہوا کہ رقص کی خانگی پارٹیاں بھی اتنی دلکش ہوتی ہیں؟" اُس پہ

بجائے کسی سوال کے خسرو نے صرف کہا "ہوں!" ——— کچھ دیر پھر خاموشی رہی۔ شیریں پھر بولی

"دیکھیے! اصولاً جواب آپ کو دینا تھا لیکن آپ خاموش ہیں، کہیں رقص کے دوران میں گفتگو کا کوئی اصول تو نہیں آپ کا!"

"ہوں ٹھیک ہے" وہ ذرا رک رک کر بولا "تو مجھے جواب دینا ہی پڑے گا ——— میرا مطلب ہے ——— رقص کے لیے خانگی پارٹیاں — زیادہ اچھی رہتی ہیں! ——— اچھا اب ہم کچھ نہ بولیں گے؟"

"مگر کیوں"؟ شیریں کو ہلکے ہلکے بُرا لگنا شروع ہوا "کیا واقعی آپ کسی خاص اصول کے ماتحت بولتے ہیں"

"کبھی کبھی میرا خیال ہے انسان کو کم بھی بولنا چاہیئے تاکہ گفتگو کی زحمت نہ اٹھانی پڑے!" وہ دھیرے سے مسکرایا "بالخصوص رقص کے دوران میں!"

"اس طرح آپ اپنے جذبات کی ترجمانی کر رہے ہیں کہ میری تسکین؟"

"دونوں!" اس نے ترچھی نگاہوں سے بڑی کٹنی نظریں ڈالیں "کیوں کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری اور میری طبیعتیں، رجحانات اور عادات کچھ یکساں ہیں تم بھی اُتنی ہی "نامعاشری" میرا مطلب ہے اَن سوشل ہو جتنا میں ——— !"

"مگر میرا خیال ہے ——— آپ کچھ غلطی پر ہیں!" شیریں نے رک کر نظریں اس کے کوٹ میں لگے ہوئے پھول پر جمادیں "میں اور آپ تو میرا خیال ہے ضد ہیں ایک دوسرے کی ——— میری صاف گوئی معاف!" اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

رقص کے ختم تک خاموشی رہی بلکہ اس کے کچھ اور دیر بعد بھی ———

دونوں خاموش کھڑے تماشائیوں کو دیکھتے رہے یا تماشا بنے رہے! کہ اچانک اُس نے مریم نگہ کے متعلق سوال کیا کہ آیا وہ لوگ برابر جاتی رہی ہیں؟

"نہیں تو" ! شیریں نے مسکرا کر کسی خاص خیال کے تحت کہا "وہ اُس روز جب روز آپ بازار میں ملے تھے اُس کے بعد نہیں گئے"؟ اُس کا خیال صحیح تھا اس روز کے اشارہ سے خسرو کے چہرہ پر ایک رنگ آگیا شیریں نے اور جملہ چست کیا "اس روز میجر آفتاب حسن سے طارق صاحب نے ملایا تھا ہمارے پاس سے تو خاصے تعلقات ہو گئے ہیں ان سے بڑے اچھے آدمی ہیں" لہجے میں اُس نے عمداً اشتیاق پیدا کیا "افسوس اسد کلب کے آپ دونوں کے تعلقات خراب ہیں!"

"ہونہہ!" اُس نے سگریٹ آگے بڑھ کر راکھدان میں بجھاتے ہوئے کہا "آپ لوگ دوستی کرنے میں حاتم ہیں!"

"اور رقص کرنے میں آپ کی مہارت ماننی پڑتی ہے میرا جی تو چاہتا تھا کہ کہدوں آپ بھی رقص میں حاتم ہیں۔ مگر ایک تو آپ اگرچہ خاموش رہنے کے عادی ہیں مگر صاحبِ زبان ہیں ——— بہرحال ماننا یہ پڑتا ہے کہ آپ کے طبقہ میں رقص کا معیار بہت بلند ہے!" خسرو جواب نہ دے پایا تھا کہ خان بہادر نیاز احمد اپنے مخصوص انداز میں ہی ہی ہی کرتے آگئے ———

"اوہو ہو! میں کہتا ہوں ارے میری بچیو یوں غضب نہ ڈھایا کرو" خسرو کو مخاطب کر کے "اب دیکھنا میاں ان شریروں کو ایک سے بڑھ کر ایک ہے" جھوم کر مزہ لے کر "بخدا میاں ایک سے بڑھ کر ایک ——— وہ ——— وہ زرینہ کو دیکھا؛ دیکھا اس عذرا؛ اُفوہ! بھئی بھائی جان ریاض احمد بڑے خوش نصیب ہیں ——— میں کہتا ہوں۔ میاں ایسی بیٹیاں پاکر کون ظالم بیٹے کی آرزو کر سکتا ہے ———

بھئی سبحان اللہ۔ سبحان اللہ!" سبحان اللہ کہتے ہیں ماشاء اللہ بڑی قرارت تھی! دونوں مسکرا رہے تھے۔ خسرو سگریٹ جلا رہا تھا کہ انھوں نے اُن کے کچھ کہنے کے قبل ہی کہا:" اچھا اچھا بھئی بچو! خدا تم لوگوں کو ہمیشہ ایسی خوشیاں نصیب کرے۔ ——— اور ہاں ——— ہاں وہ شیریں بیٹا تم نے زاہدی کو کہیں دیکھا ہے ——— اللہ وہ وہ ——!" انھوں نے سر اٹھا کر ڈھونڈ ہی لیا۔ ہاں ہاں تم فکر نہ کرو فکر نہ کرو وہ وہ رہی' اچھا خدا حافظ" ——— خدا حافظ ——— کہتے وہ چلے گئے، دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے مگر کہا کچھ نہیں۔

اس کے بعد دو دَور رقص کے اور ہوئے اور پہلے سے بڑے زوردار اور خاموشی بھی کافی زوردار رہی' صرف ایکبار جب شیریں نے گلہ ہی کیا تو خسرو نے کتابوں کی باتیں کرنی چاہیں جس کو اس نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ وہ محفلِ عیش میں "ذکرِ مسائلِ خشک" کو پسند کرنا تو کجا گوارا بھی نہیں کرسکتی البتہ ایک دفعہ شیریں نے پوچھا

"مجھے یاد ہے خسرو صاحب، آپنے ایک دفعہ کہا تھا کہ میں ایکبار جو رائے قائم کرلوں وہ پھر کبھی بدلا نہیں کرتی!"

"بالکل ٹھیک ——— پھر؟"

"مگر میرا خیال ہے آپ کا پہلی نظر میں جو فیصلہ ہوتا ہے وہ آخری نہیں ہوتا!"

"مگر یہ تفتیش کس لیے؟ آپ سی آئی ڈی آفیسر تو نہیں؟"

"ہوں"! شیریں نے آنکھیں چار کیں، خسرو کے گالوں پر سرخی رینگی" ذرا آپ کے کردار کا مطالعہ فرما رہی ہوں!"

"پھر کیا پایا؟"

"وہ پاپا کیسا ——— ؟ اتنی مختلف اور متضاد باتیں آپ کے متعلق سنتی ہوں کہ صحیح اندازہ مشکل ہے!!"

"وہ ٹھیک مجھے اس میں شک نہیں لیکن مس ریاض میں یہی کہوں گا کہ آپ فی الحال میری کوئی شکل معین نہ کیجئے، نقصان دونوں طرف رہے گا!"

"مگر میرا خیال ہے ———" وہ زیرلب مسکرائی "آپ پھر شاید کوئی موقع ہی نہ دیں —!"

"اور آپ کی خوشی میری خوشی ہے۔ میں کسی کی خوشیوں میں حارج ہونے کا عادی نہیں ہوں!" وہ خاموش ہوگیا۔ شیریں نے اُسے اس لیے گوارا کر رکھا تھا کہ اس کے اس اکھڑ پن میں جو اس کے باوجود ایک انتہائی مہذب انسان ہونے کے اس میں موجود تھا، کچھ خلوص بھی تھا! رقص کے دوران میں جب بھی اُن کے سینے ٹکرائے اس نے جذبات کی جھنکار سنی تھی!

سامنے سے رومانہ آرہی تھی ——— چہرہ پر خاصی برہمی جھلک رہی تھی، خسرو جُھک کر شیریں کے ڈوپٹہ کی کارچوبی گوٹ دیکھ رہا تھا۔

"میں نے مس شیریں، ریاض بھی بڑے ٹھاٹھ ہیں ——— بیل ہے بڑی خوبصورت" خسرو بیل ہاتھ میں لیے دیکھنے لگا "اور ہاں! سنا ہے میجر آفتاب حسن سے آپ کی خوب گھٹی ہے ——— مگر شاید آپ نہیں جانتیں، سن لیجئے مجھ سے اُن ذات شریف نے تو یہی کہا ہوگا کہ میں نواب نوشیرواں جاہ کی اولاد ہوں، یہ بات تو ذرا جداگانہ ہے اور یہ اُن کی ماں جانیں ——— خسرو نے چونک کر دیکھا "مگر میں آپ کو یہ بتا دوں یہ ریاست کے منتظم کا لڑکا ہے وہ تو چچا ابا خدا انھیں غریق رحمت کرے، مہربان تھے

جو اس موئے چمار کے یہ دن لگے ! اب آپ کسی غلط فہمی میں نہ رہیے گا !"

" مگر آپ اطمینان رکھیں " شیریں نے غضب کا سرد مہر ہو کر کہا " یہ بات وہ مجھ سے کہہ چکے ہیں !" اور اپنا ہاتھ خسرو کے کندھے پر اطمینان سے رکھ دیا

" اوہ تو پھر ! " رومانہ شیریں کے مطمئن لہجہ اور حرکات پر گھبرائی " ٹھیک ہے ـ مجھے افسوس ہے کہ میں خواہ مخواہ دخل در معقولات ہوئی !" بالوں کو جھٹکا دیا اور پیر ٹپکتی چل دی "

" اوہو تمیز دار خانم ! " شیریں نے خاصے غصہ سے کہا " یہ شائد مہمان نوازی کا شہری معیار ہے —— بلکہ شہروں کی اونچی سوسائٹی کا ؛ نہ آداب نہ سلام لگے بکھان کرنے " ؛ خسرو چپکے سے سگریٹ کے کش لینے لگا اور کچھ نہ بولا ، شیریں نے رومانہ کے مڑتے ہی ہاتھ ہٹا لیا تھا جس پر اس نے کنکھیوں سے اُسے بغور دیکھا تھا !

" اچھا میں اب چلوں —— آپ کا بے حد شکریہ ! آپ نے مجھے اپنا پارٹنر بنایا !"
شیریں خاموشی سے اُکتا چکی تھی ، اور پلو پکڑ لیا جس کی بیل اب بھی خسرو کے ہاتھ میں تھی ـ

" آپ کے شکریہ کا شکریہ ! اس نے پلو چھوڑ کر کہا " شکریہ ادا کرنا میرا کام ہے ـ

" سچ " شیریں نے پوچھا " اچھا خدا حافظ !

" میں کہتی ہوں بہن اب بڑا کام آ رہا ہے —— " بیگم ریاض بیگم ، خان بہادر سے تیز تیز بول رہی تھیں " میرا خیال ہے اب شہر یار والے پہل کریں گے اور پھر تو سر اٹھانے کی فرصت نہ ملے گی "

" ہوں ! انھوں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا " نہیں معلوم زاہدہ کہاں ہے ؟ ڈنر کا وقت آیا ہی چاہتا ہے !"

" اور ہاں بہن ، میرا تو خیال ہے فرنیچر نہ دوں کیش دے دوں بھلا اُن کے ہاں کوئی

کمی ہے۔ ؟" بیگم ریاض نے اُن کو پھر گھسیٹا۔ "اور گیارہ سیٹ تو زیورات کے اللہ رکھے میں ہی میرا خیال ہے نہیں، پندرہ کر دوں، کیوں کیا خیال ہے آپ کا۔" انھوں نے اُن کا منھ اپنی طرف کو کر لیا اور وہ مڑ کر جلدی سے بولیں۔

"ہاں ہاں ٹھیک ہے۔ اے پندرہ نہیں سترہ کر دیجیے آخر نام ہی کی تو بات ہے" اور آنکھوں پہ ہاتھ کا سایہ کر کے دور دیکھتے ہوئے بولیں "اے نہ معلوم زاہدہ کہاں چلی گئی؛ باغ میں شاید ہو" وہ اٹھیں تو بیگم ریاض نے انھیں پکڑ کر بٹھایا۔

"اور ہاں بہن، ذرا لائیے تو دے دو، زاہدہ یہیں کہیں ہوگی —— ہاں تو ایک سو چالیس پر ایک جوڑا کپڑوں کا کافی رہے گا نا؟"

شیریں کافی دیر سے ان کے صوفے کے پیچھے کھڑی یہ سب الول جلول بکواس سن رہی تھی، پاس ہی ایک صوفے پر خسرو اور طارق بیٹھے تھے، اگرچہ اُن کی پیٹھ تھی مگر شیریں کو یقین تھا کہ خسرو کے کان ادھر ہی لگے ہوئے ہیں، اسے بڑی گھبراہٹ ہو رہی تھی اور بیگم ریاض جیسے احساسات کا نام نہ جانتی تھیں اور زبان کی مشین مسلسل چلائے جا رہی تھیں۔

"امی بی بی!" چپکے سے شیریں نے ان کے کان میں کہا "ذرا امی —— امی موضوع بدل دیجیے! امی وہ دیکھیے خسرو صاحب بیٹھے ہیں!"

"اے بیٹھے ہیں تو بیٹھنے دو خسرو صاحب کو بھلا میں کوئی ان سے ڈرتی ہوں؛ وہ بیٹا اپنے ہی آدمی ہیں تم کیوں پریشان ہوتی ہو!" شیریں دہل کر رہ گئی، تڑپ کر بولی

"امی بی بی؛ غضب کرتی ہیں آپ!"

"لو جی اور سنو!" انھوں نے مسٹر ریاض کو ٹھوکا دیا "ذرا اس کی بات سنو —— بھئی اب کیسی اجنبیت کا سوال بیکار ہے کیوں میں جھوٹ کہتی ہوں!"

اور پورے دانت نکال کر انھیں دیکھنے لگیں

"ہونہہ! میں کہتا ہوں، کھانے کے بعد فوراً ہی چلے چلنا دیر نہ لگانا!"

کہ ڈنر کی گھنٹی بجی اور شیریں نے شکر کا سانس لیا، امی اب تو خاموش رہیں گی

ایک قہقہہ بار مسرت نواز ڈنر کے بعد جس میں رنگا رنگ پکوان کی سی دلفریبیاں

اور بوقلمونیاں تھیں، سارے مہمان ہال میں جمع ہوئے اور ایک بار خالدہ دعذرا نے جو

پیانو پر قبضہ جمایا تو شیریں بولا گئی "آخر باپ سے کہا اور انھوں نے انھیں خدا خدا کر کے اٹھایا، لیکن پھر بھی

خسرو کی نظروں میں کھٹکنے کا سامان اور پیدا ہو گیا۔ کہ دوڑے دوڑے سلمان آئے، چہرہ پر یوں

ہوائیاں اُڑ رہی تھیں جیسے کوئی بُری خبر سنی ہو۔"

"سنا شیریں تم نے کچھ؟"

"کیا ہوا بھائی جان!"

"کس قدر تعجب کی بات ہے جبکہ —— یعنی حد ہو گئی —— یہاں

میری محسنہ کا عزیز ترین رشتہ موجود ہے اور میں اس سے ملا تک نہیں —— یعنی اگر

محترمہ بیگم سمرقند سنیں گی تو کیا کہیں گی —— یعنی حد ہو گئی نا!"

"یعنی کون؟" شیریں ابتک انجان بن رہی تھی

"ارے بھئی وہی —— وہی کیا نام صاحبزادہ نواب خسرو!"

"خسرو صاحب؟ اور اس بے تکلفی پر سلمان چونک پڑا، کیا آپ نہیں جانتے

تھے کہ وہ بیگم نواب سمرقند کے بھانجے ہیں؟"

"نہیں بھئی ابھی لیے تو جا رہا ہوں —— ملنے!"

"اب رہنے بھی دیجئے۔" شیریں نے روکا، اپنے قریبی دوستوں میں بھی اس کو

گوارا نہ تھا کہ کوئی ایسی ویسی حرکت کر کے اونچی لستیوں والوں کی نظروں سے گر جائے۔ مگر وہ نہ مانا اور دور سے اُس نے خسرو کی نظروں کی سفاکی کو جیسے سونگھ لیا —— اُف خدایا! حد گئی ع

"سیاہ پوش نہیں یہ سیاہ قلب بھی ہے"

اُس کے منھ سے بے ساختہ نکلا اور اُس نے دیکھا سامنے سے زرینہ ہمہ تن مسرت و شادمانی کا بہار آغوش گلستان بنی کھلکھلاتی آ رہی ہے۔

مرے پر سو دُرّے —— یا وہ جو کہتے ہیں مرے کو مارے شاہ مدار زرینہ سے سن کر کس طرح اس کے اور ریحانہ اور رومانہ کے درمیان میجر آفتاب حسن پر تلخ سی گفتگوئیں ہوئیں اور یہ کہ خسرو نے کس کس طرح زرینہ کو قہر آلود نگاہوں سے دیکھا اور بار بار آ کر اُسے اور شہریار کو الگ کرتا رہا، شیریں کبیدہ خاطر سی ہو رہی تھی اُس پر طرفہ ستم یہ ہوا کہ گاڑی کو بیگم ریاض لوٹا چکی تھیں اور بارہ بجے کے بعد لانے کو کہہ دیا تھا سارے مہمان یکے بعد دیگرے چلے گئے اور صرف رہ گئے تو مسٹر ریاض کے خاندان والے نوکر چاکر باہر دروازوں میں کھڑے اونگھنے لگے اور اندر ریحانہ، رومانہ "ہائے اللہ کس قدر تکان ہے"! —— اُف! خدایا! —— ہائے اللہ کے نعرے لگانے لگیں خسرو خاموش سگریٹ پیتا رہا، صرف شہریار اور ریحانہ ایک طرف کو کھڑے آہستہ آہستہ بولتے اور ہنستے رہے ——

بوریت کا یہ عالم تھا کہ میزبانوں نے مہمانوں سے بات کرنا گوارا نہ کیا اور آپس میں اشارے کرتے رہے، شیریں کا دل ڈوب ڈوب گیا کہ جب بھی بیگم ریاض نے ذکر چھیڑا کوئی تو بالکلیہ نظر انداز کر دی گئیں!

بارہواں۱۲ پردہ :-

اب لکیر پیٹا کرو؟

صبح سب دیر تک بستروں پر پڑے اینڈتے رہے البتہ بیگم ریاض کے پاس سلمان بیٹھے نہ جانے کیا چپکے چپکے سرگوشیاں کرتے رہے جب آٹھ بجنے لگے تو مسٹر ریاض بھرائے ہوئے لائبریری سے نکلے ــــ

"میں کہتا ہوں بیگم!" انھوں نے عینک کے شیشوں پر سے بیگم اور سلمان پر حیران نظریں ڈالیں "آخر آج کس خوشی میں روزہ رکھا جا رہا ہے!" منیرہ جو اوپر سے نیچے آرہی تھی بے ساختہ ہنس پڑی ــــ

"ابا میاں ــــــــ آج سلمان بھائی جان نے روزہ رکھوایا ہے کہ ان کی محترمہ بیگم نواب سرقدکے بھانجے انھیں مل گئے تھے ــــــ میں کہتی ہوں اگر خسرو صاحب کی شکل دیکھ کر ہی کچھ ہوتا ہے تو ابا میاں ذرا اندازہ لگائیے ان کی خالہ جان محترمہ کا منھ دیکھ کر کیا بنے گا" مسٹر ریاض کو باوجود غصہ کے ہنسی آگئی ان کے ہنسنے پر بیگم ریاض متوجہ ہوئیں ۔

"اچھا تو آپ اٹھ گئے ــــــــ خدا کا شکر ہے!" وہ بولیں، مسٹر ریاض کہاں تو ہنس رہے تھے کہاں جل اٹھے ۔

"یعنی؟ یعنی آپ کا مطلب؟" انھوں نے کوٹ کھینچ کر کہا "کیا وہ کبھی میرے اصول میں ایسی باتوں نے خلل ڈالا ہے ــــــ صبح میں اپنے وقت پر اٹھا ہوں

البتہ تم نے وہی حرکت کی ہے ! مگر حد ہوتی ہے ہر بات کی میں کہتا ہوں یہ نوکر بھی دعوت میں گئے تھے ؟

" اے ہے میرے اللہ ! بیگم کراہتی اٹھیں " خدا بھلا کرے ان دعوتوں کا موئی اچھی خاصی عداوتیں ہو جاتی ہیں اور بیٹا ! د نہ سلمان کو مخاطب کر کے بولیں " ایسی شیطان کی انت ہو جاتی ہیں کہ ختم ہی ہونے میں نہیں آتیں " ! شیریں ہنس پڑی۔

" اور ابا جان بالخصوص جس وقت گاڑی کھڑی رکھنے کی بجائے کوئی لوٹا دے ، بجائے دس بجے بلوا لینے کے بارہ بجے بلوائے تب تو دعوت کی لمبائی میرا مطلب ہے ، طوالِ اوقات ——— حد اور انتہا کو پہنچتا ہے " ! بیگم ریاض تڑپ کے اٹھیں اور بھی یوں کہ باپ بیٹی دونو کھلکھلا پڑے۔

" ہونھ ! وہی مثل ہوئی آگے کے کانوں سے پیچھے کے سینگ ہوئے تیز اے لو وہی بات ہوئی " تاکہ چھلنی نے بدھنی سے کہا تیرے چھید ہے بادہ جو پوربی میں کہتے ہیں " نات پڑھائے آجا سولہ دونی اٹھ "

مسٹر ریاض اور بھی زور سے ہنسے اور کہا۔

" میں کہتا ہوں یہ شہری محاورے تو تمہیں یاد تھے یہ دیہاتی کب سے یاد ہو گئے ! اوپر سے آتی ہوئی فوضیہ نے وہیں سے پوچھا اور " آتی یہ آجا کیا ؟ اور بیگم ریاض کی بجائے مسٹر ریاض نے جواب دیا " آجا ——— یعنی دادا سمجھیں ——— کہ نات یعنی پوتا کہہ رہا ہے دادا ، سولہ دونی اٹھ ہوتے ہیں " ! کہ نوکر نے کھانے کے کمرے میں گھنٹی بجائی اور سب ہنستے بولتے اٹھے ———

شیریں کو یہ دیکھ کر تعجب سا ہو رہا تھا کہ بار بار سلمان اور بیگم ریاض آنکھوں ہی

آنکھوں میں کچھ کہہ رہے تھے، ناشتہ کے بعد شیریں بیگم، ریاض، فوضیہ اور سلمان ہال میں آئے۔ تو سلمان نے ذرا زور سے کہا

"میں نے کہا چچی جان ——— آپ مجھے یقیناً اجازت دیں گی، مجھے شیریں سے کچھ کہنا ہے"! شیریں نے گلدان کے پھول برابر کرتے ہوئے چونک کر سر اٹھایا "چچی جان بڑی خاص بات ہے ——— آپ کوئی اعتراض نہ کیجئے گا"! بیگم ریاض کہاں تو کڑھائی کا فریم اٹھا کر کام شروع کر رہی تھیں کہاں سب سمیٹ کر کھڑی ہو گئیں۔

"ہاں ہاں بیٹا شوق سے کرو ——— لو میں چلی ——— ہاں فوضیہ ذرا چلنا میرے ساتھ اوپر مجھے کچھ کام ہے تجھ سے"! شیریں کا فی سرخ ہو چکی تھی۔ چمک کر بولی۔

"مگر امی آپ نہ جائیے، بھائی جان کو کیا کہنا ہے؟ امی کے سامنے کیوں نہیں کہتے"؟ مگر امی نے بوریہ بستر سمیٹ ہی لیا

"نہیں نہیں بیٹی وہ شائد تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں، سن لو کیا کہتے ہیں"! اور قبل اس کے کہ شیریں کچھ کہتی وہ اوپر پہنچنے لگی تھیں، ان کے اوپر جانے تک شیریں انہیں دیکھتی رہی اور جب وہ چلی گئیں تو اس نے سر جھکا کر پھولوں سے کھیلنا شروع کیا اس کے گال تیزی سے سرخ سے سرخ تر ہوتے جا رہے تھے، ہلکی سی خاموشی کو سلمان نے گلا صاف کر کے توڑا۔

"اہنوں! اہنوں! میں کہتا ہوں مس ریاض ——— یعنی مس شیریں ریاض ——— آپ بیٹھ جائیے"!

اُس نے بڑھ کر چاہا کہ ہاتھ پکڑ کے بٹھا دے شیریں پہلو بچا کر دوسری طرف بیٹھ گئی اور پاؤں سے قالین کُرید نے لگی

"ہاں تو شیریں! میں نے اور مراحل تو طے کر لیے ہیں لیکن تم تو جانتی ہو میں کس قدر اصول و قواعد کا آدمی ہوں، بات یہ ہے کہ اس روشن خیال زمانہ میں میں چاہتا ہوں کہ زندگی کا اتنا اہم مرحلہ اس آسانی سے طے نہ ہو تم بفضل خُدا بڑی روشن خیال تعلیم یافتہ خاتون ہو اور میں چاہتا ہوں کہ تم میری اس زندگی کا تصور اچھی طرح کرو جو ایک ناظم ریاست کی ہوتی ہے بڑی مصروف اونچی سوسائٹی کی زندگی ہے اسکے لیے میں چاہتا ہوں کہ تم اچھی طرح اندازہ لگالو آیا تم اس کا بوجھ اٹھا سکو گی؟" شیریں خاموش تھی اور اب وہ سلیمان کو دیکھ رہی تھی ہونٹوں کے گوشوں کی تھرتھراہٹ سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی طرح ہنسی روکنے کی کوشش کر رہی ہے سلیمان نے دفعتاً ایک گھٹنہ زمین پر ٹیک کر دوسرا پاؤں کھڑا کر کے کہنا شروع کیا۔

"میری اچھی شیریں! میں کیسے بتاؤں کہ تمہاری اس گھبراہٹ نے تمہاری اس فطری شرم و حیا کا کس قدر عمدہ مظاہرہ کیا ہے جو جی جان کو روک کر تم نے کہا تھا" عزیزہ شیریں آہ! —— کاش تم کو اندازہ ہو کہ اس گھر میں قدم رکھ کر سب سے پہلے میں تمہاری اس پیاری شخصیت کا اسیر ہو گیا ہوں۔ مجھے توقع ہے کہ تم اگر میری زندگی میں آ جاؤ گی تو میری زندگی جنت بہ آغوش اور گلستان بہ کنار ہو جائے گی!!

"آہ شیریں خدا کے لیے مجھے مایوس نہ کرو اور میری زندگی میں اسے چاند آجا! اور آکے اجالا کر دے —— میرے دل کی دُنیا اے شیریں بے حد اداس اور اندھیری ہے اور آہ !!!! چونک کر دیکھا تو شیریں کی آنکھوں میں ہنسی روکنے کی شدت سے آنسو نکل آئے تھے۔

"میرا خیال ہے بھائی جان! مَیں آپ کو اپنا ایک پیارا سا بھائی سمجھتی ہوں اور ....!" وہ خاموش ہو گئی اور جواب طلب نگاہیں سلمان کے چہرے پر گاڑ دیں

"ایں! یعنی!" سلمان کی حیرانی قابلِ دید تھی "مگر شیریں تم بھی بہت شریر ہو ---- اس میں کوئی شک نہیں ہمارا رشتہ بھائی بہن کا پڑتا ہے مگر تم یقین رکھو میں تمھارے لیے تمھاری ہر خواہش کا احترام کروں گا" اور جھک کر سرگوشی کی "دراصل شیریں اب میں تمھیں بتاؤں ابا جان نے خاص طور پر مجھے اس کام کے لیے بھیجا تھا، ہاں کہو تمھیں منظور ہے ---- ہے نا؟" اور قبل اس کے کہ شیریں کچھ بولے اُس نے جلدی سے کہا "شیریں اس میں ہمارے بزرگوں کی عزت کا سوال ہے، میرا ابا جان قبلہ کا منشا یہی ہے کہ حساب کتاب کے الجھیڑوں سے بلند ہو جانے کا واحد حل یہ ہے کہ میں اس خاندان کا ایک فرد بن جاؤں!"

"آپ کی بات سولھوں آنے صحیح لیکن بھائی جان میں نے ایمان سے صاف صاف بتا دیا ---- مجھے معاف رکھیے اس اعزاز سے اور ----" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی اور ہونٹ کاٹ لیے؟ جس کو سلمان نے بغور گھور کر دیکھا ----

"میں کہتا ہوں پیاری شیریں تم بڑی ظالم ہو ---- ارے ظالم یہ صرف تمھاری وہ فطری شرم و حیا ہے کہ تم یوں انکار کر رہی ہو ---- ورنہ ---- ورنہ میں جانتا ہوں ---- تم بڑی پیاری بھی ہو اور ظالم بھی بڑی" اس نے خاصے جذبات سے بے خود ہو کر چاہا کہ شیریں کا ہاتھ پکڑ لے شیریں نے روک دیا

"نہیں نہیں بھائی جان! ہائے اللہ آپ میری بات سمجھتے کیوں نہیں ہیں آپ کو صاف بتا دوں مجھے صاف صاف انکار! صاف صاف! مَیں اس لائق نہیں ہوں

——— بالکل ——— بالکل ——— آپ سمجھ جایئے گا نا؟

لیکن اس کا سلمان پر الٹا اثر پڑا ——— اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کافی گھور کر بڑے جذباتی انداز میں بولا۔

"او جادوگر بالما! کیوں؟ آخر کیوں؟ یہ اتنا بننا؟ میں کہتا ہوں تم اس کی فکر تو کرو ہی تا کہ آیا تم لائق ہو کہ نالائق ——— بس ایک بار ہاں کر دو ——— ہاں! میں اسی کا منتظر ہوں!" شیریں کے چہرے پر بے چینی کے آثار نمایاں ہونے لگے، ابرو پر بل ڈال کر سختی سے بولی۔

"دیکھئے یا تو آپ بن رہے ہیں یا واقعی میری بات آپ کی سمجھ سے بالا ہے"! اٹھ کھڑی ہوئی "میں صاف صاف کہہ دوں مجھے انکار ہے قطعی انکار ——— میں آپ کو قبول نہیں کر سکتی ——— اچھا مجھے اجازت دیجیے! سلمان نے اُس کے ابرؤں کے بل پڑھ لیے اور جھٹکا کھا کر پیچھے ہٹا

"ایں؟ ——— تو ——— تو واقعی شیریں جان ———

کیا میں یقین کر لو؟ سچ چ ج؟! بوکھلائے ہوئے سلمان کی طرف غضب ناک ہو کر شیریں نے دیکھا

"ہاں ہاں ہاں! میں کہتی ہوں بالکل ہاں! مجھے قطعی انکار ہے ———!"

وہ آگے بڑھی مگر سلمان ہاتھ پھیلا کر اس کے سامنے آ گیا

"مگر مجھے جواب تو دیتی جاؤ ——— کیا واقعی؟ ارے ظالم کیا میں واقعی یقین کر لوں!" چہرہ جذبات کی فراوانی سے گلنار ہو رہا تھا اور آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"ہاں بھائی جان! خدا کے لیے آپ یقین کر لیجیے اور مجھے جانے دیجیے۔

میں اس اعزاز کے لائق ہرگز نہیں ہوں"! شیریں اتنا کہکر سرخ ہو گئی، اگرچہ ان لڑکیوں کی پرورش ہوئی تو تھی آزاد ماحول ہی میں لیکن یہ لڑکیاں اس حد تک آزاد نہ تھیں، شیریں کا یہ پہلا تجربہ تھا اور اُسے چونکہ یوں بھی خاموش رہنے کی عادت تھی لہٰذا اس کے لیے تجربہ نیا تھا۔

"ٹھیک ہے"! سلمان نے قدرے دنگ ہو کر کہا، اُس کے اٹھے ہوئے ہاتھ ڈالیوں کی طرح نیچے گر پڑے اور سامنے جھک گئے —— وہ سامنے سے ہٹ کر صوفے پر آ بیٹھا اور سگریٹ جلا کر جلدی جلدی کش لینے لگا۔

بیگم ریاض اور ریگ جھری سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں زرینہ اور فوضیہ انھیں مجبور کر رہی تھیں کہ وہاں سے ہٹ جائیں مگر وہ یہی جواز پیش کر دیتی تھیں۔

"اے تو بیٹیا! سلمان مجھ سے اجازت لے چکا ہے —— بڑا شریف بچہ ہے"! کہ انھوں نے دیکھا شیریں انکار کر رہی ہے گھبرا کر زرینہ کو آواز دی کہ تیر ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے!

"اے زریں ذرا دیکھنا تو اس سر پھری لڑکی کا حال —— ہائے اللہ خدا کسی کو ایسی اولاد نہ دے —— لو وہ تو کتنی خوشامدیں کر رہا ہے اور یہ ہے کہ صاف انکار —— قطعی انکار —— انکار ہی انکار"!!

"سچ امی"! زرینہ نے حیران ہو کر پوچھا اور خود تصدیق کرنے کی اُسے جرأت نہ ہوئی۔

جس وقت بیگم ریاض نیچے آئیں، سلمان چار سگریٹ یکے بعد دیگرے پھونک چکا تھا اور اُس کے کانوں کی لویں تک سرخ ہو رہی تھیں آنکھیں خاصی دھندلی ہو رہی تھیں بیگم ریاض نے پوچھا۔

"بیٹیا شیریں کہاں گئی؟ اور تم اکیلے بیٹھے ہو؟" سلمان نے زور زور سے تین چار کش لیے اور کہا ———— "جی ہی!"

"اے آخر بات کیا ہے؟" بیگم ریاض بن کر بسنیں "کہیں لڑائی تو نہیں ہو گئی بیٹا یہ لڑکی بڑی ہے لڑاکا!" سلمان چونکا —

"جی ہی! انھوں نے صاف انکار کر دیا ———— چچی جان یہ میری توہین ہے!" سلمان کا غصہ ابھر رہا تھا، بیگم ریاض تیور دیکھ کر کانپ اٹھیں اور چیخیں —

"کیا کہا انکار!" وہ کرسی پر دھم سے بیٹھ گئیں "میں کہتی ہوں سخت نالائق اور سرپھرا پن ہے اس کا ———— کیا کہا اس نے آخر؟" سلمان نے مسکرا کر شانے اچھالے اور ٹھنڈی سانس بھر کر کہا —

"بس انکار کیا اور کہتی ہیں میں آپ کے لائق نہیں ہوں!" بیگم ریاض نے آنکھیں گھمائیں اور مسکرائیں —

"اے میں کہتی ہوں سلمان! تم بڑے بدھو ہو بات سمجھ ہی نہیں سکتے ———— یہ انکار ہے؟ اے یہ انکار ہے جو کہہ رہی ہے کہ میں آپ کے لائق نہیں ہوں ———— بیٹا ذرا بات بھی سمجھا کرو!" مگر سلمان پر یہ وار نہ چلا، تقریباً بگڑ کر بولا —

"نہیں چچی جان، انھوں نے صاف انکار کیا ہے اور یہ کہہ رہی تھیں کہ انہیں یہ رشتہ منظور نہیں!"

"اے ہے بیٹا کیا بتاؤں بڑی ضدی اور بڑی ہی سرپھری لڑکی ہے ———— میں خود اس کے ہاتھوں بڑی تنگ ہوں!" ان کے اس بیان پر سلمان چونک پڑا اس کی آنکھیں کشادہ ہو گئیں۔

"تو پھر ٹھیک ہے چچی جان ——— بہتر ہے میں ان کے راستہ سے ہٹ جاؤں

آپ ہی بتائیے جب لڑکی ضدی اور سر پھری ہو جس کے ہاتھوں ماں باپ خود عاجز ہوں وہ لڑکی ایک کامیاب بیوی کیسے ہو سکتی ہے ؟ اور یوں بھی چچی جان یقین کر لیجیے کہ تعلیم یافتہ لڑکی کامیاب بیوی نہیں ہو سکتی !" بیگم ریاض کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اُن کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور زمین پاؤں کے نیچے سے کھسکنے لگی، جلدی سے بولیں۔

"ارے ہے سلمان بیٹا تم بھی کمال کرتے ہو اور لفظوں سے کھیلتے ہو، اے اگر میں نے کہہ دیا کہ وہ ضدی اور سر پھری ہے تو کیا وہ واقعی ایسی ہے ——— اور پھر میں ابھی زندہ ہوں سلمان !" انھوں نے چھاتی پر ہاتھ رکھ لیا "میرے جیتے جی وہ ایسی جرأت کیسے کر سکتی ہے کہ کیسے سکتی ہے ؟ یہ کہتے کہتے وہ اٹھیں اور لائبریری کے اندر چلی گئیں۔

مسٹر ریاض لائبریری میں حسب دستور بیٹھے کتابوں کے ڈھیر میں غرق تھے، بیگم دفعتاً اُن کے سر پر پہنچیں۔

"میں کہتی ہوں کچھ سُنا ؛ ہائے اللہ موئی آگ لگے ان کتابوں کو اور اس لائبریری کو کہ تم کہیں کے نہ دین کے رہے نہ دنیا کے، میں کہتی ہوں تمھیں کچھ خبر ہے۔ گھر میں کیا سے کیا ہو گیا !" ان کی آواز بھرا چکی تھی۔ اور وہ نہ جانے کیتے جتنوں سے آنسو روک رہی تھیں، مسٹر ریاض نے آہستہ آہستہ سر اُٹھایا اور بیگم کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے، بیگم اس ٹھنڈک پر جل ہی تو گئیں "یعنی آخر بات کیا ہے کیا تمھارے آگے نوٹنکی کا تماشا ہو رہا ہے" وہ چلا اٹھیں

"آخر بات کیا ہے ؟" لہجہ میں کچھ گرمی تھی

"اے ہے تم بات پوچھتے ہو غضب ہو گیا ہے ——— بیگم کی سانس پھولی

ہوئی تھی "ہائے اللہ میں کیا کروں ؟ اللہ اولاد دے تو نیک دے ——
اچھی توفیق دے !!"

"کیا ہوا —— کچھ بتاؤ گی بھی !" مسٹر ریاض نے کتاب بند کر کے بیچ میں انگلی رکھ لی

"کیا بتاؤں —— تمھیں تو فکر ہے نہ خیال —— ایک میری اکیلی جان ہے اور بس !" بیگم ریاض نے گرتے ہوئے آنسو ڈوپٹہ میں لے لیے اور پھوٹ پڑیں مسٹر ریاض تیزی سے اٹھے اور انھوں نے دروازہ بند کر لیا اور قریب آ کر مونڈھے پہ ہاتھ رکھ کر کہا —

"کچھ بتاؤ بھی اتنی تشویشناک بات ہے ؟" لہجہ میں بڑی نرمی اور آواز میں جستجو تھی

"بات یہ ہے ——" بیگم ریاض نے آئی سسکی نکل لی "شیریں نے انکار کر دیا ہے !" اور پھوٹ پڑیں "ہائے اللہ میں کیا کروں ؟ میں تو سمجھتی تھی اب شیریں بھی ٹھکانے لگ جائے گی ؛ زرینہ کا تو خدا نے بندوبست کر دیا —— مگر یہ نادان لڑکی ہی ہی ہی ہی !" مسٹر ریاض نے جلدی سے پوچھا —

"کیا خسرو خود آیا تھا ؟" بیگم ریاض جل ہی تو گئیں کہ مسٹر ریاض کی معلومات کس قدر معمولی ہے —

"تو یہ ہے ——" انھوں نے آنسو پونچھ کر قابو پالیا "خسرو کہاں ؟
وہ سلمان !"

"اچھا آ !" مسٹر ریاض نے اطمینان کا سانس لیا اور بیٹھ گئے "تو شیریں نے انکار کر دیا —— چلو تو اس میں اس قدر گھبرانے کی کیا بات ہے ، شیریں بہرحال سمجھ دار لڑکی ہے —— بلکہ میرے نزدیک تو ساری بہنوں میں ایک ہے —

اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں —— تم اطمینان رکھو" انھوں نے بیگم کا شانہ تھپتھپایا! ع "ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا!" چھت کی طرف انگلی اٹھا کر کہا "اس پر نظر رکھو اور بے فکر رہو!!"

بیگم کو مسٹر کے اسی رویہ سے ہمیشہ چڑ رہی ہے کہ زندگی کے اتنے لمبے سال گذرے مگر اس عادت کو جو اب بقول ان کے فطرت بن چکی تھی بدل نہ سکیں۔ مسٹر ریاض نے کبھی بیگم کی ہاں میں ہاں نہ ملائی بلکہ تقریباً ہر بات کی مخالفت کی اور ہمیشہ اُن کو بے وقوف ثابت کیا، بیگم جانتی ہیں کہ انھیں مسٹر ریاض سے کتنی والہانہ محبت ہے، اسی محبت کی رو میں اُنھوں نے اپنے باپ سے مخالفت مول لی تھی اور بنک کی ساری رقم مسٹر ریاض کے نام کر دی تھا، یہی نہیں اپنی نندوں کی شادی میں آدھے سے زیادہ زیور اور کپڑے دے چکی تھیں، دیوروں کی شادیوں میں مسلسل نہ جانے کتنی راتیں جاگا کرتی تھیں لیکن مطلب نکل جانے کے بعد ہمیشہ سب آنکھیں پھیر لیا کرتے تھے اور اُن کا دل خون کے آنسو رویا کرتا تھا جب اُنھوں یہ احساس ہو جاتا تھا کہ اگر مسٹر ریاض دامن چھڑا لیں تو اس وسیع کائنات میں اُن کا کوئی نہ ہوگا —— وہ اکیلی ہوں گی —— بالکل اکیلی!! وہی مثل ہوئی کہ "مرغی اپنی جان سے گئی اور کھانے والوں کو سواد نہ آیا"!

اس وقت بھی کہاں اُن کی پریشانی تھی اور کہاں مسٹر ریاض کی ٹھنڈی فطرت —— وہ ٹھیک ہے"! جل کر بولیں "نہ کرو پروا آج یہ ہوا ہے کل کچھ اور ہو جائے گا —— اللہ نہ کرے کہ میرے منھ سے کچھ نکل جائے"!

"مگر بیگم! ہم اس میں کیا کر سکتے ہیں"؟ مسٹر ریاض بولے "ہم نے لڑکیوں کے ہاتھ انتخاب رکھا ہے تو آخر ہوگا کیا؟ انھیں اختیار دے دیا ہے اب

بُرا کیوں مانیں!"

"آگ لگے ایسے اختیار کو کہ انسان نہ خاندان کی عزت کا سوچے نہ وقت کی نزاکت کو دیکھے —— اب تم ہی کہو سلمان کیا سوچتا ہوگا" مسٹر ریاض مسکرائے اور اطمینان سے سگار سلگایا

"میں کہتا ہوں بیگم! اس میں سلمان کو برا نہ ماننا چاہیئے بھلا تم ہی سوچو ہم فیشن ایبل ملکوں کی تقلید کرتے ہیں تو پھر ہم اس کے لیے بھی تیار رہیں کہ ہمیشہ یہ ضروری نہیں کہ ہوائیں موافق چلیں پانسہ الٹا بھی پڑ سکتا ہے۔

"یہ تو ٹھیک ہے مگر جو کچھ ہمارے گھر بیتے گی اسے کون بھگتے گا" مسٹر ریاض ایک جھٹکے سے اُٹھے" میں —— کہتا ہوں بیگم گھبرانے کی بات نہیں —— آؤ دل نہ چھوڑو —— چلو میں سلمان سے خود بات کرتا ہوں —— اور شیریں سے بھی کر لیتا ہوں اور —— بیگم بات کاٹ کر بولیں۔

"ذرا کھینچنا اس شیریں کے کان، ایسی خود سر ہے کہ کیا کہوں" مسٹر ریاض نے انھیں روک کر تسلی دی۔

"ہوں ہوں! ابھی تم فکر نہ کرو —— میں سب کچھ سمجھ لوں گا!"

سلمان اُسی طرح بیٹھا تھا، سگریٹ کے ٹوٹوں سے کٹ گلاس کا ایک بڑا سا ایش ٹرے بھر چکا تھا، چہرہ پر غضب کی سنجیدگی تھی، مسٹر ریاض کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا

"اوہو نہوں ہوں ہوں! بیٹھو بیٹھو!!" انھوں نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور اُسے بیٹھنے کو کہا خود سگار کا آخری کش لے کر آخری ٹکڑا ایش ٹرے میں رکھا اور سگریٹ کے ٹوٹوں کا ڈھیر دیکھ کر مسکرائے "میں کہتا ہوں عزیزم سلمان! اس میں فکر کی اتنی بات نہیں

میں تمہارا احساب کرنے کے لیے ہر وقت تیار ہوں، اطمینان رکھو ——— اور وہ گیا شیریں کا معاملہ، تو بیٹا ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنا فیصلہ دے سکے، فرض کرو کہ نعمان بھائی تمھیں مجبور کریں اور تمھیں لڑکی پسند نہ ہو تو تم کیا کرو گے ؟ اور لو سے جواب نہ دینے دیا، یقیناً یہی کہیں گے کہ اس کی مخالفت کریں گے اور اتنی مخالفت کریں گے کہ مزاج بحال ہو جائے گا ! ——— سلمان مسکرا اٹھا اور گردن کھجلا کر بولا

"بجا فرماتے ہیں چچا جان آپ ——— لیکن اصل بات یہ ہے مجھے شیریں بہت پسند تھیں لیکن مجھے خواب میں بھی یہ خیال نہ آیا تھا کہ ایسی پیاری صورت صرف سرخ و سپید مٹی کی مورت ہی ہو گی !" مسٹر ریاض ابھی جواب نہ دے پائے تھے کہ ور انڈا قہقہوں سے گونج اٹھا، خان بہادر نیاز احمد چاہیں جہاں ہوں ان کے تاریخی قہقہے ہیں دور سے پہنچوا دیتے ہیں، بات وہیں کی وہیں رہ گئی، سلمان کے چہرے پر کبیدگی خاطر کی تھی سائے گھری پڑتی -

خان بہادر پہلے اندر گئے اور پھر ریاض اور بیگم ریاض نے زاہدہ کو خالدہ اور عذرا نے ورانڈے میں روک لیا، دونوں کی آنکھیں بڑی کھلی کھلی تھیں، رنگ سفید پڑے ہوئے تھے۔

"ہائے زاہدہ آپا ! عذرا نے اتنی تیزی دکھائی کہ خالدہ کا صرف منھ کھل سکا "آپ کو معلوم ہے کیا ہوا - ہائے ہمارے ہاں تو بڑا غضب ہو گیا !"

"یہی تو میں کہوں ! زاہدہ کہنے لگی" آج بات کیا ہے عجیب عجیب ماحول نظر آرہا ہے تمھاری حالتیں یہ کیا ہو رہی ہیں" عذرا نے اور بھی آنکھیں کشادہ کر لیں

"میں کہتی ہوں ایسا تو ہمارے ہاں عمر بھر نہیں ہوا ! ——— ہائے میرے اللہ !" اس نے جھرجھری لے کر گالوں کو ہاتھ لگایا۔

"مگر آخر ہوا کیا یہ بھی تو بتاؤ" خالدہ فوراً بولی

"ہوا یہ زاہدہ آپا سلمان بھائی نے آہ شیریں کے (Propose) کیا اور انھوں نے معلوم کیا کہا" جب تک وہ سوال کرے عذرا نے تڑ سے کہا

"انکار کر دیا —— ہائے اللہ پھر جو بات بگڑی ہے تو میں کیا کہوں آپا زاہدہ "امی جان اور ابا جان ——"

"بات بھی تو ٹیڑھی کی ہے" زاہدہ نے ذرا منھ بنایا اس ضد سے کوئی جیت سکتا ہے بھلا ؟ کہ اندر سے خان بہادر کی آواز آئی۔

"بیٹی زاہدہ —— زاہدہ آ آ آ ! کہاں ہو ؟" اور ہی ہی کے ترنم کے ساتھ "بھئی آجاؤ ابھی جاؤ —— دیکھو تو تمہاری چچی جان کیا کہہ رہی ہیں !"

زاہدہ آواز پر لپکی اور اندر داخل ہوئی تو سب سے پہلے اس کی نظریں سلمان سے چار ہوئیں اور دیکھا کہ نظروں کے چار ہوتے ہی اس کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہو گئی اور گالوں پر سرخی رینگ گئی

"آداب عرض ہے چچی جان ! زاہدہ اٹھلا کر بیگم ریاض کے پاس جا بیٹھی انھوں نے گال پر چٹکی دے کر کہا

"بیٹی زاہدہ کیا کہوں —— اچھا ہوا تم آگئیں ہیں تو تمہاری شیریں کے ہاتھوں سخت پریشان ہوں !" زاہدہ بن کر چونکی۔

"ہائے چچی جان شیریں ! اس نے کیا کیا ؟" بڑی ٹھنڈی سانس بھر کر بیگم ریاض نے آتے آنسو پی لیے۔

"کچھ نہ پوچھو —— میاں سلمان نے رشتہ پیش کیا اور اس ناہنجار نے اُس

کی قدر نہ کی۔" سر کو افسوس میں ہلا کر۔" بیٹا سچ ہے خلوص کا اس دنیا میں قدر دان کوئی نہیں ہے!"

"اچھا آپا!" کہہ کر زاہدہ نے سلمان کو دیکھا جو اسے مسلسل تک رہا تھا، مگر چچی جان آخر بات کیا ہے؟"

"اونھ! اب ہٹائیے بھی اس قصہ کو چچی جان!" سلمان نے دیکھا زاہدہ کو اور منع کیا چچی جان کو "اب اس واقعہ کو برائے خدا بھول جائیے" ہو سکتا ہے خدا کو کوئی بہتری منظور ہو" بہر حال میں تو یہی کہوں گا کہ آپ لوگ بالکل بھول جائیے" بالکل بھول جائیے کہ کچھ ہوا!" اس نے مڑ کر خان بہادر کو مخاطب کر لیا کہ موضوع بدل جائے۔

"تو نیاز چچا آپ کا وعدہ تھا مرغابی کے شکار کو آپ لے چلیں گے —— پھر آپ کیوں نہیں چلتے؟" انھوں نے ہا ہا کے ساتھ قہقہہ لگایا!

"اہو ہو! ہا ہا ہا! بیٹا تم کل چلو میں تیار ہوں اور ہاں چھٹی تو بڑھا لی ہے نا تم نے؟"

"جی ی ی! جی نیاز چچا!" وہ خلاف معمول کھل کر مسکرایا "اسی لیے تو پوچھ رہا ہوں"

اس کے بعد گفتگو میں چہل پہل آ گئی، سب لوگ مصروف ہو گئے، شیریں اور زرینہ بھی آ گئیں اور سلمان بکمال انہماک سے زاہد سے گفتگو میں مسکراہٹوں اور قہقہوں میں مصروف تھا اسی دوران میں جھمکے نے ایک چھٹی زرینہ کے ہاتھ میں پکڑا دی جس کو پڑھنے کے لیے کھولتے کھولتے وہ مسکرائی، مگر پڑھتے پڑھتے ابرو پر بل پڑ گئے، لیکن ختم کر کے جیب میں رکھ لیا اور پھر سے کھیل میں لگ گئی ایسے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو، مگر شیریں اس کو نوٹ کرتی رہی، سارا دن شیریں نوٹ کرتی اور چین کا سانس لیتی رہی کہ بہر حال مصیبت ٹل گئی! ——

اور بیگم ریاض ٹھنڈی سانسیں بھرتی رہیں کہ سانپ نکل چکا تھا اور اب پیٹنے کے لیے لکیر رہ گئی تھی۔

چودھواں پردہ

ایک نیا پرابلم!

شام کو خان بہادر لوٹے تو زاہدہ نے سلمان سے مصر ہو کر کہا کہ وہ کل دوپہر کا کھانا وہیں کھائے اور شام کی چار ——— سلمان نے ہنس کر کہا

بھئی دعوت دیجیے تو پوری یہ ادھوری کیسی ——— شام کھانا تو کھانا ہوا یہ لنچ و نچ کوئی بات نہیں ! زاہدہ نے اس مذاق پر لوٹ ہوتے ہوئے جواب دیا

حد ہے اللہ آپ بھی حد کرتے ہیں میرا مطلب یہی تھا" زرینہ نے کہا۔

"بہن" زاہدہ ! یہ ذرا بات دیر میں سمجھتے ہیں" اور سلمان نے احتجاج کرتے ہوئے اسے جملہ پورا نہ کرنے دیا ——— !"

"نہیں نہیں بھئی زرینہ یہ زیادتی ہے ——— میں تمھارا بھائی ہوں اس کا تو خیال رکھا کرو !" ایک زوردار قہقہہ پڑا اور خان بہادر کی ہنسی نے حسب معمول سب کی ہنسی کو دبا لیا !

دروازہ کے پاس سے پلٹتے ہوئے شیریں نے ذرا تیزی سے زرینہ سے کندھا ملاتے ہوئے جھک کر کہا۔

"آپی ذرا جلدی اوپر چلیئے !" زرینہ نے جیسے ایک دم سمجھتے ہوئے ابرو پر بل ڈالے

اُس کے چہرے پر رنگی دھند پھیلنے لگی۔ اس نے شیریں کی حیران آنکھوں میں اپنی اُداس آنکھیں ڈال دیں اور دونوں چپ چاپ شانہ بہ شانہ زینہ طے کرتی چلی گئیں
"تو آپا خط تو شہر یار کا ہے؟" زرینہ نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا
"نہیں رومانہ کا ہے!" شیریں کی آنکھیں پھیل گئیں۔
"کیا کہا؟ رومانہ کا" اُس نے آنکھیں اوپر کو اٹھائیں "تو کیا وہ لوگ چلے گئے؟"
"تمھیں کیسے معلوم!" شیریں نے اُسی طرح دیکھتے ہوئے کہا۔
"نہیں میرا اندازہ تھا کہ ایسا ہوا ہوگا!" شیریں نے زرینہ کو جواب نہ دینے دیا "آپی! میں نے جو اندازہ ڈریس ہی میں لگایا وہ غلط نہیں!"
"یعنی؟" زرینہ نے چونک کر پوچھا "کیسا اندازہ؟" شیریں نے سکون سے دوپٹہ اُتار کر رکھتے ہوئے کہا
"آپا اس وقت تو آپ کو ہوش نہیں تھا —— میں نے چاہا بھی کہ کچھ کہوں لیکن آپ کو مسرور دیکھ کر جی نہ چاہا کہ میں آپ کو کچھ کہوں لیکن ہمت نہ پڑی مجھ پر جو عالم اس وقت گذرا ہے، میں اُسے بھول سکتی ہوں؟" زرینہ نے آگے سرک کر متوحش آنکھوں سے پوچھا
"آخر بات کیا ہوئی" رک کر فوراً بولی "اور تم نے مجھے نہ بتایا؟" شیریں کی بھوؤں میں گرہ پڑ گئی۔
"کیسے بتاتی؟ —— صبح کی مصیبت بھول گئیں آپ —— وہ تو شکر ہے زاہدہ نے ایک سچے دوست کی طرح دستگیری کی ہے! —— اور وہ ہنسی روک نہ سکی "اور بدھو ناتھ خدا کا شکر ہے خوش ہیں کہ تیر مار لیا!"

"مگر سنو!" زرینہ بے چینی سے بیٹھک بدل کر بولی" تم مجھے وہ بات بتاؤ!"

"بات یہ ہے آپی بکل رومانہ نے چاہا تھا کہ مجھے کچھ جھاڑ بتائے —— اور!"

"مگر تمھیں جھاڑ بتانے کی بات!" وہ تڑپ اُٹھی! اور تم چپ رہیں بڑے ہوں گے تو اپنے گھر کے ہوں گے ہونھ! اُن لوگوں نے سمجھ کیا رکھا ہے" شیریں مسرور ہو کر مسکرائی

"آپی تو میں کہاں موم کی ناک ہوں! میں نے بھی خبر لی، بات یہ تھی کہ خسرو صاحب نے نہ جانے کس موڈ میں مجھ سے درخواست کی کہ میں رقص کروں اور آپا کتنی بُری بات ہے مجھے اس شخص سے نفرت تھی لیکن میں نے پھر بھی انکار نہ کیا، نہ جانے کیا بات ہے میں جب اس شخص کو قریب پاتی ہوں تو مجھے مفلوج کر دیتا ہے یہ آدمی!" زرینہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

"شنو پیاری اس کی عادتیں بے حد پیاری اور اس کی شخصیت میں وہ بکھیرتا ہے کہ جواب نہیں" شیریں نے ہونٹ بھینچ کر آنکھیں دو تین بار میچیں اور کھولیں نتھنے پھولے اور وہ غصہ کا گھونٹ پی کر بولی، اس کی بھویں تن چکی تھیں۔

"ہاں! تو آپی آپ ہی کو پسند ہوں گے" اور تو بے شک سب باتیں ٹھیک ہیں مگر یہ "ڈانٹ ڈپٹ ڈالنے" یہ اس کی بات مجھے اچھی نہیں لگتی کہ جب دیکھو جب اکڑا چلا جاتا ہے! اور خود اس شان سے بھویں کھینچ لیں اور اکڑ کر بیٹھ گئی کہ زرینہ بے ساختہ قہقہہ لگا بیٹھی۔

"میں کہتی ہوں بھئی تم خود کسی سے کم ہو؟" زرینہ نے ہنسی روک کر "ہاں تو پھر کیا ہوا؟" شیریں نے خسرو کا قصہ چھوڑا!"

"دو دو بار پورا پورا رقص ہم نے کیا مگر جوشِ جذبات نے جیسے خسرو کے منھ پر تالے ڈال رکھے تھے، لیکن آپا!" بڑا لطف لے کر وہ بولی "میں خوش تھی کہ مجھے خود یہ اچھا نہیں لگتا کہ ہر وقت چڑ چڑ ہوتی رہے!" ذرا کی ذرا رک کر بولی "نہ جانے کس طرح بات نکلی، میجر آفتاب کی اور میں نے دیکھا خسرو نے خاصا اثر لیا تھا اُس اچانک ملاقات کا! چنانچہ میں نے ٹال دیا —— اور ہم نے رقص ختم کیا تو ایک جگہ کھڑے تھے۔ وہ جھک کر میرے دوپٹہ کی بیل دیکھ رہا تھا کہ روما نہ اُڑتی ہوئی آنکلی کہیں سے اور لگی آتے ہی آفتاب کی بُرائی بتانے —— خیر برائی کرتیں مجھے کوئی اعتراض نہ ہوتا مگر مجھ پر چھینٹ ماری پھر میں نے بھی خبر لی جو خسرو کو کھل گئی اور آپا یہی تو مجھے ان سرمایہ داروں کی باتیں رہ رہ کر کھٹ جاتی ہیں —— لو بھلا جب انھیں رومانہ سے دلچسپی ہے تو پھر مجھے اُلو بنانے سے حاصل؛ دیکھ رہے ہیں کہ سراسر اس کی زیادتی ہے، ہو سکتا ہے میں اس سے جاہ و ثروت میں کم تھی لیکن میں مہمان تھی مہمان! اور اگر انھیں اتنا سلیقہ نہیں تو بابا ہم غیر سرمایہ دار اچھے کہ ہمیں اخلاق کی چند کھلی قدروں کا پتہ تو ہے!"

"پھر کیا ہوا!" زرینہ کا اشتیاق حدوں سے گذر رہا تھا۔

"اس وقت کے بعد میں نے دیکھا، خسرو میں ایک عظیم تبدیلی آگئی! اور امی —— آپا ہیں، امی کو کیا کہوں انھوں نے تو وہاں حد ہی کر دی بار بار چچی جان بیگم نیاز سے کہیں کہ اب مجھے توقع ہے عدینہ کی منگنی ہو جائے گی، شادی کے سامان ہوں گے اور اتنی زور زور سے بول رہی تھیں کہ خسرو اور طارق جو وہیں پاس بیٹھے تھے سن رہے تھے، اگرچہ خسرو کی پیٹھ تھی مگر وہ مجھے یقین ہے ضرور ساری باتیں سن رہا تھا، وہ تو دانت پیس کر بولی "وہ تو ایک کاٹیاں ہے، آپا آپ جانتی ہیں نا جب وہ طنز کرتا ہے تو وار کس قدر جان لیوا کرتا ہے؟ میری

اِس سے جان نکلتی ہے۔" نذرینہ نے ہنس کر کہا

"ٹھیک ہے، مگر بھائی اب تم اس کی دشمنی ختم کرو اور ٹھکانے سے بات کرو" شیریں نے منہ پھیلا کر دیکھا۔

"تو گویا مَیں اُس کی محبت میں یہ سب فرما رہی تھی؟ آپا مختصر یہ کہ پھر بی عذرا اور نوضیہ نے آفت ڈھائی اور وہ اُسی طرح جل جل کر دیکھتا رہا اور چھریاں کٹاریاں برساتا رہا اور پھر وہ تم کو اور شہریار کو جسطرح دیکھ رہا تھا، خدا کی پناہ۔ اور پھر —— اور پھر اللہ میاں یاد کرتی ہوں تو رونا آ جاتا ہے' امی کی چال کہ گاڑی لوٹا دی —— بخدا آپا اُن لوگوں نے جیسا سلوک کیا میرا جی چاہتا تھا ایک ایک کا منہ نوچ لوں۔ اب آپ بتایئے یا تو وہ ہمارے ساتھ ڈھنگ سے بیٹھ کر باتیں کرتے، کوئی ہم عمر بھر اُن کے گھر رہے تھے۔! یا تو پھر وہ یہ کہتے کہ ایسے ہی بیزار تھے تو اپنی گاڑی میں ہمارا منہ کالا کرتے، اِس قدر میرا جی جلا کہ کیا بتاؤں —— آپ کو تو اس کی خبر ہی نہ ملی نا" شیریں کا چہرہ کانوں تک سرخ ہو چکا تھا، ناک پر پسینہ کے قطرے چمک رہے تھے۔

"سچ سچ؟" نذرینہ نے حیران ہو کر پوچھا "اتنا سب کچھ ہوا، اور مجھے خبر نہ ملی!" شیریں نے بڑے کرب سے مسکرا کر کہا۔

"آپی می! آپ کو خبر کیوں ملتی؟ سچ ہے ع

خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک!"

نذرینہ نے جھپٹ کر اسے گلے لگا لیا اور تقریباً رو کر بولی

"جان آپا جان! کاش تم سمجھ سکتیں کہ مجھے کتنی کوفت ہو رہی ہے۔"

"اچھا اب لو یہ سنو!"

"اونہہ! خطاب تو چھوڑ لکھتی ہیں"

"یقین کرنا یہ میری بہانہ بازی نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ ہمیں جس کو چھوڑتے ہوئے دکھ ہوتا ہے وہ میری عزیز دوست تم ہی ہو! اگر ٹھیک نہیں بتا سکتی، مگر یقین ہے کہ ہم جلد ہی آپس میں ملیں گے۔ اس عرصہ میں یقین رکھو خط ہمیں ملیں گے، ہماری طرف سے اتنے ہی جواب یقینی ہے!"

——— سمجھیں؟ اس کا مطلب ہے، اگر میں لکھوں تو جواب ملے گا ورنہ

"ورنہ قصہ ختم؟" شیریں نے آہستہ سے کہا اور ہونٹ کاٹ لیے

"لو آگے سنو!" زرینہ نے آگے پڑھنا شروع کیا

"ہمیں شہریار بھائی جان کے شہر جاتے ہی یقین ہو گیا تھا کہ اس سے اُن کا کیا مطلب ہے۔ میری دوست وہ جہاں جاتے ہیں ان کو لوٹنے میں بہت عام طور پر لگ جاتے ہیں بہرحال عید ہماری یقیناً وہیں ہوگی۔ اور ہم کو سب سے بڑا افسوس ہے کہ تم وہاں نہ ہوگی کاش ایسا ہوتا ——— مگر ایسا نہیں ہو سکتا ——— بہرحال توقع ہے۔ نئے دوستوں میں ہماری یاد تمھیں ستانے نہ پائے گی!"

——— اور تمھیں آپی، اس نئے دوستوں سے کس کی طرف اشارہ ہے؟"

"کس کی طرف" زرینہ نے پوچھا۔ شیریں نے مسکرا کر بڑے ایقان سے کہا

"آفتاب اور سلمان کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟"

"لو اور آگے بھی تو سنو!"

"اچھا آگے کچھ اور ہے" شیریں کی آنکھوں میں اداسیوں کے سائے کافی گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

" بات یہ ہے زرین بہن !" رخسانہ کو دیکھنے کے لیئے بھائی جان دیوانے ہو رہے ہیں۔ آپ تو جانتی ہیں خسرو صاحب سے ہمارے تعلقات کتنے گہرے ہیں اور رخسانہ ؟ میں آپ کو بتا چکی ہوں بے حد پیاری لڑکی ہے خیر حسنِ صورت کے تو پوچھنے کیا اس کے مقابلہ میں کون ٹھہر سکتا ہے بھلا ؟ اور بھائی جان اس کی حسن صورت ہی کے نہیں حسن سیرت کے تو نثار ہیں ۔ پیاری زرین بہن ! جب رخسانہ بھابی بن کر آئے گی وہ کتنا پیارا دن ہو گا ۔

" اچھا بہن ! اب میں چلتی ہوں ، اجازت دو ، باجی ریحان آپ کو دعا کہتی ہیں ۔ اور بھائی جان سرمد پیار

تمھاری اپنی

روبانہ

" جان آپا جان ذرا یہ جملہ ملاحظہ فرمایا ، جب رخسانہ میری بھابی بن کر آئے گی ، تو یہ گویا از راہ کرم " مجھے آگاہ فرمایا ہے " ؟ شیریں کا چہرہ جیسے سُت گیا تھا !

" باجی جان میری ایک بات مانیں گی آپ " ؟

" شنو جان ؛ تمھیں شک ہے " ؟ زرینہ نے آئے آنسو پیئے اور مسکرائی گیا ہونٹ پھیلا دیئے ۔

" مختصر یہ مطلب ہے کہ روبانہ کو اپنے بھائی اور آپ کے تعلقات کا علم ہے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا وہ بے خبر ہو —————— ! زرینہ نے سر ہلا کر تصدیق کی " اور روبانہ خسرو پر جان دیتی ہے اس طرح اُسے خطرہ ہوا کہ کہیں اپنی بات کھٹائی میں نہ پڑ جائے کیونکہ اگر ایک شادی ہو گئی تو دوسری کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں —— لیکن خیر تم اس کا اطمینان رکھو کہ یہ تو مر کر بھی روبانہ کو نصیب نہ ہو گا دل کی انشاء اللہ دل ہی میں رہے گی ، کیونکہ مس نواب قدر

اللہ رکھے موجود ہیں اور معاملہ بیگم نواب قدر کا ہے، البتہ سوال شہریار کا ہے اگر اس میں بھیجے کی میرا مطلب ذہن و دماغ کی رمق ہوئی تو پھر اس میں کسی کو شک ہے کہ وہ آپ پر جان دیتا ہے! اور تم اس کا تو اطمینان رکھو کہ دھونس ہے محض اور کچھ نہیں" زرینہ ہولے سے ہنس پڑی

"ٹھیک ہے شنو! مگر یہ بی رومانہ ہمیں کیا دھوکا دیں گی البتہ خود فریب کھا جائیں گی!"

"یہی تو یہی تو آپا زریں" جلدی سے شیریں بولی "میں یہی تو چاہتی ہوں کہ آپ یقین رکھیں اور کسی قسم کے اثر لینے کی قسم کھالیں! ——— خدا نہ کرے کہ آپ کی امیدیں غلط ہوں!

"یہ تو ٹھیک ہے ——— مگر میری بہن!" زرینہ نے بھویں تان کر کہا "میں ایک ایسے انسان کے ساتھ کیسے شادی کر سکتی ہوں جس کے خاندان والے میرے مخالف ہوں! اور چاہتے ہوں کہ وہ کہیں اور شادی کرے"؟

"تو آپا!" شیریں بن کر بیٹھ گئی "پھر آپ خوب غور کر کے ذاتی فیصلہ کیجیے اور اگر ذرا بھی شک ہو آپ کو کہ زندگی تلخ سے تلخ تر ہو جائے گی تو صاف انکار کر دیجیے!"

"شنو!" زرینہ کے سسکی نکل گئی "ہائے شنو! تم کیسے کہہ سکتی ہو، اگرچہ مجھے یقین ہے عید سے پہلے شہریار آ گئے تو بات بنے گی ورنہ نہیں!"

"کیوں!" شیریں نے تنک کر کہا "بھلا کیوں؟"

"اس لیے کہ ورنہ رومانہ کی چال چل جائے گی ——— اور وہ تھالی کا بیگن تو ہے ہی!" زرینہ پیروں کے تکیہ پر ہاتھ پھیرنے لگی ———!

بالآخر دونوں نے طے کر لیا کہ بیگم ریاض کو صرف جانے کا بتایا جائے خط کا ذکر نہ کیا

جائے، دوسرے دن صبح ہی سے تیار ہو کر سلمان، خان بہادر کے گھر گئے، چودہ آنکھوں نے اسے بے حد خوبصورت سوٹ میں بن سنور کر خوشی خوشی جاتے دیکھا، دو آنکھیں حسبِ معمول ذات لاپرواہ ہے مولا .... بنی رہیں، دو آنکھیں شدت احساس محرومی سے برس گئیں، دو آنکھیں اس حد کی گذری ہوئی سادہ لوحی پر ناچ اٹھیں، دو آنکھوں نے اس مسرت میں حصہ بٹایا اور دو آنکھیں کتابوں پر سے نہ اٹھیں خبر نہ لی کہ کیا ہوا۔ اور چار آنکھیں نادان شوخ بچوں کی طرح کسی کو ہنستا دیکھ کر خود بھی قہقہہ پہ قہقہہ لگانے لگیں !

شام کو سلمان لوٹے تو مارے مسرت کے سُرخا سُرخ تھے، آتے ہی بہنوں کو آواز دی اور پھلوں، مٹھائیوں کے دو ٹوکرے آگے رکھ دیئے اور دعوت نامہ خاص طور پر بیگم کو دیتے ہوئے کہا

"چچی جان آپکے کتنے بچے ہیں ؟" اور چچی جان نے ابروؤں میں گرہ ڈالی، ماتھے پر بل، اور بڑی بڑی آنکھیں جھپکا کر پوچھیں ۔

"کیا مطلب ؟ اسے تمھیں نہیں معلوم کتنے ہیں، اللہ نے دیئے پانچ جیسے پانچ اور خدا کرے رہیں پانچوں کے پانچ ——— ہاں بھیا لڑکیاں ہیں لڑکا نہیں کوئی ؟" سلمان قہقہہ لگا کر بولے ۔

"غلط آپکے چھ بچے ہیں آپ چھپاتی کیوں ہیں ؟" منہ پر ہاتھ رکھ کر دیدے پھاڑ کر چچی جان بولیں

"لو اور سنو ! ایک نہ شُد دو شد ——— اے میاں تمھیں ہوا کیا ہے، ہوش کی دوا کرو !" سلمان بے ساختہ مسکرائے اور پھر بھیڑیئے کی طرح سر پیچھے پھینک کر بولے

"چچی جان، آپکے چھ بچے ہیں ——— پانچ لڑکیاں اور ایک لڑکا !"

اور سینہ پر شہادت کی انگلی رکھ کر یعنی کہ ما بدولت ـــــــ کیوں اب یاد آیا آپ کو؟"
چچی جان کی ممتا پھڑک اٹھی، چچی جان خلوص ہی کی تو بندی ہیں پگھل گئیں تو سے پر مکھن کی گولی طرح پگھل گئیں، پاس گھسیٹ کر بٹھالیا۔

"اے تو میاں تم میری اولاد سے بڑھ کر ہو اور ...... سلمان نے بولنے نہ دیا
"بس بس بس تو پھر اب کل شام کے کھانے پر آپ میری امّی جان مرحومہ کی نمایندگی کریں گی ـــــــ بات بس زاہدہ سے پکی سمجھیے آپ" اور سوہیں مڑ کر یہ نہیں دیکھا کہ وہاں مارے حیرت کے سروتہ ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا ـــــــ وہ بہنوں کے ساتھ قہقہوں سے گھر سر پر اٹھائے ہوئے تھے ـــــــ

"زاہدہ جان! میں تمھیں ہار دینے سے پہلے تمھارا کس طرح شکریہ ادا کروں ـــــــ تم نے تو مجھے مرنے سے بچالیا!" زاہدہ مسکرا پڑی، سُرخ ہونٹوں میں سفید موتیوں کی لڑی جھپک اٹھی!

"سُنو میری جان! پھر دوستی کس بات کا نام ہے؟"

"ویسے زاہدہ! سلمان ہرگز بُرے نہیں ہیں ـــــــ بس مجھے کچھ یوں پسند نہیں، کہ میری طبیعت کچھ اور ہے"!

"اس میں کس کو شک ہے؟ ـــــــ تمھارے لیے تو بس ایک ہی موزوں انسان نظر آیا ہے" شیریں نے مسکرا کر کہا "اچھا جی بی بی! ذرا ہم بھی تو سُنیں وہ کون؟" زاہدہ نے ہولے سے اُس کے ہونٹوں پر چٹکی ماری

"جیسے جانتی نہیں! اللہ ری بی بی! وہ ہی نیرا اکڑو ـــــــ طرّہ بازخاں خسرو!
وہی ٹھیک ہے سچ کہا ہے شاعر نے ع کند ہم جنس با ہم جنس پرواز"

"زاہدہ با سلمان اور سلمان بازاہدہ" شیریں ملے قہقہہ لگایا اور زرینہ اس سے متوجہ ہو گئی۔

دوسرے دن سلمان ریاست گئے لیکن ہفتہ بھر میں لوٹ آئے اور باقاعدہ منگنی ہو گئی۔ خان بہادر نیاز احمد اور ان کی بیگم کو لڑکا پہلے دن سے پسند تھا، اس لیے انھوں نے چٹ منگنی پٹ بیاہ والی بات کی، دوسری بات یہ تھی کہ ایک لڑکی تھی جہیز بالکل تیار تھا، زیور تیار تھا، کپڑا لتا اس کے پاس تھا کہ نیا بنانا فضول تھا، لہٰذا نقد خاصی رقم دی گئی اور ویسے بھی گھر اس کا تھا!

زاہدہ ایک حد تک سیدھی سادھی لڑکی ہونے کے علاوہ عجیب غریب طبیعت کی مالک تھی۔ ایک لڑکی ہونے کی وجہ سے خان بہادر نے اُسے لڑکوں کی طرح پالا تھا اور یہی وجہ ہے کہ وہ بے حد پیچیدہ مسائل کو بھی بڑی جلدی حل کر لیا کرتی تھی۔ الٹھ مار لڑکوں کی سی عادتوں نے نہ جانے اُسے کس قدر بے باک اور صاف گو بنا دیا تھا، لہٰذا اس کو اعتراف تھا کہ سوسائٹی کے اُس معیار پر تو یقیناً وہ پہنچ نہیں سکے گی مگر ماحول اونچا ضرور تھا؟ سلمان خسرو اور شہریار جیسا صاحبِ طرز" اور "اسٹائلش" نہ سہی اچھا خاصا ضرور تھا اور پھر اکیلا تھا، ماں تو تھی نہیں باپ بھی الگ تھے، روپیہ بہت زیادہ نہ تھا تو کم بھی نہ تھا بہر حال بقول ہی کے کہ۔

"شنو! کرنا کیا ہے! ہر لڑکی کی تقدیر میں شادی بدی ہے خواہ وہ یورپ کی ہو کہ افریقہ کی، چین کی ہو کہ امریکہ کی —— چاہنے والا میاں؟ یوں سمجھو دولت خداداد پاکستان! جب اللہ دے اس بندے کو لینے سے انکار کیوں ہو؟ اور تو اور ایک بات یہ بھی ہے کہ مجھ سے صورتاً فدا انہیں ہی ہیں سلمان! تو میری جان میاں کو یوں ہی ہونا چاہیئے ورنہ فرخ بھائی جان کو نہیں دیکھا! ہائے اللہ توبہ! ہر وقت ناک

چڑھتی رہتی ہے۔ میں کہتی ہوں ایسا میاں تو ہیں ایک دن تو بڑی بات ہے ایک لمحہ نہ برداشت کر سکوں!

جب سے سلمان کی منگنی ہوئی تھی وہ کافی جلد جلد آنے لگا تھا اور جب بھی آتا ٹھہرتا ہمیشہ مسٹر ریاض کے پاس، مسٹر ریاض نے خود اُسے دعوت دی تھی کہ وہ جب بھی آئے ٹھہرے یہیں اور وہ اس دعوت پر دل سے عمل کرتا تھا اس کے رہتے اکثر زاہدہ اور خان بہادر بھی کبھی مع بیگم کے آجایا کرتے، بیگم ریاض کا عجیب حال ہو گیا تھا، اٹھتے بیٹھتے ہر وقت اُن کی نگاہیں زاہدہ پر ہوتیں، اب اس میں سو عیب اور ہزار برائیاں اُن کو نظر آتیں، جہاں سلمان نے چپکے سے کچھ کہا اور وہ شرما کر ہنسی مسکرائی انھوں نے فتویٰ دیا کہ یہ سب شیریں کے خلاف ہو رہا ہے مسٹر ریاض سے نہ جانے کتنی بار جھڑپ ہوئی کہ آتی ہے تو میرے سینہ پر مونگ دلتی ہے یہاں تک کہ انھوں نے اُسے شیریں کی سوکن اور سوت تک کہہ دیا، حالانکہ انکار خود اُن کی صاحبزادی نے کیا تھا۔

اب خان بہادر اور اُن کی بیگم میں اُن کو خلوص ہی نظر نہ آتا تھا اور اب تو زاہدہ کی ستواں ناک ذرا ٹیڑھی ٹیڑھی سی بھنیں، لگنے لگی، رنگ تو تھا البتہ دلکشی کا نام نشان نہ تھا غرض نہ معلوم اُن کا بس چلتا تو وہ کیا کر گذرتیں وہ تو خیر گذری کہ اللہ میاں نے دوسرا بھی پاؤں اٹھانے کی قدرت اور سکت نہ دی۔

زاہدہ نے شیریں کو زیادہ سے زیادہ مہمان بلانا شروع کیا، اس کے ہاں شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں، بیگم ریاض ہر وقت ایک اڑنگا لگاتیں، یہی نہیں بے حد خفا ہوتیں وہ تو مسٹر ریاض اور زرینہ تھیں کہ لاج رہ جاتی

شیریں البتہ اس معاملہ میں بے حد خوش تھی، جان بچی لاکھوں پائے والا معاملہ تھا

اور داد دیتی تھی سلمان کو کہ اُس نے اس واقعہ کو پھر کبھی نہ دُہرایا، زاہدہ بھی جانتی تھی مگر اُس نے بھی کبھی اس کو یاد نہ کیا، اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کی اور سلمان کی طبیعتوں میں کس قدر یکسانیت تھی ــــــــــــ

اور اُدھر زرینہ کی جان پر بنی ہوئی تھی، روحانہ کے خط کے بعد وہاں ایک مکمل خاموشی تھی "کاشانہ" میں سن رہے تھے کہ نوکر ہیں مگر جب زرینہ نے خفیہ طور پر چھبکے کو بھیجا تو سب لوگ جا چکے تھے، اُس کی افتاد طبیعت ہی کچھ ایسی تھی کہ کُھلی کبھی نہیں کہ کس قدر اسے تکلیف ہے بس خاموش رہا کرتی ! ــــــــــــ

سمندر کی طرح خاموش !

حیرت تھی کہ شیریں سے اس قدر سچا پیار اور نباہ رہا تھا مگر پھر بھی یہ موضوع کبھی نہ چھڑتا اور جو کچھ بیتی وہ دل پر گذر جاتی ۔

پندرھواں پردہ :-

ارادے !

رہ مانہ کا ایک خط اور آیا ———— لکھا تھا رخسانہ سے بات چیت کے پکے ہو جانے کا امکان ہے اور اِس امر کی تصدیق بھی کہ شہر یار والے اب کاشانہ " نہ لوٹیں گے اور یہ کہ ان کے بھائی جان آجکل خسرو کے ساتھ بے حد مصروف ہیں ———— آگے چل کر اِدھر اُدھر کی فیشن، بالوں اور کپڑوں کی باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھا تھا کہ اُسے قوی امید ہے اس کی عزیز دوست زرینہ اس کے لیے فرنیچر کے کچھ خاص اسٹائیش نمونے بنا کر بھیجے گی۔

شیریں نے صرف جس سے زرینہ دِل کی بات بتایا کرتی تھی، بڑی خاموشی کے ساتھ سُنا اور کھولتی رہی اس کا دِل اپنی بہن کا، اس مصیبت پر شق ہوتا رہا، اسے اس کی تو پروا نہیں تھی کہ شہر یار آجکل رخسانہ پر مرنے لگا ہے اس لیے کہ اُسے ہمیشہ اِس میں شک ہی رہتا تھا شہر یار زرینہ پر جان دیتا ہے، البتہ جیسا کہ اس کا اندازہ ہمیشہ رہا ہے، شہر یار میں سب سے بڑی خاصیت یہ ہے جلد بازی، نامستقل مزاجی اور تنزل خیالی، وہی مثل ہوئی نا؛ کہ موم کی ناک کٹھیل کے کان: جدھر جس کا جی چاہا موڑ دیا، چنانچہ دیکھ لیجیے اب کِس طرح اپنے دوستوں کے اشاروں پہ ناچ رہا ہے ———— تاک دھنا دھن تاک دھنا دھن!

اپنی خوشی اور مسرت تو کوئی چیز نہ ہوئی، بہنوں کا خیال کیا اور خود کو قربان کر دیا واہ ری عقلمندی! —— اور اگر اسی میں اس کی مرضی ہے۔ تو چلو اس کو بھی تسلیم کیے لیتے ہیں، جائے

جہنم میں یہ بات کہ آیا وہ زرینہ کا خیال کرے گا بھی کہ نہیں اسے پاس عہد و فا ہو گا کہ نہیں، اس کی آنکھوں اور دل نے اتنا بڑا دھوکا کھایا ہے کہ نہیں ——— سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ یہ زرینہ کی طرح بڑے "زرے" سے اس کی "زندگی" کا خیال تھا اس نے جو داغ کھایا تھا وہ اس کو جلدی سے کیسے مٹا سکتی تھی؟ محبت بچوں کا کھلونا تو نہیں ہوتا کہ جی بھر گیا تو توڑ دیا! چلو قصہ ختم ہوا اس میں تو انسان خود ہی ختم ہو جاتا ہے! یہ زخم زرینہ کا زخم تھا مگر چوٹ شیریں کے دل پر بھی خاصی اُبھر آئی تھی اور اب تو اس میں درد بھی ہونے لگا تھا!

دو ایک دن تو زرینہ نے اس خط کی بات چھپائے رکھی، اپنا خون جگر آپ ہی چپکے چپکے اور اس صفائی سے پیتی رہی کہ کسی کو سان گمان نہ گذر اگر ——— مگر جب تڑپ حد سے بڑھی تو لب شیریں کے آگے کھل ہی گئے، ہوا یہ تھا کہ بیگم رمانی آگئیں اور زرینہ اور نوضیبہ کو مخاطب کر کے "کاشانہ" اور "کاشانہ والوں" کا ذکر جمیل چھیڑ دیا اور اپنا قیاس لڑایا کہ آجکل میں اُن لوگوں کو لوٹنا ہی چاہیئے، بلکہ لوٹتے ہی ہوں گے اور کئی گھنٹے اسی ذکر میں گذر گئے ——— زرینہ بیٹھی کمال اُستادی سے اپنا خون آپ پیتی رہی، لیکن جیسے ہی وہ گئیں اور "میں نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ میں اب سب کچھ بھول جاؤں گی غم کھانا میرے بس کا روگ نہیں! اِن کے ساتھ نوضیبہ اور شیریں اُوپر آگئیں تو اس نے تقریباً رو کر کہا۔

"ہائے شنو! نہ جانے امی کو کیا لطف آتا ہے، ہائے جب بھی بیٹھتی ہیں میرے ہی سامنے مجھے ہی سنا سنا کر کاشانہ والوں کا ذکر کریں گی، طرح طرح سے قیاس لڑائیں گی ——— کاش وہ جانتیں کہ اس طرح وہ اپنی زریں کو کس کس طرح دکھ پہنچاتی ہیں ———

شیریں نے بڑے تعجب سے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

"وہ تو سُنو!" زرینہ کی آنکھیں بے حد اداس ہو گئیں "کیا تمہیں یقین نہیں آتا" زریں کے گالوں پر سرخیاں رینگنے لگیں "سُنو!" اس نے کھڑکی کے پردے پر نظریں گاڑ دیں "وہ میرے خیالوں کی دنیا میں ہمیشہ رہے گا —— وہ ظالم! میں اُسے ہمیشہ ایک ناقابلِ فراموش انسان سمجھوں گی —— لیکن بس اتنا ہی ہو گا اور کچھ نہیں" اب نہ مجھے خوف ہے نہ امید! اور نہ ہی اُس سے گلہ۔ اللہ کا شکر ہے! مجھے اب وہ "درد" نہیں اور سُنو! بہت تھوڑے عرصہ میں میں —— میں سب کچھ بھول جاؤں گی!"

"آپا زریں!" شیریں تقریباً چیخ پڑی "آپ کتنی پیاری ہیں، کیسی پیاری! آپا زندگی میں انسان کی نہ جانے کیسے کیسے نشیب و فراز آتے رہتے ہیں لیکن بات تو جبھی ہے کہ ؏

مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

والی بات ہو جائے! آپا زریں! ایک بات پوچھوں؟" زرینہ نے پیار سے اُس کو قریب گھسیٹ کر کہا!

"پوچھو ——!"

"پوچھ لوں؟" شیریں نے حلق تر کیا! "سچ پوچھوں بُرا تو نہ مانیں گی ——؟"

"نہیں تم پوچھ لو!" زرینہ نے اُسے اور قریب کر لیا!

"آپی کیا آپ عمر بھر شہریار کے نام پر زندہ رہیں گی؟ یا —— یا واقعی آپ بھول جائیں گی کہ ایسی کوئی بات بھی تھی؟" شیریں کی آنکھیں اور کشادہ تھیں۔ زرینہ ہولے سے مسکرائی

"پگلی محبت کے لیے اس کی شرط نہیں کہ کوئی ہمیں چاہے —— ہم چاہتے ہیں تو پھر اسے نبھائیں؛ —— اس میں ہمارا کوئی احسان ہے کہ ہم کسی کو چاہتے ہیں تو وہ بھی ہمیں ضروری اور لازمی طور پر چاہے —— اب یہ عمر بھر کا

سودا ہے ——— ہو سکتا ہے کہ میں شہریار کو نہ پا سکوں ——— اور زندگی میں مجبور بھی کر دی جاؤں ——— مگر یہ طے ہے کہ مجھے اب کسی سے محبت نہیں ہو سکتی ——— شیریں جان! میں جب بھی شہریار سے ملتی ہوں تو میرے سامنے اس کی "ذات" ہوتی ہے، صفات نہیں، میں نے آج تک اس کی دولت کا سوچا نہ لیاقت کا، حتی کہ نہ صورت کا نہ سیرت کا ——— میرے سامنے صرف شہریار ہوتا ہے ——— جس پر نہ جانے کیوں اور کس وجہ سے مجھے پیار آتا رہتا ہے"!

"لیکن آپی" شیریں سانس روکے سن رہی تھی تڑپ اٹھی" یہ انصاف نہیں ہے تم ساری دنیا کو قابل احترام سمجھتی ہو، اور اگر میں کسی کی برائی کرتی ہوں تو تمھیں رنج ہوتا ہے میں تو باجی: تم کو سمجھنا چاہتی ہوں تمھاری شخصیت کے کمال کو سمجھنا چاہتی ہوں اور تم سے کرتی ہو میری درخواست ہے کہ تم میری اس بے جا مداخلت کا برا نہ مانو ——— بالخصوص اس خیال محترم میں کہ ساری دنیا قابل احترام ہے، دنیا میں باجی میری صرف چند" انگلیوں پر گنتے ہوئے" صرف چند ہی ایسے انسان ہوں گے جن پر آپ بھروسہ کر سکتی ہیں، دنیا کو میں جس قدر دیکھتی ہوں، تجربہ یہی ہے کہ انتہائی مایوس کن محرومیوں)
سے دوچار ہو جانا پڑتا ہے اور ہر نیا طلوع ہونے والا دن انسانی کردار کی متزلزلی کا شاہد ضامن ثابت ہوتا ہے، آج دنیا اصل جوہر کو جو انسانی کردار کی جان ہے نظر انداز کر رہی ہے میری زندگی میں دو ایسے تلخ ترین تجارب ہیں ——— جن میں سے ایک کا میں نام نہ لوں گی، دوسرے زاہدہ کی شادی ہے"! زرینہ مسکرائی ———"

"روشنو"! ایسے خیالات کو خدا کے لیے دل سے نکال دو، اس طرح تمھاری زندگی اجیرن ہو جائے گی اطبائع کا فرق لازمی ہے، ازلی ابدی حقیقت ہے اس کو کہاں تک رد کیں، اور

رہ گئی زاہدہ کی شادی تو سلمان میں کون سا عیب ہے، دونوں خوش ہیں، مسرور ہیں، ٹھیک ہے
——— اور کیا چاہیئے! اور پھر سلمان سوائے اس کے کہ تھوڑا سا بے وقوف ہے
اس میں اور کون سی برائی ہے۔" شیریں نے تڑ سے جواب دیا
لیکن آپی ——— اچھا چلو میں یہ آپ کی خاطر مان بھی لوں تو پھر بھی
اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ زاہدہ کو سلمان سے محبت نہیں ہے، صرف اس کی دولت دیکھی ہے
اور کچھ نہیں اور محبت کے سمجھوتے کے بغیر شادی ——— میرے نزدیک اتنا فریب
ہے کہ میں تو ——— اگر صاحبان شرع متین یہ ڈاڑھی والے مولانا صاحبین
مجھے معاف فرمائیں تو ——— اعلان کر دوں کہ نکاح فسخ ہو گیا ——— حرام بازی
ہو رہی ہے اور کچھ نہیں! اور جو محبت ہے، دونوں ایک دوسرے سے وفادار ہیں تو میرے
نزدیک حرام بھی حلال ہے!!" زرینہ شیریں کے جوش کو دیکھ کر مسکرائی، اس کی آنکھیں اور کشادہ
ہو گئیں ———

"مگر شنو جان! یہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ ان دونوں میں ایسا سمجھوتہ نہیں ہے؟"

"بھئی یہ تو کھلی بات ہے، سلمان ایک کھلا جھوٹ ہے فریب ہے، اور وہ یوں کہ!
خود فریب خوردہ، جھوٹی شان پر مرنے والے، مصنوعیتوں کا پرستار، دکھاوے کا رسیا، تنگ نظر،
تنگ دل ——— مختصر یہ کہ بے ہودہ شخص ہے! یہ تم بھی جانتی ہو، ساری دنیا جانتی ہے
بھلا ایسے شخص سے شادی کر کے کوئی خوش رہ سکتا ہے، انسان کی اپنی انفرادیت ہی ختم ہو جائے
ایسے کے ساتھ، اب آئی سمجھ! تم یہ تو نہیں کہہ سکتیں کہ خود غرضی عقل مندی ہے اور خطروں سے
بے حسی مسرت کا نام ہے؟!"

"ہوں جی! بیرسٹر صاحب کیا کہنے تمہارے ——— چلو تم جیتے ہم ہارے"!

زرینہ نے کوچ کے پشتہ کا سہارا لیا "ہم تو دیکھتے ہیں کہ دونوں خوش ہیں، مسرور ہیں لیکن یہ جو دوسری مثال تم کہتی ہو ——— تو سنو! تم جانتی ہو کسی پہ کوئی سا بھی الزام لگا کر اور پھر ہماری اتنی اونچی تعلیم کے بعد بھی اگر ہم ایسی تنگ نظری کا ثبوت دیں اور جاہل عورتوں کی سی باتیں کریں تو پھر ہمارا فرق کہاں رہ گیا؟ بات یہ ہے، سنو ہم عورتیں رومان کا مطلب رومان کی حیثیت سے بھی زیادہ لیتی ہیں اور بیشتر ایک مرد کی نگاہِ غلط انداز کو حاصل زندگی سمجھ بیٹھی ہیں ——— اور پھر جو نوجوان کھلنڈرے قسم کا مرد ہو ——— اس کی نگاہ میں حقیقت اور اصلیت کہاں؟ ——— کم ہی ہوتی ہے" شیریں کی بھویں تن گئیں بڑی بڑی آنکھیں اور کشادہ ہو گئیں۔

"بھئی کیا کہنے ہیں آپی (Experience thy name is Bee Bee Zarina)

تجربہ تیرا نام ہے بی بی زرینہ!" زرینہ نے جھک کر چٹکی لی۔

"جی ہاں! ناتجربہ کار صاحبہ ——— بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال!" دونوں ہنس پڑیں" اور پھر میں تو کہتی ہوں مردوں کے فرائض دوسرے قسم کے ہوتے ہیں اور .... شیریں نے بات کاٹی

"مثلاً صرف کسی کے جذبات سے کھیلنا، لاپروائی برتنا، دوسروں کے احساسات کا خیال نہ کرنا، جلد باز ہونا، جلدی سے کسی کی بات میں آجانا ——— یہی نا"

"بھئی تم تو پیچھے پڑ جاتی ہو ———"

"پنجے جھاڑ کے نہیں ——— !"

"ہاں ہاں پنجے جھاڑ کے پڑ جاتی ہو اور اگر وہ بہنوں کی بات میں آگیا تو برائی کونسی ہے؟"

"تو پھر روتی کیوں ہو آپی؟" شیریں تنک گئی۔

"نہیں میں روتی تو نہیں!" شیریں کا چہرہ بڑا سنجیدہ تھا "اگر وہ مجھے چاہتا ہے، تو دنیا کی کوئی عورت اسے مجھ سے چھین نہیں سکتی!" شیریں نے آئی ہنسی بڑی جلدی سے روک لی۔

"میں کہتی ہوں آپی!" اُس نے پلکیں اُوپر کو اٹھائیں جو سوالیہ نشانوں کی طرح تن گئیں

"آپ بُرا تو نہ مانیں گی میری صاف گوئی کا؟" زرینہ نے سر ہلایا، شیریں نے گہرا سانس لے کر کہا "تو مجھ سے سنیئے ——— اصل بات یہ ہے وہ اس کی شخصی مسرت سے ہٹ کر اپنا معیار بھی دیکھتے ہیں، وہ ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں جس کے پاس دولت ہو، شہرت ہو، عزت ہو!"

"یہ تو طے ہے ——— اور اسی لیے رخسانہ پر ان کی نظر ہے، لیکن اس میں یہ کیا ضرور ہے کہ ان کی مجھ سے دشمنی کو دخل ہو ——— رخسانہ کو عرصہ سے جانتے ہیں، اب صرف میرے نزدیک اہمیت اس بات کی ہے کہ خود شہریار کا میرے متعلق کیا خیال ہے، بیوی گائے تو کھو نٹے ہی کے بل ناچتی ہے اور اس کا یقین رکھو کوئی بہن اپنے بھائی کا بُرا نہیں چاہ سکتی، اور شنو بھئی خدا کے لیے مجھے اُس کے یا اُس کے عزیزوں کے متعلق یہ باور نہ کراؤ کہ ان کا رویہ معاندانہ ہے ——— اس سے مجھے ایک تو دکھ ہوتا ہے اور دوسرے اگر بات خدانخواستہ الٹی ہی گئی تو میں شرمندہ ہرگز نہ ہوں گی، محبت پر کسی کا اختیار نہیں اور یہ ضروری نہیں کہ ہر محبت میں کامیابی ضروری ہو!"

شیریں ایکدم خاموش ہو گئی ——— اور پھر نہ جانے کتنے دن شہریار کا ذکر اس کے لبوں پر نہ آیا۔

بیگم ریاض کارات دن کا ہا ئے دا ویلا تھا کہ شہریار آیا نہ شہریار والے! بار بار متوحش ہو ہو کر شیریں زرینہ سے پوچھتی اور وہ اُن سے زیادہ حیران بن جاتیں

اور جب دن کافی گذر گئے تو شیریں نے انھیں یقین دلایا کہ وقتی بات تھی اور کچھ نہیں ——
مگر بیگم ریاض جب تک سانس تب تک آس پر کار فرما رہیں۔

مسٹر ریاض کو جیسے لطف آگیا! ایک دن بیگم ریاض کو چھیڑ ہی بیٹھے

"تو یوں کہو بیگم وہی مثل ہوئی نام بڑا نشان بڑا خوان بڑا خوان پر چہ بڑا اور جو کھول کے دیکھا تو وہی کا بڑا —— " اور خلافِ عادت بڑا سا قہقہہ لگایا! بیگم کی آنکھیں چمکیں دانت پیس اٹھے اور گردن کو جھٹکا دے کر بولیں

"بھلا کوئی بات ہوئی —— اسے نام نہ نشان کہے مرزا خان خانان! آخر میں بھی تو سنوں وہ کون بڑا ہوا؟" مسٹر ریاض ابتک اپنی بات پر محظوظ تھے سگار کی راکھ راکھدان میں جھٹکتے ہوئے بولے

"بیگم اس دن تو تم جہیز کے انتظامات کر رہی تھیں، یہی پوچھ رہا تھا کہ اب کون سی شئے باقی رہ گئی؟ یا سب کچھ مکمل ہے"۔ بیگم کے ہونٹ تھرتھرا گئے، آنکھیں اور بھی چمکیں اور ان کی سطح پر پانی چمکنے لگا ——

"لو اور سنو! —— وہی مثل ہوئی "گوریا گئی جان سے کھانے والوں کو سواد نہ آیا" کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری —— اب اور کوئی نہیں تو ایک تم ہی رہ گئے تھے مجھے طعنے دینے کے لیے، اے سبحان تیری قدرت!" بڑی سانس بھری" مالک تیری شان!" اور آنسو آنکھوں ہی آنکھوں میں پی گئیں، مسٹر ریاض سگار کے کش کو بڑے مزے سے لے رہے تھے، ان کی نگاہیں سامنے دیوار پہ ایک تصویر پر لگی تھیں، ٹہنی پر بیٹھی چڑیا بچوں کو دانہ کھلا رہی تھی، دھوئیں کا مرغولہ اڑا کر بولے

"بیگم! اسی لیے کہتا ہوں غلط توقعات نہ باندھا کرو، شہریار اور سلمان کا حشر دیکھا ہے

——— اب میرا خیال ہے اگر مِسِز آفتاب حسن سے معاملہ پٹ سکتا ہے تو تم اللہ کا نام لے کر شیریں کی بسم اللہ کرو"!

"اور بڑی بیٹی منہ تکا کرے" ؟ بیگم اس سہارے پر جی اٹھیں!

"ننننہ! بھئی خدا کے لیئے اس روشن زمانہ اور اس آزاد ترقی یافتہ مملکت میں ایسی جہالت کی باتیں نہ کرو ——— بیگم آج ہم بفضل خدا اس معیار کو سینہ سے لگائے ترقی کی راہ پر گامزن ہیں جو چودہ پندرہ سو سال سے چھوٹا ہُوا تھا ——— بیگم اب تو ذہن دماغ کشادہ، نظر وسیع اور ارادے بلند اور عظیم ہیں، مایوسی مسلمان کے پاس کفر ہے، تم نے سنا ہی ہوگا ملکِ خدا تنگ نیست پائے مرا لنگ نیست، میرا مسلک ہے، لڑکیوں کو اچھی تعلیم، ایسی کہ اِن کو ان کے مذہب سے آگاہ کر دے، اس کی نزاکتوں پر ان کی نظر رہے، اور پھر زندگی میں نشیب و فراز لازمی ہیں، خدا کی ہر مصلحت میں ہماری فلاح و بہبود ہے، مجھے فخر ہے کہ میری بچیوں میں وہ گہرائی اور گھیرا ہے انھیں دُنیا کا کوئی حادثہ ناکام نہیں کر سکتا۔

اِنسان اِس دُنیا میں آیا ہی اِس لیے ہے کہ ناکامیوں کو کامیابیوں میں تبدیل کر دے یہ دنیا انسان کے لیے ہے انسان دنیا کے لیے نہیں، اور رہ گیا، بیٹے بیٹی کا سوال تو ——— میرے نزدیک بیٹی زیادہ اہم ہے کہ بیٹا نہیں کہ وہاں بھائی بھلے کر کوٹھے کھائے چلتے۔ بیٹی تو قوم کی امانت دار ہے اس کی تعلیم اِس کا اخلاق اِس کا کردار بیٹے سے کہیں زیادہ اہم ہے، جو قوم اس حقیقت کو بھول جاتی ہے وہ مٹ جاتی ہے، فنا ہو جاتی ہے ———

——— لہٰذا مجھے اس قسم کی کوئی فکر نہیں ——— وہ شیریں ہو زرینہ ہو نوشنبہ ہو کوئی ہو میری بچیوں کیلئے وہی مادی ناکامیاں روحانی کامیابیوں کا پیش خیمہ بن جائیں گی، زندگی اور زندگی کے بعد انسان کا نام سب سے اہم شئے ہے آہ"! اور جھوم کر سعدی کا شعر پڑھا ؎

زندہ است نامِ فرخ نوشیرواں بہ عدل
گرچہ بسے گذشتہ کہ نوشیرواں نماند !!"

ہاہا ——— آآ ——" کہہ کر پھر سے سگار میں جٹ گئے، بیگم ریاض جب تک وہ کہتے رہے بڑی پسندیدہ نظریں بکھیرتی رہیں اور آہستہ آہستہ ان کے لیے پان دگایا، چکنی ڈلی کا برادہ اور الائچی ڈالی زعفران کے دو تار بھی رکھ دیئے ——— اور مسکرا کر بولیں

" چلو اب وعظ ختم بھی کرو ——— لو یہ پان کھاؤ اور ہاں ———"

جھمکے کو آواز دی " اے جھمکے، اے جھمکے ——— ذری وہ قوام تو لے آنا، جو نواز میاں لکھنؤ سے لے آئے ہیں" مسٹر ریاض نے چونک کر دیکھا

" لکھنؤ سے ؟ بیگم ریاض نے سر زور زور سے ہلا کر کہا

" اے لو نہیں جانتے ؟ ——— نواز میاں گئے تھے نا! ابکی فروری میں ہندوستان تو رضیہ باجی نے تمہارے لیے آدھ پاؤ قوام عنبری بھجوا دیا تھا، ان کا تو خاندانی نسخہ ہے ! شیریں نے اس دن تمھیں کہا تھا ؟ جھمکے نے آ کر بتایا کھانا تیار ہے ——— !

——— !!

آجکل لبنت نگر میں "کاشانہ والوں" کے عدم موجودگی میں جو خلا پڑا تھا اس کو میجر آفتاب حسن طارق اور اُن کے دوست تقریباً بھر رہے تھے بات رہ رہ کر جہاں تک جاتی تھی وہ خسرو کا ذکر ہوتا اور سب کو یقین ہو جاتا کہ کس قدر بد معاشیوں کی حد کو پہنچا ہوا الزمان ہے

صرف ایک مسٹر ریاض اور زرینہ کہ ہر وقت بچ کر جاتے، بالخصوص شیریں کی مخالفت کرنا اُن دونوں کا جیسے فرض تھا !

زاہدہ کی شادی ہوئے کئی ہفتے ہو چکے تھے رمضان کی عید نزدیک تھی، بیگم ریاض کو یقین تھا کہ اب تو شہر یار والے ضرور آجائیں گے اور جب بھی وہ ذکر چھیڑتیں سب ہنس پڑتے زور سے نہ سہی منہ پلٹا کر ضرور ہنس لیتے!

دو دن عید میں باقی تھے کہ ریاست فضل پور سے بیگم مقصود اور مقصود صاحب آ گئے یہ بیگم ریاض کے چھوٹے بھائی ہیں، ان کی شادی کو کوئی چار سال ہو گئے، بچہ نہیں ہے —— ! بیگم مقصود کی شیریں اور زرینہ سے بے حد بنتی ہے اس لیے کہ ایک تو نوعمر ہیں اور دوسرے کچھ ہیں بہت ہی ہنس مکھ اور سمجھ دار۔ بڑی مزاج آشنا اور بڑی اونچی سوسائٹی میں رہتی ہیں شہزادی روشن آرا ان کی منہ بولی بہن ہیں اور ان کو ان سے بے حد لگاؤ ہے، بڑی قابل ہیں، ایم اے بی۔ ٹی ہیں اور عالم فاضل، ادیب فاضل نہ معلوم کتنے امتحانات علوم شرقیہ کے پاس کر چکی ہیں، اچھی ناول نگار اور افسانہ نویس بھی ہیں البتہ شعر سے انھیں کوئی لگاؤ نہیں —— اس معاملہ میں اللہ ہی اللہ ہے شہر والی ہیں اور شیریں اور زرینہ کی شہری قیام گاہ کا مرکز انھی کی کوٹھی ہوا کرتی ہے۔

آتے ہی سب سے پہلے انھوں نے اپنی ڈیوٹی شروع کی —— یعنی سب کے تحفے آئی بھی تو اکی بار کافی دیر سے بھیں اور پھر نئے نئے فیشنوں لباس کی اور بالوں کی تراشوں خراشوں کی باتیں —— اور فرنیچر کے نمونوں کا حال سنانا شروع کیا!

—— اور بیگم ریاض نے بھاوج کو پکڑ کر جو اپنی رام کہانی سنانا شروع کیا اور زور زور سے ہائے ہائے کرنی شروع کی کہ ان کی مبلغ دو عدد لڑکیوں کی شادی ہوتے ہوتے —— رہ بال بال بچ گئی "! مسٹر ریاض نے سہلج سے قصہ ختم کرنے لیے جملہ کس دیا .. وہ مسلسل دیکھ رہے تھے کہ لڑکیاں ممانی کو اوپر لے جانے کے لیے بے چین ہیں۔

اور وہ خود بھی بار بار اُن کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ اللہ جانے! ماموں ممانی، چچا چچی ایسے رشتہ دار ہوتے ہیں کہ انسان ان پر فدا ہوتا رہتا ہے یہی نہیں بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ بعض اوقات یہ ماموں ممانی، چچا چچی تو اپنے ماں باپ سے زیادہ پیارے ہیں۔

خیر خدا خدا کر کے ممانی جان چھوٹیں اور جب اوپر پہنچیں تو پہلی خبر شہریار اور سلمان کی تھی، جس کو وہ سن چکی تھیں، بیگم ریاض نے سرسری طور پر انھیں بتا ہی دیا تھا اور جب سب نیچے چلے گئے اور صرف شیریں رہ گئیں تو ممانی جان اور کھلیں، شیریں سے بالخصوص انھیں گہرا لگاؤ تھا۔

"معلوم ہوتا ہے شہریار اور زریں پیاری کا جوڑا خوب تھا؛ کیوں؟" انھوں نے پوچھا اور اُن کے ہیروں والی جھلمیوں کے ٹاپس لہرائے اور افسوس بھی ہوا کہ بات یوں ہو گئی — لیکن شنو پیاری یہ تو ہوتا ہی ہے بالخصوص امیرزادوں اور نواب زادوں کے اطوار میں بھی تو ایک سقم ہوتا ہے یہ اتنی جلدی گرنا اور اتنی ہی بلکہ اس سے زیادہ تیزی سے پلٹ جانا — یہ سب کرداری خامیاں ہیں جن کی ذمہ داری اُن سے زیادہ اُن کے والدین کے سر آتی ہے ایسے لڑکوں سے اس کے سوا اور کیا امید رکھی جاسکتی ہے؛ ایسے حادثات ناگزیر ہیں!"

"مامی پیاری: آپ کی رائے بے شک قطعی ہے" شیریں کی آنکھیں چمک اٹھیں اور ہونٹ مسکرائے "لیکن یہ ایسا حادثہ نہیں ہے — اس کی نوعیت جداگانہ ہے۔ ایک نوجوان جو ابھی چند روز قبل ایک لڑکی کے پیچھے جان دے رہا تھا، محض دوستوں اور عزیزوں کے کہنے سننے پر یوں پلٹ جائے؛ کیا یہ حادثہ ہے" مامی کی آنکھیں ذرا اور روشن ہو گئیں۔

"شنو پیاری! یہ تو تمھارا جملہ ہے" جان دے رہا تھا"! ذرا اس پر غور کرو۔ محبت بائیں ہاتھ کا کھیل نہیں ایسے جملے تو تبھی پیدا ہو سکتے ہیں جب بات صرف آدھ گھنٹہ کی واقفیت پر دلالت کرے' ذرا مجھے اس جان دینے کی تفصیل سنانا!" شیریں مسکرائی اسے ممانی کا اٹھا ہوا چہرہ بڑا پیارا لگا!

"کوئی خاص مقیاس محبت یا "محبت پیما" یا "لوو تھرمامیٹر" جو چاہے آپ کہہ لیجیے یہاں ایسا ہے تو نہیں لیکن ایک بات ضرور ہے کہ شہریار کو کسی اور سے غرض نہ ہوتی تھی' صرف آپی سے اور پھر یہی نہیں کہ ہفتہ عشرہ میں کہیں ملاقات ہو گئی وہ تو پابندی سے آیا کرتا تھا! اب آپ ہی بتائیے محبت کا معیار کیا ہوتا ہے. علامت کیا ہوتی ہے؟ کاش کوئی نمایاں علامت ہوتی! کیا حد سے زیادہ اخلاق اور اظہار خلوص محبت کی نشانی نہیں ہے ـــ؟"

ٹھیک ہے ٹھیک ہے" ہنستے ہوئے وہ بولیں' ان کے ہنستے ہی نہ جانے ان کی آنکھیں کیوں ہنسنے لگی تھیں "مگر شنو! زرینہ کی خاموش طبیعت سے ڈر لگتا ہے کاش یہ حادثہ تمھارے ساتھ ہوا ہوتا تم اُسے نہ صرف جھٹک کر پھینک دیتیں بلکہ ذرا لُطف بھی آتا! میں تو بھائی زرین کو ساتھ لے جاؤں گی' وہ منھ سے بولے گی تو کچھ نہیں لیکن شمع بنی رہے گی ـــــ بیچاری زریں!!"

اس تجویز سے شیریں بے حد خوش ہو گئی

"لیکن شیریں؟" وہ چونکیں اور اُن کی خوبصورت ناک نے ۷۵ ڈگری کا زاویہ بنایا "آپا جان کہتی تھیں وہ لوگ آجکل ریاست افضل پور ہی میں ہیں' کہیں وہ لوگ وہاں اس سے ملنے نہ آئیں ـــــ زخم پھر ہرا ہو جائے گا!"

"نہیں آپ اطمینان رکھیں!" شیریں خود بڑے اطمینان سے بولی "شہریار آجکل خسرو کی نگرانی میں ہے اور خسرو کہاں کے ایسے حاتم کہ اُسے اجازت دیں! اور وہ بھی ریاست فضل پور میں؟ خسرو کے حکم کے بغیر شہریار ہتھ توڑ لیں تو ہمارا نام؟"

"لیکن ——؟" بیگم مقصود سوچتے ہوئے بولیں "کیا زریں کی ابھی تک خط و کتابت ہے؟"

"نہیں" شیریں نے سر ہلایا "آپی نے خود ہی بند کر دی۔ اور پھر وہ خود تھوڑا ہی لکھتا تھا، رومانہ لکھتی تھی اور لکھنا کیا —— اطلاع: بنا ہوتا تھا کہ شہریار رخسانہ سے شادی کر رہا ہے!" بیگم مقصود نے انگیٹھی پر رکھے ہوئے گلدان کو دیکھنے لگیں اس میں مومی پھول مانو تازہ تازہ باغ کے پھول بنے پڑے مسکرا رہے تھے اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اُنہیں اب بھی اس جوڑ میں میل کے آثار نظر آتے ہیں

بیگم ریاض نے کچھ ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ بیگم مقصود اور مقصود صاحب اکیلے کبھی نہ رہے ہر وقت مہمان ہوتے اور ان کے لیے خاص طور پر تیار رہنا پڑتا، اور ان مہمانوں میں میجر آفتاب حسن ضرور ہوتے، بیگم مقصود شیریں کا طرز عمل دیکھتی رہتی تھیں جس گرمجوشی اور مسرت کے ساتھ وہ استقبال کرتی اور خاطر مدارات میں مصروف رہتی اُن کے لیے کافی تھا کہ معاملہ شاید زیادہ سنجیدہ ہو جائے —— لہٰذا انھوں نے طے کر لیا کہ جانے سے پہلے وہ اس موضوع پر ضرور گفتگو کریں گی کہ قدم کتنے کیسے اور کہاں کہاں پڑ رہے ہیں۔

بیگم مقصود روپ نگر کی رہنے والی تھیں اور نواب شیرواں کو نہ صرف دیکھا تھا بلکہ انکے پاس رہنے کا اتفاق ہوا تھا پھر جب میجر آفتاب حسن نے بڑی تفصیل سے ایک ایک کر کے بات بتائی تو آج سے دس بارہ سال پہلے کا زمانہ انکی آنکھوں تلے گھوم گیا۔ وہ جانتی تھیں کہ نواب شیرواں مرحوم کس قدر پیارے بزرگ تھے اور پھر انہیں یہ بھی یاد آیا ایک لڑکا بڑا جو بہت خوبصورت ہوتا تھا وہاں جس کا نام خسرو اور جو اپنے غرور اور نخوت کی وجہ سے بدمزاج اور لڑاکا مشہور تھا!"

سولھواں[16] پردہ

اونچی دوکان !

بیگم مقصود کے متعلق آپ جانتے ہیں ایک لفظ استعمال کیا گیا ہے "مزاج شناس" چنانچہ بڑی فیاضی سے اُنھوں نے شیریں کو سمجھایا۔

"شیریں جان!" ایک بات کہوں ؟ بُرا تو نہ مانو گی " شیریں نے تیزی سے ڈریسنگ ٹیبل صاف کرتے ہاتھ روک کر مڑ کر دیکھا، آنکھیں کہہ رہی تھیں " یعنی میں "؟ —— ہاں ہاں بھئی تمھیں سے کہہ رہی ہوں!"

" جیسے میں نے ہمیشہ آپ کے کہے کا بُرا مانا ہے " شیریں کا منھ پھول گیا۔

" ہائے اللہ آپ کتنی ظالم ہیں" بیگم مقصود مسکرائیں مخصوص چمکدار جلاء دار مسکراہٹ!

" نہیں بھئی! نہ ہم ظالم نہ تم نادان لیکن ایک بات میں ضرور کہوں گی! مانتی ہوں کہ میجر آفتاب حسن بہت اچھے لیکن اتنے نہیں اور بالخصوص خسرو کی عداوت کے پیش نظر اس حالت میں ہیں، کہ ان کے متعلق کچھ "اور" بھی سوچا جائے، بات یہ ہے پاپا میں تمھیں تو جانتی ہوں —— یہ جانتی ہوں کہ یورپ کہیں تو کچھ کی بات تم کرتی ہو۔ اگر منع کروں گی تو ڈر ہے تم شادی کے لیے تیار نہ ہو جاؤ" وہ مسکرائیں اور شیریں نے بڑا لمبا منھ بنا کر اُنھیں دیکھا " بات بڑی سنجیدہ ہے، اپنے مذاق میں نہ اڑا جانا۔ ویسے مجھے ان سے بیر نہیں لیکن تم یہ تو جانتی رہو کہ تمھارے ابو جان تمھاری مرضی کے کتنے پابند ہیں کیا تم اُن کو یا بیبو

کے گہرے غاروں میں دھکیل دو گی!"

"خیر تو بات ذرا ——— میرا مطلب ہے سنجیدہ معلوم ہوتی ہے!" کہتے

کہتے جھاڑن چھوڑ کر شیریں پاس آبیٹھی

"اور میں چاہتی ہوں کہ تم خود ذرا سنجیدہ ہو جاؤ!!"

"بخدا امی پیاری آپ یقین کر لیجیے، میں بالکل سنجیدہ ہوں!" شیریں واقعی سنجیدہ تھی

"تو پھر اچھی بیٹیوں کی طرح ذرا ہوش سے بات سنو! میجر آفتاب سے اُلجھنے کی بجائے

ذرا سلجھنے کی ضرورت ہے، اِن کی ہمت افزائی ہی نہ ہو کہ بات کہیں کی کہیں پہنچ جائے"

"لیکن آپ یقین کر لیجیے" شیریں بولی "معاملہ یہ نہیں ہے!" اور شرما کر ہنس پڑی

"دیکھا!" امی پیاری نے تنبیہ کی، "اب سنجیدہ بھی ہو جاؤ!"

"ہائے اللہ معاف کیجیے ——— یہ نہ جانے شادی کے نام پر ہنسی کیوں آجاتی

ہے!" شیریں اور سکرائی "لیجیے میں اب بالکل سنجیدہ ہوں ——— البتہ یہ میں بتا دوں

کہ میجر آفتاب دل کا بڑا صاف انسان ہے اور آپ تو جانتی ہیں، میں صفائی قلب پر مرتی

ہوں! اور رہ گیا ان کی مشکلات تو امی پیاری یہ ——— یہ اس خسرو کو کیا کہوں!

اس نے والنٹیئیں ڈھلے، اس کا کیا دھرا ہے سب!"

"اور میرے ابو جان کی رائے؛ تو میں جانتی ہوں، انہیں میجر آفتاب کا رشتہ

پسند ہے لیکن پھر بھی میں آپ کو یقین دلاتی ہوں، اگر بات ایسی ہے تو میں آپ سب کی مرضی

اور پسند کو دھکا نہ پہنچاؤں گی۔ اب میجر کا معاملہ ختم سمجھیے اور اطمینان رکھیے!"

جب سے زاہدہ ریاست فرخ آباد گئی تھی، شیریں کے نام اس کی ڈاک ناغہ نہ ہو پاتی

تھی، دوستی کی یہ انوکھی مثال بڑی پیاری تھی اگرچہ بیگم ریاض اب زاہدہ کو دعا بھی دیتی تھیں لیکن ان کی دعاؤں میں زہر میں بجھے ہوئے تیر کی تلخی ہوتی تھی، یہ انداز شیریں کے لیے بالخصوص بڑا جان لیوا ہوتا تھا، ان کے نزدیک شیریں کا "انکار" کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا زاہدہ کا "قبول" دنیا بھر کی برائی تھا، اِن کے لیے ناممکن تھا کہ وہ اس سے نہ جلیں۔

زاہدہ نے شیریں سے وعدہ لیا کہ عید بعد جب خان بہادر آئیں گے تو وہ بھی ضرور آئے وہ اس کا انتظار کرے گی ——— چشم براہ نظر بردر! چنانچہ اب ہر خط میں تاکید چلی آتی تھی۔ یہی نہیں بلکہ حد یہ تھی کہ اس پہلے خط میں بھی وہ یہ نہ بھول سکی جس میں اس نے، جیسا کہ شیریں نے سوچ رکھا تھا گھر، یہ فرنیچر، باغ، حتیٰ کہ سڑکوں اور بیگم نواب سرقدم سے لے کر پالتو کتوں اور بوڑھے خانساماں تک کا ذکر مع تفصیلات موجود تھا، اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ سلمان بول رہا ہے

"خوب! واہ رے ہز ماسٹرس وائس"! شیریں مسکرائے بغیر نہ رہ سکی اور بیساختہ کہہ اٹھی!

زرینہ کو بیگم مقصود کے ساتھ ریاست، افضل پور گئے: ہفتہ ہو چکے تھے، پہلا خط محض پہنچنے کی رسید تھا البتہ دوسرے خط میں لکھا تھا کہ اس نے رومانہ سے اس کے گھر جا کر ملاقات کی، ملاقات کی خصوصیت، رومانہ کا حیران کن تعجب تھا کہ زرینہ اور یہاں "؟ گویا" زرینہ نے لکھا تھا اس زمانہ میں بھی ان کی حیرت کا عالم یہ تھا اور اگر خدانخواستہ کہیں قرونِ وسطیٰ میں پیدا ہوتیں تو نہ معلوم کیا کر لیتیں"! آگے چل کر لکھا تھا کہ افسوس اس کا تھا کہ رومانہ، ریحانہ شاہ ہنگ کے لیے جا رہی تھیں ورنہ رات ڈنر پہ رخسانہ سے شاید ملاقات ہو جاتی! اور آگے چل کر لکھا تھا ؎

نقشِ نازِ بتِ طنّاز بہ آغوشِ رقیب

پائے طاؤس پئے خامہ مانی مانگے !!

دوسرے ہفتہ کی ڈاک ذرا لمبی چوڑی تھی۔ لکھا تھا

"جان آپا جان ! دعائیں پُر خلوص اور قلبی !۔

لو وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

نہ جانے یہ شعر کیوں یاد آ گیا —— اور چونکہ یاد آیا لہٰذا لکھ دیا گیا، ہاں تو میں دو تین بار جا چکی ہوں۔ غم اس کا ہے صنم کدہ کی ویرانی کی بات ہو جاتی ہے مگر کیا کیا جائے ؎

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ بنے

نہ جانے شنو جان! آج غالب مجھے بہت یاد آ رہا ہے —— ہاں تو تو خوش ہو جاؤ کہ شہر یار کا پتہ ملتا نہیں، پوچھنے پر خسرو کا ذکر آ جاتا ہے، روما نہ نے صاف نہیں کہا لیکن صاف پتہ یہی چلتا ہے کہ عنقریب شادی ہو جائے گی اور سب سے عجیب بات جو تمھیں سنانے والی ہوں وہ روما نہ ریحانہ کا بدلا ہوا رویہ ہے —— میرا خیال ہے یہ لوگ پچھلے جنم میں طوطے ضرور ہوں گے —— ایک بار میرے پاس آئیں مگر کیسے ؛ نہ خط نہ پتر نہ چھپی بلکہ دو حرف نہیں اور اِس پہ بڑی رسمی سی معذرت ——

ہاں ایک بات ہے مجھے اس میں شک ہے کہ شہر یار یہاں آئے اور مجھ سے نہ ملے۔ روما نہ کے بیان کے کذب و افتراء پر حیران نہیں ہوں بلکہ خوش ہوں کہ اس کا باطن میرے سامنے عریاں ہے —— میں بہر حال رجائی ہوں اور شنو جان ! دعا کرو کہ قنوطیت سے دور ہی رہوں کہ زندگی بہت قیمتی شئے ہے !

اچھا خدا حافظ ! امید کہ مع الخیر ہوں گی —— سب کو حسب

مرا آپ سلام ——————

تمھاری آپا زرینہ

نوٹ : اور ہاں شنو جان تم نا ہید کے پاس ضرور چلی جانا، وہ بڑی پیاری دوست ہے، خدا کرے تمھیں یہ سفر وسیلہ ظفر ہو !" —— "ز"

اس خط کو پڑھ کر شیریں کو قدرے صدمہ ہوا اور خوشی بھی کہ اس کا اندازہ کس قدر صحیح ہوتا ہے رومانہ کی یہ رومان بطمیت آفریں —— آخر سچی نکلی نا ؛ کیسے طوطا چشم ہیں یہ لوگ ؛ اللہ توبہ اللہ توبہ !

ساتھ کا خط بیگم مقصود کا تھا جس میں انھوں نے سلمان والے رویہ کے متعلق پھر یاد دہانی کی تھی، شیریں اُن کی فکر اور دور اندیشی پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکی اور فوراً تفصیل سے لکھ دیا کہ آج کل میجر آفتاب، رومانہ، شاہنواز کے چکر میں ہیں —— اگرچہ اس تبدیلی پر کہ شیریں آفتاب کے ساتھ خاصی سرد مہر ہو گئی ہے، عذرا اور خالدہ بہت برہم تھیں لیکن شیریں نے بیگم مقصود کو یقین دلایا کہ یہ ان کا بچپن ہے اور ہر طرح اس کی شخصی اور ذاتی اہمیت ہرگز نہیں ہوئی اور یہ سچ ہے کہ اہمیت بڑا مہنگا سودا ہوتا ہے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ کسی مرد کا خوبصورت ہونا سب سے بڑی خوبی نہیں، اس کے ساتھ ایسے خوبصورت مرد کو زندہ بھی رہنا ہوتا ہے، اور ایک ایسا انسان جس کی دولت لیت و لعل میں پڑی جھول رہی ہو کیا کر سکتا ہے ؟

زرینہ کو فضل پور گئے کافی دن ہو چکے تھے، بارشیں ختم ہو رہی تھیں، ہر طرف جو چپ چپ سی لگی رہتی تھی وہ اب ختم ہو چکی تھی، کھانے پینے میں لطف آنے لگا تھا، دراصل ہر شے کی انتہا بری بلکہ ناقابلِ برداشت ہوتی ہے اسلام کے فطری مذہب ہونے کا ثبوت

یہی ہے کہ یہ مذہب "صراطِ مستقیم" پر چلنے کا مدعی ہے۔ ——— پُل صراط اس کا معیار ———!"

زاہدہ کا بارھواں خط پڑھ کر شیریں مسکرائی ——— اب تو ضد اور ہٹ کی حد تک وہ پہنچ چکی تھی، مدعو کرتے کرتے بے چاری جیسے عاجز آ رہی تھی

"واقعی"! شیریں نے سیڑھیوں کی ریلنگ پر جھولتے ہوئے کہا "پھر میں "فلک نما" کی سیر کر ہی آؤں، "کوہِ طور" تو نہیں ملتا ———"! امی نے آنکھیں گھمائیں وہ خود بخود چمک اٹھیں

"اے تو جاتی کیوں نہیں کوٹی میں تالے ڈالے بیٹھی ہوں"؟ پان لگاتی گئیں "ہاں میں ضرور کہوں گی کہ بابا جاؤ تو لوٹ بھی جلدی آئیو کہ کہیں وہی مثل نہ ہو "گو بھن بھی چیٹ، پھر بھی چیٹ جاؤ تو یوں کھو جاؤ کہ پلٹ کر خبر بھی نہ لو"۔ شیریں کا چہرہ کھِل اٹھا ———

"لیکن امی راستہ میں افضل پور پڑے گا وہاں آپی زریں ہے اُن سے مل کر آگے جاؤں گی"!

پان منھ تک لے کر امی رک گئیں اور فرضیہ کو مخاطب کیا

"لو اور سنو! اے تو کیا اُس سے بغیر ملے چلی جاؤ گی ——— اور اسے دیکھنا بے ایمان کو جب سے گئی ہے لوٹنے کا نام نہیں لیتی"!

"اے تو کیوں لے گی نام"؟ مسٹر ریاض لائبریری سے نکلتے ہوئے بولے۔ "کسی غیر کے گھر تھوڑا ہی گئی ہے اس کے اپنے ماموں ہیں ——— اور پھر ممانی بھی۔ مقصود دلہن جیسی۔ بھئی یہ لڑکی ہمیں بے حد پسند ہے؛ وہ بھلا اسے آنے دیتی ہو گی"؟

——— اور بالآخر جانے کا پلان تیار ہوا جیسے عام طور پر ہوتا ہے۔

شیریں کو جہاں جانے کی خوشی تھی وہاں صرف غم اس بات کا تھا کہ ابّو کو چھوڑنا پڑے گا۔

اور ابا میاں بھی کچھ کم پریشان نہ تھے، بہت کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح رک جائے اور پروگرام ہی نہ بنے لیکن بالآخر مجبور ہو گئے۔

رخصت کا منظر ——— بالخصوص ذرا دور جب کوئی گھر سے جاتا ہے ——— خاصا دلچسپ ہوتا ہے، شیریں چلنے کو تیار ہوئی تو بیگم ریاض رو پڑیں۔

"ہائے توبہ اب گھر پڑا بھائیں بھائیں کرے گا ——— !" انھوں نے مسٹر ریاض کو مخاطب کیا "اے تم سنبھال لیتے ذرا گھر تو میں بھی ہو آتی" مسٹر ریاض کو چپ لگی تھی ——— وہ یوں ہی کم گو انسان اور جذبات نے اور بڑے بھاری تالے لگا دیے، بیگم ریاض کی طرف آنکھیں جھپکائیں اور پھر نظریں جما کر دیکھنے لگے، بیگم نے گردن کو جھٹکا دیا اور پان چبا کر بولیں۔

"ہونھ ! اب کیسے چپی لگی ہے جیسے منھ میں زبان نہیں، جہاں مطلب کی بات آئی اور بس ——— اے میں تم خوب سمجھتی ہوں !" اتنا کہا مگر وہ خاموش ہی رہے، اب وہ شیریں پر سے ہو کر برآمدہ میں دیکھ رہے تھے، جہاں میجر آفتاب داخل ہو رہا تھا۔ ایک دم چونک کر بولا ———

"ہئیں ہیں ہیں ! ارے بھئی کہاں کے ارادے ہیں ؟" اور شیریں کی طرف ہاتھ بڑھا دیا "میں پوچھتا ہوں کیا آج واقعی ارادہ کر لیا، شیروان گڑھ کا ؟"

"جی ہاں !" شیریں نے یہ کہکر آنکھیں اوپر کو اٹھائیں، بڑا دلکش انداز تھا لیکن آفتاب کے دل میں اب وہ جذبہ نہ تھا جو آج سے دو ماہ پہلے تھا اب جب سے بیگم مقصود کی ایما پر شیریں بدل گئی تھی آفتاب اس سے زیادہ بدل گیا تھا۔ البتہ دونوں بڑے پُرخلوص انداز سے ملا کرتے خصوصاً شیریں بڑے خلوص کا اظہار کرتی اور محسوس کرتی کہ خواہ شادی شدہ ہو جائے

کہ گنوارا ہے یہ انسان لیکن رہے گا ہمیشہ میرا پسندیدہ شخص کہ اس میں دوسروں کو خوش کر دینے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے اور یہ جو آج کل لوگ الفاظ سے کھیلتے ہیں کہ اگر کسی نے (بالخصوص کسی لڑکی یا لڑکے نے) کہہ دیا کہ فلاں مجھے پسند ہے تو اس کا مطلب لازمی طور پر یہی نکالا جائے گا کہ وہ اس پر مرنے لگا ہے (یا لگی ہے)
حالانکہ دنیا میں انسان ایک دوسرے کی خوبیوں کو پسند بھی کر سکتا ہے اور دوستانہ تعلقات بھی رکھ سکتا ہے۔ —— اسی طرح لفظ "محبت" اور دوست کے معنی غلط سے غلط تر کیے جاتے ہیں! اور شیریں اس سے بلند تھی، ممانی کے کہنے سے اس نے دوسرا خیال چھوڑ ضرور دیا تھا اور اس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ اس کا معیار ہی دوسرا تھا، مگر پھر بھی ایک دوست ایک بھائی کی حیثیت سے اس کو اب آفتاب کے ساتھ زیادہ خلوص تھا!

اور آفتاب میں بھی اس خلوص کا جواب نظر آتا تھا، شاید یہ نہ بھول سکا تھا کہ شیریں وہ پہلی لڑکی تھی جس نے صحیح معنوں میں اس کے جذبۂ محبت کو جگایا تھا جو اس قابل تھی کہ اسے قابلِ دید کہا جائے، جس نے اس کی داستانِ مصیبت انتہائی ہمدردانہ انداز میں سنی تھی جس کو اس نے سب سے پہلے پسند کیا تھا، جس کے خدا حافظ کہنے کا انداز بھی اس کا اپنا تھا جس کو اس کی خوشی اور غم کا احساس تھا —— وہ بیگم نواب سرقدر کے پاس جا رہی تھی اور آفتاب کو یقین تھا کہ بیگم کے اعلیٰ معیار کو اس لڑکی سے ٹھیس ہرگز نہیں پہنچ سکتی!

راستہ بھر شیریں نہ جانے کن کن خیالوں میں گم رہی، یوں کہ خان بہادر چاہے جو کچھ ہوں دماغ کے خالی تھے —— ان کے لیے پکا درباری رنگ اور گھوڑا گاڑی کے پہیئوں کی گھڑ گھڑ کا ایک معیار تھا، حالانکہ شیریں کو نامعقولیوں سے پیار تھا مگر نامعقولیت جب بیہودہ پن کی حدوں کو چھونے لگے تو پھر اسے کوئی کہاں تک اور کب تک برداشت

کر سکتا ہے! اور پھر اُن کے پاس اب "نئی" کوئی بات نہ تھی سارے گھسے گھسائے پرانے بلکہ "پورانے" قصے اور لطیفے تھے ——— انھوں نے پچھلی جنگ عظیم میں جو بھی تیر مارا ہو یا بندوق چلائی ہو اب ان کے اخلاق اور معلومات کو کافی دیمک لگ چکی تھی۔

ساڑھے چار سو میل کا فیصلہ اور موریس نمبر ۸ ماڈل ۴۸ء میں وہ لوگ گھسیٹ رہے تھے، نہایت سویرے چونکہ چلے تھے لہذا دن سے پہلے پہلے وہ ریاست افضل پور میں پہنچ گئے، شیریں نے دور سے دیکھا کھڑکی سے زرینہ کھڑی جھانک رہی ہے ——— بے تاب چشم براہ اور نظر بر در!!

دونوں بہنیں لپٹ لپٹ کے ملیں، خان بہادر نے مخصوص قہقہے انڈیلے اور بیگم مقصود نے ایک سانس میں سب کی کیفیت پوچھ ڈالی !

ہر طرف مسرت ہی مسرت تھی

سارا دن معلوم ہوتا تھا عید آگئی ——— چھپا چھپ شاپنگ بھی ہوئی سیر بھی اور رات کو سینما کا پروگرام بن گیا

بستر پہ لیٹے تو شیریں ذری کی ذری حمانی کے بستر میں لیٹ گئی اور سر جوڑ لیا ! مضمون تھا "بہن" ——— اور شیریں کو واقعی دکھ ہوا کہ حالات کی پیچیدگی کی وجہ سے زریں ویسے ہی بلکہ اُسے کچھ اور دکھ ہو گیا ہے ——— اور یہ کہ "کاشانہ" والوں سے تعلقات بس ختم ہی سمجھو معلوم ہوتا ہے جیرت رومانہ کو ہو گئی ہے !

بیگم مقصود آفتاب کو نہ بھولی تھی وہ بھی زیر بحث آیا

"مگر یہ روبینہ کون ہے ؟"

"آپ بھی کمال کرتی ہیں امی پیاری روبینہ کو نہیں جانتیں آپ ——— نذیر جنگ

تکی بھتیجی ——— وہی جس کے بال خوب گھنے سے ہیں اور گھنگھریالے بھی ——— !"

"اوہ وہ ! ارے ہماری روبینہ ؟" بیگم مقصود کو نہ جانے کیوں دُکھ ہُوا ! افوہ پھر میری دوست کا کیا بنے گا ، تاجر کہیں کا ؟ شیریں چونک پڑیں ؟

"یعنی ! یعنی یہ تاجر کیسے آفتاب تو بقول آپ کے ہواؤں میں ڈول رہا ہے۔"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے ؟ تمھیں نظر نہیں آتا ؟ کہاں تو تمھارے پیچھے دیوانہ تھا ، کہاں روبینہ نذیر پسند آ گئیں ، لو اچھا سودا ہُوا ۔" شیریں نے بھوؤں میں گرہ ڈالی

"مگر مامی پیاری سودا کیسا ؟" بیگم مقصود نے ٹھوکا دیا

"سودا ؟ اسے یہ سودا نہیں تو اور کیا ہے ؟ اب جانتا ہے کہ روبینہ نذیر کی وفات پر اس کی جائداد کی وارث ہے ! اور ڈیڑھ لاکھ سالانہ کی جاگیر ہے ! افضل پور میں ! اور رک کر کہا " مجھے یقین ہے روبینہ تباہ ہو جائے گی ، صرف دولت سے عقل کہیں ملتی ہے ؟ اس لڑکی کے بھیجہ نہیں ہے شروع ہی سے " شیریں ہنس پڑی

"تو کیا بھیجہ ورثہ میں ملتا ہے " اور ہنس کر بولی " مامی پیاری روبینہ کے ہم دوست ہیں اگر اُسے آفتاب پسند ہیں تو ہمیں کیا اعتراض ؟"

"بیگم مقصود نے ٹھنڈی سانس بھری " یہ سب سچ ، لیکن یہ آفتاب مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا ، پکا مطلبی ہے " تجروٹا " کہیں کا ؟"

"خوب خوب !" شیریں لوٹ ہو گئی " ہائے اللہ یہ " تجروٹے " کی بھی ایک رہی ، یعنی گھٹیا قسم کے تاجر پن کے لیے میرے اللہ اس سے اچھی ترکیب ہو ہی نہیں سکتی ، مامی پیاری آپ بھی الفاظ کی منٹ ہیں بجائے ٹکسال !"

"اے چل ہوش کی دوا کر آئی وہاں سے ٹکسال کی سگی !" اور دونوں ہنس پڑی

"اچھا اچھا لیجیے وہ تاجر سہی اور روبینہ بے وقوف!"

"یہ بات نہیں، شیریں! مجھے افسوس اس کا ہے کہ روپ نگر کا رہنے والا لڑکا اور اس قدر بدطینت!"

"اچھا تو یہ بات ہے!" شیریں بولی "آپ اطمینان رکھیے گا، روپ نگر والوں کے متعلق میری رائے بڑی بُری ہے! اور ایسے ہی کاشانہ والوں کے متعلق۔ بخدا امی پیاری میں تنگ آگئی ہوں، ان قصوں کو سن کر، ——— خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے میں کل ایک ایسے آدمی کے پاس جا رہی ہوں جس میں ایک بھی پسندیدہ بات نہیں! جس میں نہ اخلاق ہے نہ عقل! میرا تو خیال ہے کہ دنیا میں صرف نامعقول مرد ہی ایسی شئے ہیں کہ جن کو جاننا ضروری ہے: جو اس قابل ہیں کہ انھیں جانا پہچانا جائے!"

"اچھا اچھا شنو جان! اب بس کرو!" بیگم مقصود نے ہنستے ہوئے کہا "اب تو تمھاری باتیں ہمارے مزے کا رنگ ہی بدل دیں گی، ایسی باتوں سے سخت قسم کی قنوطیت پیدا ہوتی ہے!"

چلنے سے پہلے مقصود صاحب نے شیریں سے کہا وہ لوگ اس ماہ کے تیسرے ہفتہ دورہ پر جا رہے ہیں، سواری بھیج دی جائے گی چلی آنا۔

"لیکن کہاں کہاں کی سیر ہو گی؟" شیریں مارے مسرت کے چیخ اٹھی "ماموں جان کہاں کہاں کی" اور باہیں گلے میں ڈال کر جھولنے لگی۔ انھوں نے محبت سے اس کی پیشانی چوم کر کہا

"جھیل شمشاد سے لے کر کوہ مری، ایبٹ آباد اور درہ خیبر تک! سچ شنو پیاری بڑا لطف آئے گا۔"

"اوئی ہوئے! درہ خیبر اور جھیل شمشاد! ہائے ماموں پیارے آپ نہیں جانتے ہیں

کتنی خوش ہوں کتنی خوش، کتنی خوشیاں، کیسی مسرتیں! آہاہاہا! مجھے تو نئی زندگی مل جائے گی، ہائے مام آپ کو کیا معلوم مجھے سفر اور پہاڑوں کے سفر سے کتنا پیار ہے۔

"اے غم واندوہ! اور اے ناامیدیو! ناکامیو! مایوسیو!! الوداع" الوداع!!!

"مام! اس میں کوئی شک نہیں پہاڑوں، دریاؤں، جنگلوں اور جھیلوں کے پاس انسان کی کوئی اہمیت نہیں ——— اور اس میں کوئی شک نہیں کہ فطرت کے ان عظیم الشان پیارے مظہروں سے بعض انسانوں کو پیار تو کجا ان کی اہمیت کا علم بھی نہیں ——— لیکن ——— لیکن جب "ہم" ان سب سے ملیں گے، تو پھر ——— ؟

"تو پھر مام! اپنے تصورات کی دنیا میں ان کی دیوانی ہانڈی نہیں پکائیں گے ———

"ہمارے پاس مام! ہر ایک منظر و مظہر حسن فطرت کے الگ الگ معنی ہوں گے الگ الگ وابستگی، الگ الگ عقیدت، الگ الگ محبت اور الگ الگ تصور!

"اچھا مام! آپ کی دعوت کا بے حد شکریہ! ——— میں حاضر ہو جاؤں گی" اور پھر بہن کی صحت کی تعریف کرتی ممانی سے پیار کرتی وہ رخصت ہو گئی

دن چڑھتے چڑھتے وہ ریاست شیروان گڑھ کی حدود میں بڑھتے جاتے تھے" اور دور سے اونچی پہاڑی پر "فلک نما" محل نظر آنے لگا تھا، پاس ہی وہ کوٹھی بھی ——— سبز سبز درختوں کے جھنڈ میں سرخ سرخ چھتیں اور پس منظر میں ہلکے نیلے رنگ پر سفید سفید روئی کے گالوں جیسے بادلوں والا آسمان! معلوم ہوتا تھا کسی خواب کی دنیا میں آ گئی ہے یا کسی انگریزی پینٹنگ کو دیکھ رہی ہے۔

پورچ میں گاڑی رکی تو کھڑکی کے شفاف شیشہ سے سلمان کا اخلاق سے بھرپور

مسکراتا ہوا چہرہ نظر آیا ! اس کے پیچھے زاہدہ ہمہ مسرت و نغمہ بنی دکھائی دی !

اس جوش و خروش سے زاہدہ ملیں کہ لطف آ گیا اور سلمان ! تو جیسے معلوم ہوتا تھا کچھ ہوا ہی نہیں، خاص طور پر شیریں سے گھر کی باتیں پوچھی گئیں حتیٰ کہ جھبلے کو بھی پوچھا گیا دعائیں سلام انتہائی اخلاق سے لیے گئے۔ و بڑے پر تپاک انداز میں جواب بھی دیے گئے، مختصر یہ کہ شادی نے تعلقات خراب نہ کیے ! بلکہ بڑی بھڑکیلی خاطر و مدارت" اور چمکتی ہوئی خوش "اخلاقی" سے بار بار اس نوازش کا شکریہ ادا کیا گیا کہ اس کی اور اس کی بیوی کی "درخواست" پر اس غریب خانہ میں قدم رنجہ فرما کر ممنونیت کا موقعہ عنایت فرمایا گیا !!

شیریں پہلے سے اس سب کی توقع لے کر آئی تھی اور جب گھر کا ایک ایک کونہ اور ایک ایک تنکا دکھایا گیا تو اس نے قطعی محسوس کر لیا کہ اس کا مطلب یہ جتانا ہے کہ اتنا اچھا" موقع تم نے کھو دیا اور شیریں نے مسکرا مسکرا کر یوں حیرانی کا اظہار کیا جیسے ایسی چیزوں کا دیکھنا تو کجا اُسے سننا بھی نصیب نہ ہوا تھا اور فطری شرارت سے مجبور ہو کر وہ چار بار اپنی عزیز ترین دوست کی طرف دیکھا اور کچھ کہا کہ "کس طرح وہ اس "انسان" کو برداشت کر لیتی ہے"؛ مگر وہ بھی ایک کائیاں نکلی وہ کمال ہوشیاری سے یوں گول کر گئی کہ جیسے سنا ہی نہیں !

چاء کے بعد سب لوگ "باغ" میں نکل گئے، کوٹھی تک باغ کوئی میل سوا میل کے قطعہ میں پھیلا ہوا تھا، سلمان نے بڑے انہماک و اہتمام کے ساتھ درختوں کی تاریخ سنانی شروع کی کہ فلاں درخت اتنے سو سال کا ہے اور اس کی یہ یہ کرامت ہیں اور اُسی جگہ سے "فلک نما" کے ایک ایک پہلو پر بحث چھیڑ دی ! وہ تو نہ معلوم کہاں تک سلسلہ چلتا کہ بیرے نے آ کر بتایا محل میں بلایا جا رہا ہے اور سلمان یوں بدحواس بھاگا جیسے معلوم ہوتا تھا سخت عتاب زدہ انسان ہے ۔

اور اب زاہدہ کی باری تھی ——— شیریں حیران تھی کہ کس طرح یہ لڑکی سلمان کے رنگ میں رنگ اٹھی ہے، باتوں باتوں میں پتہ چلا کہ محترم بیگم ہفتہ میں دو بار کھانے پر اور دو بار چائے پر بلاتی ہیں۔

"اور شیریں پیاری میں نے جب تمہارا ذکر کیا تو انھوں نے بکمال مہربانی مجھے اجازت دے دی کہ میں تمھیں ضرور لایا کروں"!

"اور شیریں بھئی کیا بتاؤں کس قدر عالی ظرف ہیں لیڈی صاحبہ" سلمان بھی آ چکے تھے اور آ چکنے کا ثبوت دیا کہ ہمیں کبھی پیدل واپس نہیں آنے دیتی، ہمیشہ سواری کا بندوبست ہوا رہتا ہے۔ میرا مطلب ہے ان کی کئی ایک گاڑیاں ہیں ان میں سے ایک ہمارے لیے وقف رہتی ہے"!

ہائے شیریں پیاری تم دیکھو گی تو تمھیں پتہ لگے گا ——— بابا بعض اوقات تو اُن کی پر رعب شخصیت کے سامنے منھ سے بات نکلنی دشوار ہو جاتی ہے ——— اور سلمان نے بات کاٹی

"بھئی یہ تو عورت ہیں ——— اکثر میں گم ہو جاتا ہوں میرے منہ سے بات نہیں نکلتی"!

غرض سونے کے وقت تک یہی چرچے رہے ——— شیریں آٹھ گھنٹوں میں یہ "ذکر شریف" سنتے سنتے عاجز آ گئی ——— تقریباً بولا اٹھی!

دوسرے دن دوپہر کے کھانے کے بعد شیریں اپنے کمرے میں بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی اور پڑھتے پڑھتے سو گئی، نہ جانے کتنی دیر سوتی رہی کہ زاہدہ نے آ کر جھنجھوڑ دیا۔

"شیریں شیریں! اٹھو تمھیں ایک چیز دکھاؤں" اور کوٹھی کی سیڑھیوں پر دھڑام دھڑام

کوئی دوڑتا ہوا بے تحاشہ اُسے آوازیں دیتا چلا آرہا ہے اس آواز سے اس کی آنکھ کھل رہی تھی کہ بری طرح جھنجھوڑ دی گئی وہ بوکھلا کر اُٹھ بیٹھی !

"کیا بات ہے ؟ بات کیا ہے زاہدی ؟"

"تم چلو تو چلو تو تم ؟" اور جب وہ بوکھلائی تو دیکھا برآمدے کے سامنے دو بیگمات ایک بڑی خوبصورت کھلی فٹن میں بیٹھی ہیں۔

"باس !" شیریں نے سنجیدہ ہو کر پوچھا "میں تو سمجھی تھی چڑیا گھر سے نئے چیتے نہ نکل بھاگے ہوں۔ ——— ؟ تو یہ ہیں تمھاری بیگم نواب سرقدر، اور مس سرقد — ؟"

"اوہ ہو !" زاہدہ اس جہالت پر جل اٹھی "اسے ہے اللہ تم اتنا بھی نہیں جانتیں ؛ بابا یہ انساتی نوشابہ بیگم ہیں اور ہاں دوسری ہستی کو تم نے ٹھیک پہچانا" شیریں نے دیکھا ایک سوکھی ہڈی چمگادڑ ایسی لڑکی بڑے ناک چڑھے انداز میں بیٹھی ہے ۔ اور بڑے غرور کیساتھ سلمان کے بچھے بچھے انداز پر مسکرا مسکرا کر داد دے رہی ہے ۔

"ہائے کتنی پیاری ہیں —" زاہدہ نے کہا، مارے پسندیدگی کے جذبات اسکا منہ سرخ ہو رہا تھا

"تو تم ملوگی نہیں !"

"ہائے نہیں، بابا !" وہ جلدی سے بولی "توبہ توبہ اس لباس میں ملونگی ؛ وہ تو سلمان نے بتا دیا کہ میں ابھی خواب گاہ میں ہوں !"

"ہاں بڑی موزوں بیوی ہے" شیریں نے ہولے سے مسکرا کر کہا اور زاہدہ مارے حیرت کے منہ کھولے کھڑی رہی

"اے ہوش ہیں جناب : میں نے کہا کس کی بیوی ؟" اور یکایک اسے یاد آگیا "شیریں یہ غلط ہے خسرو سوائے تمھارے اور کسی کا ہو نہیں سکتا" شیریں نے جلدی سے اس کا منہ بند کر دیا

"ہائے ! بدفالی، کیوں کرتی ہوں" اور تڑپ کر بولی !

سترھواں پردہ :-

مجسّمِ غرور!

سلمان کی منشاء کے عین مطابق یہ موقع سنہری تھا، اپنی عظمت وشوکت، شان وحشمت کے جو ترانے وہ سنا سنا کر سب کو لوریت کے گہرے پانیوں میں ڈبو تا رہتا تھا اس کے عملی طور پر دکھانے کا اب زمانہ آگیا تھا ——— چنانچہ اسی لیئے وہ زاہدہ سے ہمیشہ اصرار کرتا رہا کہ سب کو مدعو کرے بالخصوص شیریں کو ——— جس کو کھو دینے کی ہلکی سی کسک اب بھی اس کے دل میں کبھی کبھی چمک اٹھتی تھی!"

مس سرقدر کو رخصت کر کے اور ان کی غٹن کے نظروں سے غائب ہو جانے کے بعد سلمان اندر آیا، چہرہ سرخ سرخ ایک دم گلنار ہو رہا تھا ٹائی کو درست کرتے ہوئے گردن کو ایک خاص اسٹائل سے دو بار ادھر ادھر گھما کر آنکھیں مسکائیں اور بمشکل جذبات پر قابو پا کر بولا

"شیریں! بھئی تمہارے خوش قسمت ہونے میں شک کرنے والا کافر ———

جیسے ہی محترم بیگم صاحبہ کو علم ہوا کہ میرے مہمان آگئے ہیں انھوں نے ان کی قدر افزائی کے لیئے خاص طور پر مس سرقدر کو بھیجا کہ آج رات کھانے پر مدعو کر آئیں۔ میں کہتا ہوں اخلاق کی دنیا کی بیگم صاحبہ بادشاہ ہیں ——— اُف! کس قدر دریا دل اور فیاض کہ حاتم بھی ایک بار قبر میں شرما کے رہ جائے۔

"یعنی تم خود سوچو زاہدہ! میرا مطلب ہے شیریں! کہ یہ تمہاری خوش قسمتی کی کتنی کھلی

دلیل ہے!

"واقعی بھائی جان! آپ کی بیگم سر قدر تو بے حد مہربان اور نیک دل معلوم ہوتی ہیں!"

شیریں کو تو اگر کسی کو بنانے کا موقع ہاتھ آجائے تو وہی بات ہوئی اللہ دے بندہ لے!

اور بڑی سنجیدہ شکل بنا لی، سلمان پھول اٹھا، ہاتھ پہ ہاتھ مار کر بولا

"ارے اور کیا ہے سے آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟ میں کہتا ہوں ذرا وہاں چلوگی تو پتہ چلے گا۔ اور رک کر کچھ سوچا اور ٹھیک ہے بھئی! بس اب سب کچھ وہاں چل کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا!" خان بہادر غسل خانہ سے دروازہ تک آ گئے تھے ——— وہیں سے پوچھا

"کیا دیکھیں بھئی کیا دیکھیں کچھ ہمیں بھی تو بتاؤ!" اور کھلکھلا کر ہنس پڑے — حسبِ عادت!

جب تک خواتین کپڑے پہنتی اور بنتی سنورتی رہیں نہ جانے کتنی بار سلمان نے دروازہ تھپتھپایا۔

"میں کہتا ہوں ——— جلدی ——— جلدی — بیگم صاحبہ کو وقت کا بڑا خیال رہتا ہے ——— تمہیں اکثر خیال رہے!!"

اور شیریں کو دیکھ کر تقریباً چیخ اٹھا۔

"ارے شیریں یہ کیا اس قدر سادہ لباس؟ کیوں بھئی زاہدہ؟ اگر ——— یعنی میرا مطلب ہے کہ اگر یہ کپڑے نہیں لائی تھیں تو تمہیں تو پہنایا نا چاہیئے تھا!" شیریں مسکرائی

"بھائی جان! میں جانتی ہوں وہ بہت بڑی آدمی ہیں، اور یہ سادہ سفید لباس میں نے عمداً پہنا ہے ——— آپ تو جانتے ہی ہیں بڑے لوگ اپنے برابر دوسروں کو

دیکھ کر خوش نہیں ہوتے ———— یہ اُن کی نفسیات ہے ———— اور میرا یہ لباس اسی کیفیت کا ترجمان ہے شرط لگا لیجیے وہ زاہدہ بہن سے مجھے زیادہ پسند کریں گی! لگا لیجیے شرط؛ اس نے ہاتھ پھیلا دیا، سلمان کے لیے مقطع میں بات پڑ گئی وہ آفت کا پرکالہ اس سادہ سفید ریشمی لباس میں جس پر مہین مہین کامداتی دامن اور بیل بنی تھی بڑی صبر آزما ثابت ہو رہی تھی، سلمان نا خوش ہو گیا ———— نہ جانے اس نفسیاتی مار سے مار کھا گیا کہ جذبات نے تالے لگا دیے۔

"اب باندھیے نا شرط! اُسی زندگی سے شیریں بولی" خاموش کیوں ہو گئے کہ گھنٹی بجی، بیرے نے آکر کہا کہ حضور آپ نے فرمایا تھا اس وقت گھر سے چلیں گے ———— میں نے یاد دلایا ہے!"

اچھا بھئی اچھا شکریہ ———— شکریہ! اور پلٹ کر زاہدہ سے کہا "ہاں بھئی چلو چلو!"

فلک نما سے سلمان کی کوٹھی کوئی چار فرلانگ ہوگی، ٹہلتے ٹہلتے یہ لوگ پہنچ گئے راستہ بھر سلمان شیریں اور خان بہادر کو بتایا گیا کہ کھڑکیاں کتنی ہیں، ان پر رنگ کا کیا خرچ آیا تھا سالانہ صفائی پر کس قدر خرچ آتا ہے ————

جوں جوں قریب پہنچ رہے تھے خان بہادر پر رعب کے دورے تیز ہوتے جا رہے تھے اور سلمان سُرخ سے سُرخ؛ زاہدہ بھی گھبرائی ہوئی سی نظر آتی تھی، ایک شیریں تھی جو بڑے لطف کے ساتھ احساس کمتری کے اس مظاہرہ کو دیکھ رہی تھی نہ اس کو پسینے چھوٹ رہے تھے نہ اس پر رعشہ طاری تھا۔

صدر دروازہ سے گذر کر یہ لوگ ایک برآمدہ میں پہنچے جس کی خوبصورتی اور نفاست

گرمہ سلمان نے ایک ادائے خاص سے واضح کیا، دو بیرے ان سب کو لے کر ایک ضمنی قسم کے ڈرائنگ ہال میں پہنچے، جہاں بیگم نواب سرقدر، مس نواب سرقدر اور استانی نوشابہ بیگم اونچی اونچی عنابی رنگ کے مخملیں گدوں والی کرسیوں پر بیٹھی تھیں، ان کرسیوں پر سنہرا کام بنا ہوا تھا۔ ان لوگوں کو دیکھ کر کمال مہربانی اور مرحمت بیگم استقبال کے لیے اٹھیں اور اس قدر افزائی کا شکریہ ادا کرتے کرتے سلمان زمین بوس ہوتے ہوتے رہ گئے

پہلے سے طے ہو چکا تھا کہ تعارف زاہدہ کروائیں گی لہٰذا یہ مہم بڑی خوبی سے ادا ہو گئی خان بہادر اس عظیم الشان محل اور شان و شوکت سے اس قدر مرعوب ہوتے کہ بات مشکل سے منہ سے نکل رہی تھی اور بیگم کے بیٹھتے بیٹھتے وہ بیٹھ چکے تھے اس حرکت پر سلمان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں! بیگم نواب سرقدر لمبے قد، چھریرے مگر مضبوط بدن کی بڑے نمایاں نقوش کی عورت تھیں، کھنڈر بتا رہے تھے کہ عمارت حسین تھی! ناک کا خوبصورت پن، اور آنکھوں کی چمک اب بھی پچھلی یاد کی نشانی تھی! ہر حرکت سے ظاہر ہو رہا تھا انھیں اپنے سامنے والوں کے کمتر ہونے کا بے حد احساس ہے، ہال میں کافی خاموشی تھی، بہت دیر دیر بعد وہ بولتیں اور جب بولتیں تو محسوس ہوتا اس آواز میں دبدبہ ہے! اقتدار ہے اور یہ کہ ان کو اپنی اہمیت کا قوی احساس ہے اور اسی احساس سے سلمان کی آنکھیں خالی تھیں ——— اور اسی احساس کو نسرین نے پہلی نظر میں تاڑ لیا۔

ماں کا جائزہ لے کر اس نے بیٹی کو دیکھنا شروع کیا، اس کے چہرے میں خسرو کی بڑی جھلک تھی اور توبہ! کتنی سوکھی سڑی مرکھنی یہ لڑکی تھی کہ اس کی طبیعت اوب اٹھی! اسے جھرجھری آگئی، ماں اور بیٹی میں جیسے زمین اور آسمان کا فرق، وہ شہادت وہ عظمت جو ماں کے اندر تھی بیٹی میں اس کا ہلکا سا شائبہ بھی نہ تھا مس نواب سرقدر تو بس چھوٹی

موٹی سے گذر کر ــــــــــ اللہ جھوٹ نہ بلوائے بالکل دق کی مریض تھیں! بڑی ہی تیسرے درجہ کی معمولی سی شکل و صورت بلکہ ایمان کی تو یہ بھی کہ یقین نہ آتا تھا یہ بیٹی ہے ــــــ بے پالکوں کے انداز بھی ٹھیک ہوتے ہیں!"

اُستانی عطیہ بیگم کرسی جوڑے پاس ہی بیٹھی جھک جھک کر اس کی باتیں سنتی جاتی تھیں اور سر ہلا ہلا کر ان کی تصدیق کرتی جاتی تھیں، آواز میں عجیب گنگناہٹ تھی کہ بات صاف سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

دو تین ــــــــــ یا زیادہ سے زیادہ پانچ دس سوالات جوابات ہوئے اور پھر ان سب کو ایک کھڑکی کے پاس بھیج دیا گیا کہ ذرا منظر کی یہاں سے خوبصورتی دیکھیں ــــــ مطلب شاید یہ تھا کہ خود فطرت کا منظر اتنا دلکش نہیں جس قدر یہ کھڑکی اسے حسین کر دیتی ہے! سلمان نے بڑی سعادت مندی سے اس "حقیقت" کو تسلیم کر وایا اور منظر سے زیادہ کھڑکی کی خوبیوں پر روشنی ڈالی۔

اس میں کوئی شک نہیں ڈنر نہایت شاندار بلکہ "خوبصورت" کہنا زیادہ مناسب ہوگا تھا! اور جیسا جیسا سلمان نے کہا تھا اُس سے کہیں بڑھیا برتن تھے، ایک ایک چیز سے نفاست اور امارت ٹپک رہی تھی البتہ کھانے کا جس قدر لطف شیریں نے لیا شاید ہی کسی نے لیا ہوگا ہر نئے "کورس" پر "سروس" کی خوبیوں سے لے کر اس "پکوان" پر حیرت کا اظہار اور مزہ کی تعریف دیکھنے کی چیز تھی۔ سلمان اور خاں بہادر کی پکوان سے اس "جہالت" پر بیگم سرقدر کو بڑا اسکون ملا اور انھوں نے بے حد اخلاق سے مسکرا مسکرا کر بار بار شکریہ کہا ــــــــــ البتہ انداز میں نمایاں بے جد تھی۔

بیٹھک میں آنے کے بعد کافی لائی گئی اور بیگم نواب سرقدر نے بولنا شروع کیا، شیریں یہ برابر نوٹ کر رہی تھی کہ بیگم اپنے ہر لفظ کو حرفِ آخر سمجھتی ہیں، اور یہ بڑی اچھی بات تھی کہ خان بہادر

اور سلمان ساتھ ساتھ زاہدہ تک ہر بات پر ہاں ضرور کرتے تھے، شیریں کے تعارف سے ہی وہ برابر بار بار شیریں کو دیکھ رہی تھیں، کھانے پر بھی یہی ہوا، اور اب تو از راہ کرم انھوں نے اُسے اپنے پاس صوفے پر بٹھایا تھا اور اب اُسے بار بار اس کی تعلیم، گھر، بھائیوں بہنوں، ماں باپ دوستوں وغیرہ وغیرہ کے متعلق بہت کچھ پوچھ چکی تھیں پھر وہ خان بہادر اور دوسروں سے بولنے لگیں، یکایک پلٹ کر پوچھا۔

"اچھا تو سلمان ہی کے ابا کے ساتھ مل میں تمہارے ڈیڈی شریک ہیں، ؟ شیریں نے اثبات میں سر ہلایا انھوں نے ساتھ ہی پوچھا " پیانو سے شوق ہے تمہیں؟"

"جی کچھ کچھ ———— !"

" اچھا تو بڑی خوشی کی بات ہے ———— میں تمہیں ضرور سنوں گی، بیگم سلمان کسی دن ان کو لے آنا، پروگرام ہم بنالیں گے، تمہاری بہنیں بھی بجالیتی ہیں ؟"

"جی ہاں ———— ایک اور بہن بھی بجاتی ہیں ————!"

"مگر یہ سب کیوں نہیں بجاتیں ؟ مسز ویبز سے سیکھو انفیل پورا کیا، میں تو کہتی ہوں پورے پاکستان میں اُس کا جواب نہیں! یہ استانی عطیہ بیگم ہیں ———— ان کی بھانجیوں نے سیکھا، اب خاصا بجالیتی ہیں! ہاں تمہاری آپا کیسی ہے کچھ پڑھی لکھی ؟ اسے پیانو آتا ہے ؟" شیریں نے آئی ہنسی پی لی۔

"جی نہیں ہمارے ہاں کبھی آپا نہیں تھی !"

"کیا کہا ؟ بیگم تقریباً چیخ اٹھیں " کبھی آپا نہیں تھی ———— اوفوہ ! کتنی عجیب بات ! میں نے آج تک نہ سنی تھی ———— بھلا پانچ پانچ لڑکیاں اور کوئی آپا نہیں ؟ تمہاری ماں پھر کرتی کیا تھیں ؟ وہ زندہ ہیں ؟"

،، جی ہاں بفضلِ خدا ——— خدا انہیں سلامت رکھے ——— بقیدِ حیات ہیں !"

تمہاری تعلیم کیا ہے ؟"

،، میں نے عرض کیا تھا ——— ایم اے اِن پرشین !" (فارسی میں ایم اے)

،، تعجب ہے ——— تو کیا لاہور کالج میں کیا ہے ؟

،، جی نہیں ! پرائیویٹ کیا ہے !"

،، پرائیویٹ ؟ تو پھر تھرڈ ڈویژن رہی ہوگی ؟"

،، جی نہیں میں پنجاب بھر میں دوم رہی تھی !"

،، دوم ؟ بڑی حقارت سے کہا گیا ،، آخر اول نہ آسکیں !"

،، جی ڈویژن تو فرسٹ تھی البتہ اول میری بڑی بہن تھیں !"

،، اچھا ؟" بڑی حیرانی کا اظہار کیا گیا ——— یقین نہیں آیا "

،، تم پانچ بہنیں ہو ——— پانچوں کی پانچ لڑکیاں ——— بڑی عجیب بات ہے !" اس عجیب بات پر سخت تعجب تھا، تمہاری عمر کیا ہے ؟"

،، تین بہنیں مجھ سے چھوٹی ضرور ہیں لیکن خاصی ہیں" شیریں مسکرائی ،، اب آپ خود اندازہ لگا لیجیے !" اس سوال دیگر جواب دیگر پر بیگم چونکیں ، یہ تو کوئی ان کے اصولوں کو توڑ رہا تھا ، ڑا مقابلہ ہو گیا دو آنیں ٹکرا رہی تھیں ——— !

،، بیس سے زیادہ نہیں ہو سکتی !"

،، میں اکیس سال کی نہیں ہوں " بیگم کھسیا کر ہنس پڑی " شیریں نے کُھسر پُھسر سُنی ! استانی نوشابہ بیگم کو خطرہ پیدا ہو رہا تھا کہ مس نواب سرقند کو کہیں زیادہ سردی نہ لگ جائے اور

سردی کے اہتمام سے پسینے نہ چھوٹنے لگیں اور اب شطرنج کی بازی جیتے جیتے سلمان نے بیگم کی خاطر ہار قبول کی تھی، بیگم لطیفے اور چٹکلے سنا چکی تھیں جن میں سے بیشتر اُن کا ادعا تھا کہ اُن کے طبع زاد ہیں۔

آخر ان کا جی بھر گیا اور جب جی نہ چاہا تو انہوں نے فوراً سواری کا حکم دیا اور سلمان فرش راہ ہوتا ہُوا سنگریوں کا ٹوکرا خالی کر کے سب کو لے کر چل کھڑا ہُوا۔

گھر میں گھستے گھستے پوچھا گیا کہ کیا رائے ہے؟ اور شیریں نے جی کڑا کر کے تعریف کر ہی دی۔ —— لیکن سلمان کو تسلی ہوئی نہ تشفی!

ایک ہفتہ کے بعد خان بہادر تو چلے گئے۔ روزانہ صبح ہی صبح ٹم ٹم کی سیر وہ کبھی نہ بھول سکے ہوں گے مطمئن تھے کہ بیٹی اکلوتی تھی، خدا نے بڑا کرم کیا کہ داماد کیا ملا ہیرا مل گیا!

ایک ہفتہ سے زیادہ ہو چکا تھا، فلک نما کے بلاوے خاموش تھے —— شیریں مسکرائے بغیر نہ رہ سکی "تو اب ضرورت نہ ہو گی، دوسروں کی موجودگی میں اس خاندان کی کیا ضرورت وہ تو اکیلے پن کا علاج ڈھونڈھا جاتا ہے! اور یوں بھی مہمانوں میں ایسا کوئی نہ ہوتا ہو گا کہ گھر اور فرنیچر سے لے کر کپڑوں کنگھی حتیٰ کہ مرچ مصالحہ اور گوشت ترکاری پر تبصرہ و تنقید کرنے کے مواقع ملیں —— یہ سب کچھ بیگم نواب سرقدر زادہ کے ساتھ بڑی آسانی سے کر لیتی تھیں۔

البتہ ایک بات تھی ریاست بھر میں بیگم آنکھوں کا تارا تھیں اس کا مطلب یہ تھا کہ سرقدر کی موت کے بعد بیگم نے ریاست کا کاروبار بڑے کمال سے سنبھال لیا تھا، جہاں بھی لڑائی جھگڑے کی خبر ملتی بہ نفس نفیس خود جاتیں، چھوٹے چھوٹے غریب گھرانوں میں عدل و انصاف دکھاتیں اور

ان جھگڑوں کو فرد کر دیتیں۔

پھر یکا یک ہفتہ میں دو دو بار بلاوے آنے لگے، شیریں عموماً ٹال جاتی، اُس نے دو میل سے زیادہ پھیلے ہوئے باغ میں ایک تنہا سا راستہ تلاش کر لیا تھا، اُس پر بڑی پابندی سے وہ سیر کو جایا کرتی تھی، اس طرح وہ اکثر بیگم نواب سرقدر کی مہربانیوں سے اپنا دامن بچایا کرتی۔

شام کو کھانے پر اطلاع ملی کہ خسرو نواب آ رہے ہیں!

شیریں کو سخت دکھ ہُوا وہ خاموش ہو گئی، لیکن دل میں خلش پیدا ہو گئی ——

دوسرے دن گاڑی اِدھر سے گذری تو سلمان نے گیٹ پر روک لیا اور منتظر خواتین نے دیکھا خسرو کے ساتھ سانولی سلونی رنگت دلکش خدوخال گھنگھریالے بالوں اور ورزشی جسم والا ایک نوجوان بھی ہے!

" آپ سے ملئے! یہ ہیں میرے چچازاد بھائی ہارون کامران" خسرو نے زاہدہ سے تعارف کروایا۔" کرنل ہیں! آر۔ پی۔ اے۔ ایف ہیں رسالپور سے آئے ہیں!"

" بڑی خوشی ہوئی —— آئیے چلیے چائے آپ کا انتظار کر رہی ہے بڑے تھکے ہوئے ہوں گے آپ!" چائے پر خسرو کے پاس ہی شیریں کو جگہ ملی وہ عام طور پر خاموش رہا، اور ہارون کامران تو جیسے محفل پر چھا گیا! دوسری پیالی بناتے بناتے خسرو نے مڑ کر شیریں سے اُس کے گھر والوں کے متعلق پوچھا۔ اُس نے ویسے ہی اچٹتا سا جواب دیا، البتہ یہ کہا کر

" باجی جان تو فضل پور میں تین ماہ سے ہیں، آپ افضل پور سے آئے ہیں نا! ملاقات ہوئی کبھی؟" حیران آنکھیں اُوپر کو اٹھیں!

اچھا آں! مگر میں نے تو نہیں سُنا!" تو اِس کا مطلب یہ ہُوا کہ رومانہ زرینہ کے حادثہ سے یہ قطعی لاعلم ہے —— شیریں نے سوچا!

زاہدہ کی کوٹھی "راحت کدہ" میں دونوں خسرو اور کامران اکثر آتے اور اس کی تلافی کرتے رہتے کہ ان دنوں پھر فلک نما کے بلاوے سرد تھے یعنی "زمین سخت تھی آسمان دور تھا"!

کرنل کامران ہارڈن کو بالخصوص سب ہی پسند کرتے تھے، عجیب دلکش و دلفریب شخصیت تھی، ہر وقت مسکراہٹوں اور قہقہوں کا خزانہ بہ کنار —— ! جہاں پہنچے زندگی بکھیرنے لگے! خسرو عام طور پر خاموش رہتا!

ہفتہ بھر کے بعد بلاوا آیا اور سلمان کی باچھیں کھل گئیں !

جس وقت یہ لوگ تیار ہو کر پہنچے ہیں وہاں ہمہمہ سازیاں اور نغمہ تیر ماں اپنے عروج پر تھیں، بیگم نواب سر قدرہ اس قدر خوش تھیں کہ انھوں نے بڑے تپاک سے ان لوگوں کا استقبال کیا اور اس قدر جوش میں تھیں کہ بار بار مڑ مڑ کر وہ بار خسرو اور کامران کا تعارف کروایا اور ساتھ ہی ہنس کر غلطی کا اعتراف کیا! زیادہ تر ان کی توجہ خسرو کی طرف تھی وہ حسب عادت اُن کی تیز قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبان کے مقابلہ میں ہاں ہوں کر رہا تھا۔

البتہ کامران کو محسوس ہوا کہ اس کمرہ میں ان لوگوں کے آنے پر سب سے زیادہ خوشی ہوئی، آتے ہی ایک پُر زور قہقہہ کے ساتھ اس نے ان کا استقبال کیا اور یہی نہیں بلکہ سیدھے زاہدہ اور شیریں کے پاس پہنچ کر زور زور سے ہاتھ ملائے اور خاص طور پر شیریں کو لے کر ایک ذرا دور کے صوفے پر آ بیٹھا اور پھر سر جوڑ کر باتیں شروع ہوئی ہیں تو پناہ بخدا! بالآخر اس انہماک میں اور لوگوں نے دلچسپی اور اگر دلچسپی نہ لی تو متوجہ ضرور ہو گئے

مر کامرانی !" بیگم نواب سر قدر " اے میاں کونسی دلچسپ باتیں ہیں میں بھی سنوں؟؟"

آخر یہ ایسا کون سا موضوع ہے کہ تم لوگوں کو کسی اور بات کی فکر نہیں! ذرا میں بھی سنوں؟

مر خالہ جان پیاری! ہم لوگ موسیقی پر گفتگو کر رہے ہیں، وہیں سے بیٹھے بیٹھے

جواب دیا گیا۔

"موسیقی"؛ خالہ جان چیخ اٹھیں "اوہ! تو بیٹا یہاں چلے آؤ، یہ تو میرا محبوب موضوع ہے!" بیگم نے منتظرانہ دیکھا "میرا خیال ہے اس وقت پاکستان بھر میں مجھ سا موسیقی کا قدردان کم ہی ہوگا ——— اوہ! بیٹا اگر میں کبھی سیکھتی تو تمھیں دکھاتی کمال کس شئے کا نام ہے! اور اس طرح میری نادرہ ہے ——— ہائے جو اس معصوم کی کہیں صحت اچھی ہوتی ——— اچھے اچھے پانی بھرتے! اور ہاں بیٹا، خسانہ کا کیا حال ہے ———" مڑکر خسرو سے پوچھا اس نے ایک بھائی کے محبت بھرے لہجے میں بھرپور تعریف کر ڈالی "مجھے بڑی خوشی ہوئی بیٹے پیارے! مگر اس سے کہہ دینا کہ مشق برابر جاری رکھے، یہ فن مشق کے بغیر کمال کو پہنچ ہی نہیں سکتا"!

"بے شک خالہ جان پیاری ———" شیریں کامران پاس آچکے تھے!

"میرا خیال ہے مس ریاض اگر کوشش کریں اور روزانہ مشق کریں تو خاصی ترقی کر لیں گی، اس لیے بیٹا میں نے کہہ دیا تھا" خطاب خسرو ہی سے تھا "کہ چونکہ بیگم سلمان کے پاس پیانو نہیں ہے یہ یہاں آ کے مشق کر لیا کریں تم تو جانتے ہو اتنے بڑے محل میں اس کا پتہ بھی نہ چلتا اور پھر ہرج کا تو سوال ہی نہیں"! خسرو کو اپنی خالہ جان پیاری کی اس بد تمیزی پر سخت شرمندگی ہوئی، اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

کامران کے کہنے پر شیریں پیانو کے پاس جا بیٹھی، نغمہ بڑا دلکش تھا، انگریزی رقص جاز کی دھن میں اردو نظم ——— جس میں ہندی الفاظ بھی کافی تھے نیا تجربہ ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ مشغلہ تھا اُس پر آواز ——— گویا سونے پر سہاگہ!

لیکن کامران کو بیگم نے پاس بٹھا کر کچھ دیر نغمہ سنا اور پھر حسب عادت باتوں میں مشغول

ہوگئیں، خسرو دھیرے دھیرے قدم رکھتا، پیانو کی طرف بڑھا اور پیانو پر کہنی ٹیک کر چہرہ کے مقابل ہوگیا، شیریں نے ایک چبھتی ہوئی تیکھی نظر ڈالی اور خاموش متین چہرہ کو تکنے لگی۔

"ہوں! تو آپ مجھے یوں ڈرائیں گے! لیکن میری فطرت عجیب ہے، میری حوصلہ شکنی کی یہ کوشش میری ضد کا پیش خیمہ ہوتا ہے" وہ دلکش ہونٹ سگریٹ کا کش لے کر مسکرائے!

"میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ آپ غلطی پر ہیں نہ آپ میرے لیے اجنبی ہیں لہٰذا ڈرانے کا سوال کیسے پیدا ہوگا؟" کامران بھی آچکا تھا —— جیسے پٹے تڑوا لیے ہوں!

"ذرا دیکھئے گا ہوشیار ہوجایئے!" مخاطبت کامران سے ہوگئی "آپ کے بھائی صاحب ہیں میرے متعلق کبھی رائے نہ لیجئے گا —— یہ انسانوں کا اندازہ لگانے میں ماہر واقع ہوئے ہیں! معاف کیجیے گا" اس نے خسرو کو مخاطب کیا "میں آپ کی دل شکنی یقیناً کر رہی ہوں مگر —— کیا کہوں — بنتی نہیں ہے! والی بات ہے!

"مجھے اس کا ڈر نہیں!"

"ذرا مجھے بتاتو مس ریاض!" کامران نے کہا "میں نہیں سمجھا الزام کس کے سر ہے! اور ہاں ذرا میں بھی سنوں، غیروں میں ان کا کیا رنگ رہتا ہے؟"

"سنا تو دوں —— مگر تاب لا سکیں گے آپ؟ ذرا دل تھام لیجیے تو سن لیجیے" مسکرائی، "تو مگر دیکھا نہیں اس طرف! پہلی بار ملی ہوں جناح پارک میں

اوہ! مجھے کہنا چاہیے میں نے وہاں پہلی بار دیکھا تھا، اگرچہ خواتین نے خود کافی کوشش کی تھی ملنے کی مگر آپ نے نظر بھر کر کسی کی طرف دیکھنا گوارا نہ کیا ——— دراصل اس روز سگریٹ قاہرہ سے آ گئے تھے' ان کے لطف سے زیادہ سے زیادہ محظوظ ہونا بھی ضروری تھا' لہذا اس کی زحمت فضول تھی کہ کسی اور کی طرف بھی توجہ دی جاتی!" خسرو نے سگریٹ کا کش ذرا زور سے کھینچا "میرا یقین ہے' آپ کی تردید نہیں کر سکتے ——— کیوں؟"

"ہوں ں! ٹھیک ہے"! اور بھی سہارا پیانو پر گہرا ہو گیا "لیکن جدید اخلاق سے ہٹ کر بھی بغیر تعارف کے مجھے کسی سے ملنا ناممکن ہے"!

"کیوں کرنل صاحب! آپ بتائیے کیا ہم آپ کے معزز بھائی صاحب سے اس کا سبب پوچھ نہ لیں"؟ مخاطب کامران ہی سے رہی! "آخر تعلیم اور اونچی ثقافت کے کوئی معنی ہیں"! کرنل ہنس کر چہکا۔

"اس کا جواب میں دوں ——— کہ خود ان کو اپنی ہستی بے حد عزیز ہے لہذا کون یہ تکلیف گوارا کرے"!

"اور بھئی مجھ میں وہ قابلیت بالکل نہیں ہے کہ ہر ملنے والے سے چہک کے ملوں میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا کہ کسی سے پہلی ملاقات میں بچھ بچھ جاؤں! ——— حالانکہ لوگ عام طور پر اکثریت سے ایسا کرتے ہیں"! شیریں نے نظریں جھکا لیں اور اپنے آپ مسکرائی "میں نے کہا" اس نے کرنل کی طرف دیکھا "میری انگلیاں آپ کے حکم کی منتظر ہیں ——— اگرچہ ان میں وہ قابلیت نہیں جو مستقل مشق سے پیدا ہوتی ہے۔ ——— لیکن پھر بھی ——— میں نہ اتنی قنوطی ہوں اور نہ خود فریب مجھے اپنے آپ پر اعتماد ہے ——— بہرحال کوئی نہ کوئی ستم ہو بھی سکتا ہے"! خسرو مسکرا پڑا!

"آپ کے اس اعتماد نے مس ریاض! آپ کو بہت سی خوبیوں کا حامل بنا دیا ہے مثلاً آپ دوسروں کی نہ جانے کتنی باتیں سن سکتی ہیں، سمجھ سکتی ہیں! ہم میں سے کوئی ایسا نہیں کر سکتا!" ابھی اس کا جواب ملنے نہ پایا تھا کہ بیگم سرفراز آ ٹپکیں اور ان کی مرضی کے مطابق شیریں نے میر کی غزل چھیڑی ؎

چلتے ہو تو چمن چلیئے کہتے ہیں کہ بہاراں ہے
پھول کھلے ہیں پات ہرے ہیں کم کم باد و باراں ہے

ایک تو میر کی بہار یہ غزل کہ تغزل کے ساتھ نغمگی سماں باندھنے کو موجود، دوسرے شیریں کی آواز اور بڑے پیارے سُروں میں پیانو کی سنگت ——— لُطف آ گیا! کامران تو کھلے بندوں جھوم رہا تھا، بیگم بھی متاثر تھیں، خسرو بھی زور زور سے سگریٹ کے کش لیتا اور کبھی منٹوں سگریٹ نہ پیتا!

اور جب نغمہ اس شعر پر پہنچا ؎

مجنوں اور فرہاد کی خاطر وحشت کو، یہ ہم تک گئے
عشق میں ہم کو میر نہایت ہی پاس عزت داراں ہے

تو خسرو نے بے ساختہ داد دی

"سبحان اللہ ——— کیا بات کہی ہے ——— کیا بات ہے؟"

جب گانا ختم ہو گیا تو شیریں نے مسکرا کر کہا

"میری سمجھ بھی اتنی موٹی ہے کرنل کامران دیکھیے نہ میں یہ نہ سمجھ سکی کہ خسرو صاحب نے داد میر کو دی ہے کہ مجھے!" خسرو نے مسکرا کر کہا

"یہ تو اپنی اپنی سمجھ پر منحصر ہے!"

"کرنل صاحب ـــــ شیریں نے قالین پر جوتے کی نوک دباتے ہوئے کہا "میری سمجھ کا تو مجھے بفضل خدا علم ہے ــــ البتہ سوال ہے تو تیری کی سمجھ کا کہ بے چاری آج کافی عرصہ سے زیر زمین ہو چکی ہے ـــــ داد کا یہ طریقہ اور اس کی تشریح نوٹ کرنے کے قابل ہے ـــــ کیوں ـــــ؟"

"میں تو مس ریاض یہی کہوں گی کہ داد اسی کو ملتی ہے ــــ بیگم نواب سرفدر بولیں "جو مشاق و ماہر ہوتا ہے ـــــ اور یقین ہے مجھے کہ اگر نادرہ کی صحت اچھی ہوتی تو کوئی لڑکی اس سے بازی نہ لے جا سکتی تھی!" جواب دینے کی بجائے شیریں نے خسرو کی طرف دیکھا جو گلدان سے ایک پھول نکال کر اسے بغور دیکھ رہا تھا اور جس کے رخساروں پر خون کے سُرخ سُرخ بادل اُٹھ رہے تھے!

رات نہ جانے کتنی رات تک بیٹھی ساری تفصیل بلکہ تفصیلات مدینہ کو لکھتی رہی۔ صبح زاہدہ نے ناشتہ کے بعد شاپنگ کے لیے کہا تو اس نے کہا "بھئی اب تم خود ہی چلی جاؤ ـــــ ایک تو تھکان دوسرے اس خط کو ختم کرنا ہے ہاں ــــ اچھی ــــ اور ہاں میرا چیونگ گم نہ بھولنا!" زاہدہ مسکرا کر چل دی۔

وہ بیٹھی خط پھر سے پڑھ رہی تھی کہ گھنٹی بجی! ابھی وہ حیران تھی کہ کون آرہا ہے اور جلدی جلدی خط کو میز کے خانے میں ڈال رہی تھی کہ نوکر نے آکر بتایا "خسرو نواب آئے ہیں!" اور قبل اس کے کوئی جواب دیتی وہ اندر تھا یہ سن کر کہ وہ اکیلی ہے وہ بہت شرمندہ ہوا اور معذرت کی کہ اُسے اس کا علم نہیں تھا اور پھر وہ بیٹھ گیا، موضوع "فلک نما" اور "شیر دہان گڑھ" جو جلدی ہی ختم ہو گیا اور پھر کمرہ سمندر کی سطح بن گیا! شیریں نے بات برائے بات کرنے کو ایک بات کر ہی لی۔

"افوہ! پچھلی بار آپ لوگوں نے "کاشانہ" کتنی جلدی خالی کر دیا ——— آپ فضل پور سے آئے ہیں وہاں سب طرح خیریت تھی ہے؟

"بالکل ——— شکریہ!" شیریں نے دیکھا اب جواب اس سے زیادہ بننا مشکل ہے

"کیا مرزا شہریار اب کاشانہ نہیں لوٹیں گے؟" اس نے آخر پوچھ ہی لیا۔

"ایسا کہا تو نہیں کبھی ——— البتہ یہ تو آپ جانتی ہیں ان کے کاروبار بڑے وسیع ہیں اور پھر حلقۂ احباب جو یہاں انھیں مل سکتا ہے وہ بھی کھینچ لیتا ہے!"

"تو پھر انھیں "کاشانہ" نکال دینا چاہیئے تاکہ ہمارا پڑوس تو خالی نہ رہے!"

"میرا خیال ہے اگر وہ کسی اچھی قیمت پر نکال دیں گے تو تعجب کی کوئی بات بھی نہ ہوگی" شیریں نے سوچا کہ اب اسے بھی کچھ کہنے کی زحمت گوارا کرنی چاہیئے ——— یہ کیا کہ ہم ہی بولے جائیں! اور جیسے خسرو نے یہ بات پڑھ لی اس کے چہرہ سے جس پر شیریں سُرخ سرخ ہو گئی

"میرا خیال ہے یہ کوٹھی نواب قدر نے بڑی موزوں بنائی ہے اور خالہ جان نے اس میں آرائش بھی ایک خاص انداز سے کی ہے!"

"جی ہاں!" شیریں نے کسی قدر سکوں کے بعد کہا "ٹھیک ہی ہے!"

"مسٹر سلیمان نے آپ کی دوست کا انتخاب خوب کیا ہے کافی اچھی بیوی ہیں!"

شیریں نے نظریں اوپر کو اٹھائیں خسرو جس زاویہ سے بیٹھا تھا بڑا دلکش نظر آ رہا تھا گہرے گبرڈین کے سوٹ میں اس کی گلابی گلابی رنگت خوبصورت سیاہ مونچھوں کی خوبصورت خمیدہ ہونٹوں پر لکیر جوش جوانی سے چمکتا ہوا چہرہ کوٹ میں لگا ہوا تازہ گلاب جس میں ہلکا اور گہرا گلابی اور

عنابی رنگ تھا ——— ذرا صبر آزما ماہی تھا !

"یہ میری بڑی پیاری دوست ہے خسرو صاحب ——— دوستوں کی بابت تو آپ جانتے ہیں دوستوں کے متعلق کتنی اچھی ہوتی ہے، مجھے تو اس کا بعض وقت افسوس ہوتا ہے کہ اتنی اچھی میری دوست اور اتنی دُور ہو گئی مجھ سے!" خسرو نے نظریں ملائیں "مگر اس زمانہ میں یہ دوری کوئی دوری ہے ؟ اور پھر زندگی اگر خوشگوار ہے تو دُوری بے حد اچھی" !

"لیکن یہ معاملہ لڑکے کا نہیں، لڑکیوں کے دل سے کوئی پوچھے!" ہلکی ہنسی !

"اچھا تو کیا لڑکوں کے دل نہیں ہوتا!" جو اگر ہلکی ہی ہنسی "میرا خیال تھا آپ پاس زمان و مکان کی یہ قیدیں نہ ہوں گی" !

"زمان و مکان کی قیدیں" تعجب سے پوچھا گیا "کیوں کیا میں لڑکی نہیں ہوں؟ لڑکوں کے دل ان کی شخصیت کی طرح جذبات سے عاری اور کم لچکیلے ہوتے ہیں!

"یہ بھی خوب ———!" اور بات پوری نہ ہو سکی کہ زاہدہ اور سلمان آگئے — سلمان تو نہیں البتہ زاہدہ نے بڑی گہری نظروں سے یہ منظر دیکھا اور مسکرائی تو ہونٹوں کے کنارے کافی خمیدہ تھے !

اس طرح اکثر آنا جانا ہوتا رہا ——— اور شیریں نگاہوں کو پڑھنے کے لیے مجبور ہو جایا کرتی کہ بات کافی سنجیدہ تھی، زاہدہ نے ان آنکھوں میں گہرائیاں، لگاوٹیں، پیار، دلچسپیاں اور نہ جانے کیا کچھ ٹٹول ڈالا تھا ——— اور شیریں کا خیال تھا کہ کسی خاص بے خیالی کے عالم میں ان کا رنگ ایسا رہتا ہے ! ———

کوئی ایک سے زیادہ مرتبہ یہ ہُوا کہ جس خصوصی راستہ پر شیریں سیر کرنے کی عادی ہو گئی تھی اُس پر خسرو سے مڈبھیڑ ہو جاتی، دو ایک بار اس نے دبے دبے بتا بھی دیا تھا کہ اس طرح اس کا مقصد کیا ہے اور اتنی ہی بار اس نے محسوس کیا کہ وہ جیسے جان بوجھ کر اِدھر آ جاتا ہے۔ ملنے کے بعد کچھ دُور ساتھ جانا دو ایک باتوں کا کرنا ضروری ہو جاتا بلکہ اکثر اسے "راحت کدہ" کی حدود تک پہنچا جاتا۔ نادرہ پابندی سے دیکھ لیتی اور اس کا شک یقین میں بدلنے لگتا۔ جس پر شیریں کھول کھول کر رہ جاتی! کہ اسے زرینہ کا خیال آجاتا —— اور اس کا دل نفرت سے کانپ اُٹھتا!

ایک دن انہی خیالوں میں ڈوبی جا رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ شائد آج پھر سامنا ہو، وہ چونک اُٹھی —— مگر یہ کرنل ہارون کامران تھا

"اوہ تو آپ کا یہ پسندیدہ راستہ ہے؟ مجھے معلوم نہ تھا!"

"جی ہی ——" یہ خیالات کی سرد مہری ابھی تک وجود پر طاری تھی،

"میں آپ کے پاس ہی آ رہا تھا" رُخسار سُرخ سے سرخ تر ہو رہے تھے، سیاہ مونچھوں کے نیچے ہونٹ ہلکے ہلکے کانپ رہے تھے "کیا آپ بہت دور جا رہی ہیں۔؟ خاصی دور نکل آئی ہیں آپ؟"

"جی نہیں چلیئے" کہہ کر شیریں پلٹ پڑی "تو کیا واقعی آپ شبہ کو جا رہے ہیں؟"

"تو واقعی کی کون سی بات ہے خسرو کی مرضی ہوتی ہے تو ناممکنات واقعہ بن جاتے ہیں"

"اور آپ جو اُن کے معمول ٹھہرے"! شیریں چہکی۔

"بھئی ہی —— بات یہ ہے —— وہ ہمیشہ اپنی بات منوا کر رہتا ہے یہ اس کی عادت ہے"! "ہمی ہمی کے بعد اور آپ تو جانتی ہیں مثل مشہور ہے

خرباشش ـــــــ !" ـــــــ

"اتا برا خروہ مباش ـــــــ جی ی !" اور خوب جی بھر کر ہنسا گیا"

"جی پھر ہماری تو قسمت ہوئی نفس کشی اور تابع داری !" ٹھنڈی سانس بھرلی ۔

"اور بڑے صاحبزادگان کے تو پوبارہ ہوتے ، پانچوں کڑھائی میں" والی بات ہوئی"

انھیں جائداد کے علاوہ شادی کی نعمت بھی اچھے گھر ہی کی ملتی ہے ۔"

"نہیں شادی کے بارے میں چھوٹے لڑکے ہوتے ہی ہیں ذرا لالچی کیونکہ انھیں اپنے اخراجات کے لیے بیوی ذرا مالدار ڈھونڈنی پڑتی ہے !" شیریں نے اس کے کچھ معنی لیے، جس کے ساتھ اس کے رخساروں پر ایک رنگ آگیا، لیکن سنبھل کر بولی

"اچھا پھر مہربانی کر کے بتایئے ایک چھوٹے نواب کی کیا قیمت ہوتی ہے"

"کم از کم پچاس ہزار !" اس نے ہنس کر جواب دیا"

"میرا خیال ہے آپ کے بھائی نواب خسرو کا بھی یہی ارادہ ہے

مرزا شہریار والے انھیں لاکھوں کی جائداد دے سکتے ہیں ـــــــ " ہاں البتہ" ذرا سوچ کر" ان کو بھی تو کچھ کرنا ہی پڑے گا کہ برابر کا اور مقابلہ کا معاملہ ہونے کے علاوہ آپس میں کی بات ہے"

"یعنی کامران حیران ہو کر دیکھنے لگا " کیا مطلب ؟"

"توبہ کس قدر آپ بناتے ہیں ؛ جیسے آپ جانتے نہیں کہ آپس میں رشتہ ہو رہا ہے"

"میں ان لوگوں کو جانتا ضرور ہوں لیکن ان کے تعلقات کا علم نہیں ہو سکتا ہے آپ کا خیال صحیح ہو۔ لیکن بات جہاں تک میرا خیال ہے ایسی نہیں ہے البتہ مرزا شہریار جس لڑکی سے چاہتے تھے۔ اس جگہ بھی خسرو کی مرضی چل گئی بھئی بڑا ظالم ہے یہ جو بات سوچ

طے کر کے رہتا ـــــ چنانچہ سُنا ہے، کیونکہ میں نے دیکھا تو نہیں ـــــ اس لڑکی کو مرزا شہریار بے حد پسند کرتے تھے، مگر چونکہ ذرا ایک تو غریب دوسرے گھٹیا سا تھا خاندان، نہ نواب نہ جاگیر دار، مہاجر تھے مہاجر ـــــ لہذا خسرو اڑ گیا اور شہریار نے رشتہ توڑ دیا ـــــ رشتہ کیا توڑا اتصال ہی ختم کر دیا!"

"سچ؟" شیریں کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا، لیکن سنبھل کر بولی "ٹھیک ہے خاندان بھی تو کوئی چیز ہوتا ہے ـــــ محبت تو ڈھکوسلا ہے دنیا کا!"

"اور کیا ـــــ بس خسرو کو تو اس کی خوشی ہے کہ اس نے اپنے دوست کو بچا لیا، بھئی حق دوستی بھی کوئی چیز ہے ـــــ کوئی کوئیں میں گرنے ہی پر آمادہ ہو جائے تو اسے گرنے کیسے دیا جائے؟ اور پھر یہ تو دوست قلبی دوست کا معاملہ تھا!"

"اور اس لڑکی کا کیا بنا ہوگا!" سوچتے ہوئے شیریں بولی "کہیں وہ اس سے محبت کا وعدہ تو نہ کر چکا تھا؟"

"ہاں بھئی سب کچھ ہو چکا تھا ـــــ سُنا تھا کہ منگنی کی بات ہونے والی تھی ـــــ مگر ان لوگوں کو اور بالخصوص لڑکی کو خیال ہونا چاہیئے تھا، کوئی اتنا اونچا اڑے کیوں؟ کس بل، اپنا کس کر دیکھنا چاہیئے، پھر اڑنا چاہیئے!"

"ہاں یہ تو ـــــ ٹھیک ہے ـــــ کس بل اپنا ـــــ کس کر دیکھنا چاہیئے!" شیریں نہ جانے کن سوچوں میں گم تھی۔

"تو یہ تھا وہ جذبۂ غرور ـــــ کہ نواب خسرو کی رگ نوابیت بھڑک اٹھی، شان میں بٹہ لگ گیا، اُف! خدایا یہ سرمایہ دار"

"وہ تو سوچا گیا کہ اپنا دوست ہے ——— اور یہ نہ سوچا گیا کہ ایک طرف ایک غریب لڑکی ہے، جس کے جذبات سے کھیلا جا چکا ہے —

"وہ اور ایسا انسان؟ ——— کتنی غلط ہے زاہدہ جو سوچا کرتی ہے کہ یہ انسان میرے لیے آتا ہے — ہے ——— رے ——— لیے!!!"

"وہ اور میرے لیے آئے گا؟"

راحت کدہ تک پہنچا کر کامران واپس چلا گیا اور شیریں کے جذبات اتنے بھڑکے ہوئے تھے کہ وہ پژمردہ ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے اتنا اور اتنی تیزی سے سوچا تھا کہ دم زدن میں نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ اور جوشش جذبات سے زبان گنگ ہو کر رہ گئی تھی، اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اس کو اندر آنے کے لیے کہتی

وہ اندر گئی ——— گھر شکر ہے خالی تھا، زاہدہ اور سلمان شاپنگ کے لیے جا چکے تھے ——— ! وہ سیدھی کپڑے بدلے بغیر بستر میں گھس گئی

اٹھارواں پردہ

یعنی چہ.....؟

نہ جانے کتنی دیر تک شیریں بے ساختہ آنسو بہائے چلی گئی :

جس وقت یہ باتیں یاد آتیں اس کے سامنے زرینہ کی مظلوم صورت سامنے آکھڑی ہوتی اور جس وقت یہ خیال آتا کہ اُفوہ ! محض جھوٹی شان و شوکت اور ناپائیدار دولت کے لیے اس قدر ظلم ؟ کہ شکل و صورت لیاقت اور نیک سیرت کو موت آگئی، جنس کاسد کی طرح کوئی مقام نہ رہا اِن انمول خصوصیتوں کا ؟ کتنی بار کہا کہ امی کو کہ نہ رکھیے ان طمعوں کے دیوانوں سے دوستی مگر وہ نہ مانیں ——— اب زرینہ کو روگ لگ گیا تو اب مزہ آیا ——— ؟

اور تو اور یہ خسرو تو صرف روپے کا رسیا ہے ایک خالص SNOB افسوس افسوس ! وائے صد افسوس ! میری زریں آپی زریں پیاری زریں !

اِن خیالوں کے ساتھ آنسوؤں کا جیسے دریا اُمڈ آتا تھا !

وہ جب بھی تصور کرتی تو اسے خسرو ایک انتہائی بُرا انسان نظر آتا اور اس کا دِل دہل جاتا ! زرینہ کا درد بھرا انجام اس کا دل مسوس ڈالتا ——— اور آنسو اور بھی شدت سے نکل آتے :

ناہید نے اُسکی یہ کیفیت دیکھی اور نہ جانے کیا کیا اندازے لگائے ! شیریں تو غم

کی اس مار سے اس طرح بیدم ہو گئی تھی کہ اس میں بولنے کی سکت نہ رہی تھی! اور زاہدہ نے اس خاموشی کو اور ہی معنی پہنائے۔ بس ایک بات یہ تھی کہ شیریں کو حرارت بھی ہو گئی تھی۔

سلمان نے حد بھر اصرار کیا کہ شام کی چار پر بیگم سرفراز نے دعوت کی ہے اس پر کسی کی غیر حاضری کیا معنے؟ لیکن شیریں نے صاف انکار بھی کیا اور زاہدہ کو بھی رحم آ گیا۔

حتی الوسع اُسے آرام پہنچانے کی کوشش میں سلمان نے اُس کے لیے ریڈیو کے پاس پلنگ ڈلوا دیا اور وہ اچھی طرح کمبل اوڑھ کر ڈرائنگ روم میں آ لیٹی۔

زاہدہ کو گئے کوئی آدھ گھنٹہ بھی نہیں ہوا تھا کہ ڈرائنگ روم کا اندرونی دروازہ کھلا اور ــــــــــــــــ؟!

اور وہ تقریباً چونک کر اُٹھ بیٹھی!

خسرو دروازہ بھیڑ کر لپکا ہوا اس کی طرف بڑھا، چہرہ پر خاصی تشویش تھی، اور ہاتھ میں بے حد خوبصورت بڑے بڑے عنابی زرد اور گلابی رنگ کے گلابوں کا ایک بڑا سا گلدستہ!

"شیریں!" اور اس نے جھک کر گلابوں کے گلدستہ کو اُس کے پہلو میں رکھ دیا اور اسے بڑی آہستگی سے لٹاتے ہوئے کہا "خدا کے لیے نہ اُٹھو، آرام سے لیٹی رہو! شیریں!" اور اتنا کہہ کر وہ ایک دم ہٹ گیا۔ کمرے میں ٹہلتا رہا اور دانتوں سے ہونٹ کاٹتا رہا ــــــــــــ اور پھر کرسی گھسیٹ کر اُس کے پلنگ کے پاس لیٹ گیا

"نہیں شیریں میں کہتا ہوں ــــــ نہیں شیریں میں اب صبر نہیں کر سکتا ــــــــ اپنے جذبات کو دبانے کی کوشش بالکل فضول ہے ــــــ بالکل فضول ــــــ شیریں مجھے اجازت دو ــــــــ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں!"

اُس نے دیکھا خسرو کی آنکھوں میں ہلکے ہلکے آنسو چمک رہے تھے۔ چہرہ ایکدم سرخ ہو رہا تھا ——— اور جیسے نہ جانے کیا کچھ پی چکا تھا !

"لیعنی ؟" شیریں بولی !" کیا ؟"

"شیریں ——— مجھے اجازت دو ——— میں تمھاری محبت کا اقرار کرتا ہوں"

ایک دم سے قدرے اور سرخ ہو کر بولا "شیریں مجھ سے یہ لمبی چوڑی تقریروں کی امید نہ رکھو، اور نہ ہی یہ سمجھو کہ تمھیں وہ سب بتا دوں گا جو میں محسوس کرتا ہوں ——— میں تو تم سے محبت کرتا ہوں ——— یا یوں سمجھو مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے — شیریں میں تم کو اپنا ساتھی ——— زندگی کا ساتھی بنانا چاہتا ہوں"!

شیریں حیران ہو کر اس کا منھ تکنے لگی، اس کے چہرہ پر ایک رنگ آیا ایک گیا، اور پھر آیا تو یہاں تک بڑھا تو اس قدر کہ کان کی لویں تک سرخ ہو گئیں، اس نے پلکیں جھپکائیں اُوکھولیں تو آنکھوں میں حیرانی ہی حیرانی اور سوال ہی سوال تھے ——— البتہ ہونٹوں پر خاموشی کی مُہر تھی !

اُس کا دل دھڑک کر کہہ رہا تھا

یعنی چہ ! ———

یعنی چہ ؟؟ ———

یعنی چہ ؟؟؟ ———

اور وہ سب کیا ہُوا ؟ وہ جو کانچ شیشہ ٹوٹا جاتا تھا ؟ وہ جو اپنے پیار سے مارے محبت اور خُلوص کے دو دلوں کو توڑا گیا تھا ؟ تو کیا شیریں کبھی اور ماں باپ کی کسی در خاندان

کی لڑکی تھی ؟ جواب کوئی اعتراض نہیں ؟ کہیں یہ سب ایک ڈھونگ ——— ایک ڈھکوسلا تو نہیں ؟ سرمایہ داروں کا کھیل تو نہیں ؟"

البتہ جو کچھ وہ کہنے والی تھی، اس نفرت کے باوجود جو اُسے اس کی ذات سے ہو گئی تھی اُسے دکھ ہُوا ——— وہ افسوس کرنے لگی کہ اب جو کچھ وہ کہے گی وہ اس کی تاب نہ لا سکے گا !

شیریں کو یہ دیکھ کر واقعی دکھ ہُوا کہ اچھی صفات اور حُسنِ صورت کے ساتھ حُسنِ سیرت نے اتنا مجبور کر دیا کہ بقولِ خسرو یہی کے وہ مجبور ہو گیا کہ اپنے جذبات کا اظہار کر ہی دے۔

لیکن گردن مارے سے غرور کے اکڑی ہی رہی ——— کہ یہ امر دل کی وجہ سے تھا عقل تو اس کے مانع ہی تھی ——— دل تو اندھا ہوتا ہی ہے جہاں چاہے گر جائے اور سخت مجبوری تھی ——— ورنہ ! ورنہ وہ جانتا ہے اس رشتہ سے اس کے خاندان میں جو بھی تہلکہ مچے گا !

اس خیال کے آتے ہی شیریں کا دل دکھ گیا ——— "

تو اللہ اللہ اب ہم ایسے ہو گئے، نگوڑ مار مہاجری کیا گلے پڑی کہ عزت کا دیوالہ نکل گیا، نادان یہ نہیں جانتے کہ پاکستان کو جن بنیادوں پر لیا گیا ہے اس کا مطلب کیا ہے ؟ مہاجر مسلمانوں کے دم قدم سے پاکستان بنا، انصار پاکستانیوں کی بن آئی، اگر اللہ کی شان ! جنھوں نے جان پر کھیل کر ان گنوا کر شان لٹا کر اس دن کو پہنچایا اب وہی ذلیل و خوار ہوا سرے بازارے ——— معاذ اللہ ! معاذ اللہ !!

یہ سوچ سوچ کر شیریں کا دل سخت سا ہو گیا، کچھ ہمت سی اس میں آ گئی، بڑی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی

"خسرو صاحب! ایسے موقعوں پر عام طور پر لڑکیاں مارے خوشی کے مرنے لگتی ہیں تشکر کے جذبات سے اُن کا دم اُن کے سینوں میں اُلجھ جاتا ہے —— میں بھی آپ کی بڑی شکر گذار ہوں، آپ جیسے بلند مرتبہ اعلیٰ خاندان نوجوان کا ایک مجھ ایسی گھٹیا خاندان کی غریب مہاجر لڑکی سے اِس قدر دریا دلی کا برتاؤ کرنا —— یقین مانیئے پاکستان کی تاریخ میں یہ کارنامہ آبِ زر سے لکھا جائے گا ——"

"اور دیکھیئے نا —— بات یہ ہے کہ میں نے کبھی اس قسم کی توقع آپ سے نہیں لگائی —— اور پھر —— پھر جیسا کہ آپ نے خود ہی بتایا ہے آپ نے بڑی بے دلی کے ساتھ جب دل نے مجبور ہی کر ڈالا تو مجبور ہو کر اظہار کیا مجھے سخت افسوس ہے کہ میں کسی کے دِل کو اس طرح رنج پہنچا رہی ہوں لیکن مجھے اُمید ہے میرا مخاطب دل کا بڑا قوی انسان ہے ارادے کا دھنی ہے —— یہ بات وہ فوراً نہیں تو بہ آسانی بھول جائے گا! یہ لاشعوری ایک جلد باز حرکت ہے اسے ختم ہو جانے دیجیئے! آپ کے لیے نہ اُونچے خاندانوں کی کمی ہے نہ حسین و جمیل دولتمند لڑکیوں کی!"

خسرو بڑے غور سے اس کو دیکھ رہا تھا، اس کی ایک ایک بات پر اس کا چہرہ سفید سے سفید پڑتا جاتا اور جب بات ختم ہوئی تو اس کے رخساروں پر شعلے لپک رہے تھے آنکھوں کا رنگ بدل چکا تھا، ماتھے پر بل آ چکے تھے! ہونٹوں پر جذبات کا سا دباؤ تھا —— اور خاموشی ——!

یہ خاموشی —— جس سے شیریں کو نہ جانے کیوں ڈر لگنے لگا ——

"ہوں ں! بھوئیں تان کر اُس نے بغور شیریں کو دیکھا اور کرسی قدرے پیچھے کو

ہٹالی۔" تو کیا یہی میرے اس سارے خلوص کا جواب ہے ؟ کیا میں درخواست کر سکتا ہوں کہ آپ ازراہ کرم ان اشاروں کو واضح فرمائیں گی جن کو ابھی آپ نے اپنی تقریر میں ادا کیا تھا۔ کیا میری درخواست اتنی حقیر تھی ؟ ——— کہ اسے خاندانوں اور دوسری لڑکیوں کے طعنوں میں ختم کر دیا جائے ؟ کیا آپ کے پاس یہ کسی بلند اخلاق کا مظاہرہ ہے ؟"

"ضرور ——— بڑے شوق سے پوچھئے" شیریں کے لہجے میں سختی تھی، "اور میں پوچھتی ہوں کیا یہ بات توہین انگیز نہیں کہ کوئی یہ کہے کہ اپنی مرضی و منشار کے خلاف کوئی محض دل کی مجبوری سے کسی کو پسند کرنے پر مجبور ہو جائے ——— کیا یہ رویہ کسی بلند اخلاق کا مظہر ہے ؟ لیکن اس کے علاوہ میرے پاس انکار کی کئی اور وجوہات ہیں ——— سب سے بڑھ کر تو یہ کہ جس خاندان سے جس خاندان کی لڑکیوں سے حتی' اپنے دوستوں کو بچایا گیا اب اسی کی سگی بہن اتنی عزیز ہو گئی ؟ کیا کوئی اس رویہ کے بعد اس پر یقین کر سکتا ہے ؟ اور کیا ایک بہن اپنی عزیز ترین بہن کی بربادی پر اپنی خوشیوں کے محل تعمیر کر سکتی ہے ؟" وہ کہتی رہی اور خسرو پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا رہا! لیکن منھ سے ایک لفظ نہ کہا۔

"خسرو صاحب میں قسم کھاتی ہوں مجھے اس دنیا میں ہر حق حاصل ہے کہ میں آپ سے نفرت کروں، آپ نے جو دکھ مجھے پہنچایا ہے وہ میں کس قیمت پر معاف کر سکتی ہوں ؟ کیا آپ انکار کر سکتے ہیں کہ مرزا شہریار کو اور میری بہن کے درمیان آپ نے تفرقہ نہیں ڈلوایا ؟ ان دو دلوں کو جدا کر کے آپ نے خالص مردوں کے انداز میں تو سوچ لیا کہ کوئی بات نہیں ہوئی، لیکن کیا واقعی کوئی بات نہیں ہوئی ؟ آپ مرد ہیں اور شہریار صاحب بھی مرد ——— آپ لوگ مثل مشہور ہے کبھی کی چوٹ کے حامل ہوتے

ہیں لیکن کاش عورت کے دل کا آپ کو اندازہ ہوتا ——— آپ کو کیا معلوم کہ مدینہ پر کیا بن گئی اور اُس نے کون سے عزم دارادے کر لیے ؟"

"ہم اگر مہاجر ہیں، آج صاحب جائداد ہیں نہ صاحب دولت تو کیا ہُوا، صورت اور سیرت کسی انسان کی سب سے بڑی خصوصیت ہوتی ہے ——— اور روپیہ کی چمک سے آپکی آنکھیں اتنی اندھی ہیں کہ آپ کو زندگی اور انسانیت کی سب سے اہم خصوصیات کا احساس نہیں ہوتا ؟ اور پھر اگر ایسے امتیازات کو جاہل برتیں تو انھیں معاف بھی کیا جا سکتا ہے مگر ——— مگر تعلیم کے بعد اور روشن خیالی کا مدعی ہونے کے بعد بھی انسان ان حقیر باتوں کا خیال کرے ——— کس قدر بُری بات ہے ؟"

"اور پھر بھی نہیں ——— آپ جواب دے سکتے ہیں کہ بیچارے میجر آفتاب حسن کے ساتھ جو سلوک آپنے کیا ہے ——— وہ جائز ہے ؟"

یوں محسوس ہُوا جیسے کسی نے مخزن میں تیلی دکھادی ——— بارود کا خزانہ دھمک اُٹھا !

"اچھا تو آمدم برسر مطلب ! آپ کو یہ اعتراض بھی ہے ؟" اور سنبھل کر بیٹھ گیا "میں پوچھ سکتا ہوں، آپ کو اس سے دلچسپی ؟"

"کیوں ؟ "شیریں کی بھوؤں میں گرہ پڑ گئی " ایک ہیں کیا جس نے بھی وہ داستانِ دردسنی ہے مجبور ہو گیا ہے ——— ناانصافی کی ایک حد ہوتی ہے خسرو صاحب !"

"ناانصافی ؟" ہونڈھے جھٹکا دے لے "میں کہتا ہوں اُس کو تو میں نے

چھوڑ دیا اور اس سے زیادہ اس مجہول الذہی کے ساتھ اور کیا کیا جا سکتا ہے؟

"اور کیا کیا جا سکتا ہے، غریب کو در بدر کی ٹھوکریں تو کھلوا دیں، اب اس کا دنیا میں کوئی مقام نہ رہا اور پھر؟" وہ ذرا ٹھیک سے ہو بیٹھی "وہ پھر یہ ادعا کہ اسے چھوڑ دیا گیا، آپ تو اسے پھانسی لگوا دیتے ہ، کس قدر سنگ دل اور جابر ہیں آپ؟"

"اور یہ تمہاری رائے ہے میرے متعلق؟" خسرو نے پلنگ پر ہاتھ ٹیک کر شیریں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں، شیریں! یہ تم ہو! ورنہ ——— ورنہ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو تم دیکھتیں ——— تمہارا شکر گذار ہوں کہ تم نے مجھے بہت کچھ بتا دیا میں مجبور ہوں ——— مجھے تم سے محبت ہے اور میں نے اس محبت کی خاطر سب کچھ گوارا کر لیا تھا ——— اور اس پر حاشا و کلّا شرمندہ نہیں ہوں!" وہ کھڑا ہو گیا "اور رہ گیا تمہارا خاندان؟ تو تم ہی بتاؤ کیا میں اس رشتہ داری پر خوش ہو سکتا ہوں؟ کیا میرے خاندان والے اس پر فخر کر سکتے ہیں؟" شیریں اس ادعائے فخر و غرور پر کھولنے لگی"

"بڑے سخت خود غرض ہیں آپ خسرو صاحب! مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ شریف آدمیوں کی طرح گفتگو بھی نہیں کر پاتے" شیریں نے کمبل اپنے اطراف لپیٹ لیا "اور آج مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ پہلی نظر میں جو اندازہ میں نے لگایا تھا وہ حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوا! اور اب تو میں یہی کہوں گی کہ آپ نے میرے متعلق جرأت کی یہ آپ کی غلط فہمی تھی خسرو صاحب دنیا کا وہ آخری مرد ہوں گے آپ جس کو میں کبھی پسند کر سکتی ہوں؟"

"بڑی مہربانی محترمہ آپ اب خاموش ہی رہیے، آپ نے بہت کچھ کہہ لیا سبحان اللہ! میں واقعی شرمندہ ہوں کہ میں نے یہ جرأت کی ——— خدا آپ کو شاد و آباد رکھے ——— آمین! خدا حافظ!" ان الفاظ کے ساتھ وہ کمرا سے باہر تھا!

اُس کے پیچھے دروازہ بند ہو گیا

اور شیریں پر دکھ درد کے دروازے جیسے کھل گئے، وہ بے اختیار ہو کر رو پڑی!

یہ سب کیا ہو گیا؟ ——— میرے خدا! یہ سب کیا ہو گیا؟ ——— یہ سوالات ہتھوڑے کی ضرب بن کر اس کا سر پھوڑ رہے تھے! خسرو اور میرے ہاتھ کا متمنی! یہ اور ایسا سپاٹ جواب؟! اسے یقین نہ آتا تھا وہ اس کی ذات، اس کے کردار اور اس کے خاندان سے واقف تھی، اس کی گہری گمبھیر طبیعت پر بارہا اُسے پیار آیا تھا کہ اِس کی اپنی طبیعت ایسی تھی مگر؟ ——— جو باتیں ہو چکی تھیں وہ بھی جان لیوا تھیں — — نذرینہ کی مسرور زندگی کے بغیر اس کی اپنی زندگی اندھیرا ہو گا! وہ اس کی خوشیوں کے کھنڈر پر اپنی مسرتوں کے محل تعمیر نہیں کر سکتی!

فٹن کی آواز نے اسے بتایا کہ زاہدہ اور سلمان لوٹ کر آ گئے

جن خیالات کو سینہ سے لگا کر اسے رات کے خدا جانے کس حصہ میں نیند آئی تھی انہی کو پہلو میں لے کر وہ جاگی! زاہدہ سے بچنے کے لیئے اس نے کپڑے بدلے اور سیر کا بہانہ کر کے چل دی، جاتے جاتے آج اس کے دل میں آیا کہ اب تو چلے ہی جانا ہے آؤ ذرا بیگم سرقد کے باغ کے پاس والی سڑک سے گذریں، نہ جانے کیا کچھ سوچتی اور دروازہ پر رک کر اندر باغ میں جھانکتی ہوئی وہ آہستہ آہستہ جا رہی تھی، آج اس نے پرانا راستہ اِس لیئے چھوڑ دیا تھا کہ کہیں اسے خسرو کا ساتھ نہ یاد آ جائے ———!

ایک گیٹ چھوڑ کر گذرنے لگی تھی کہ کوئی دروازے میں سے آگے نکل آیا ——— ”میں صبح سے تمہارا منتظر تھا ——— کیا میں امید کروں کہ تم یہ خط پڑھو گی؟“ اُس نے

اس خوبصورت مردانہ ہاتھ کو دیکھا، جس میں ایک خوبصورت سا ہلکا پھلکا لفافہ تھا اور پھر نظر بھر کر اُس ہاتھ والے کو "گھبراؤ مت ——— میرا خیال ہے اس خط سے چند ایسی غلط فہمیاں دُور ہو جائیں گی، جن کا دُور ہونا ناگزیر ہے!" شیریں نے خط پکڑ لیا ——— اور وہ فوراً مڑکر "خدا حافظ" کہتا ہوا چلا گیا

دور اُونچی اُونچی باڑ کے پیچھے اس کا سر ڈوبتا گیا ——— ڈوبتا گیا ——— ڈوب گیا ——— !!

شیریں وہیں سے گھر کی طرف پلٹ پڑی اور خط کھول لیا، لکھا تھا:-

"——— محترمہ! مجھے لمبی چوڑی باتیں نہیں کرنی ہیں ——— اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اس میں کوئی شک نہیں، میں نے شہر یار اور زرینہ کے معاملہ میں کسی خاص بناء پر نہیں صرف اپنے خلوص کی بناء پر دخل دیا، میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے یہ محسوس نہ کیا تھا کہ زرینہ کا یہ عالم ہے ——— البتہ شیریں اس کا یقین کرو کہ میں شہر یار سے واقف ہوں، مجھے تو افسوس تھا کہ ایک اچھی لڑکی کو یہ شخص پھر کہیں بہکا نہ بیٹھے ——— لہٰذا میں نے اُسے بچانا ضروری سمجھا۔

"اور تمہارا یہ الزام کہ میں نے جان بوجھ کر اپنی خیانت نفس سے میجر آفتاب حسن کی یہ گت بنائی کہ نہ صرف جائیداد سے محروم کیا بلکہ آئینِ زندگی کا ہر دروازہ بند کر دیا، حالانکہ ساتھ کا کھیلا یہ لڑکا میرا دوست بھی تھا اور میرے مرحوم والد کا چہیتا منہ بولا بیٹا بھی ——— !

"اور تو شاید کچھ نہ ہو لیکن شیریں رات کو جس دریا دلی سے تم نے الزامات

لگائے اُن سے میرے دل کو جہاں تکلیف ہوئی وہاں ایک خاص احساس بھی ہُوا! کہ مَیں اب آیندہ مستقبل میں کچھ محتاط ضرور ہو جاؤں گا۔"

"رومیجر آفتاب حسن کے والد بڑے معزز انسان تھے، میں مرحوم کی آج بھی عزت کرتا ہوں وہ ہماری ریاست کے منتظم کے عہدہ پر فائز تھے اور انھوں نے ریاست کے لیئے بڑی خدمات انجام دیں میرے والد مرحوم کو یہ لڑکا اس قدر پسند تھا کہ تعلیم کا مستقلاً" ذمہ لے رکھا تھا حتیٰ کہ علی گڑھ تک بھی وہی خرچ برداشت کرتے رہے انھیں توقع تھی کہ یہ بہت ہی ترقی کر سکتا ہے!"

"لیکن افسوس کہ ان کی توقع سے اس نے جو توقعات باندھ لیں، وہ بے حد توہین انگیز تھیں، میرے والد کا انتقال ہُوا تو اس نے ایک جھوٹا وصیت نامہ پیش کر کے مجھ پر مقدمہ کر دیا، اس نے مُہر چرائی تھی اور مدعی تھا کہ آدھی جائیداد اور روپ نگر کا "قصر کسریٰ" اس کو مل جائے"

"پہلے میں نے کوشش کی کہ اسے سمجھاؤں کیونکہ بات کا بڑھانا، خود مجھے ناپسند تھا لیکن جب نہ مانا تو ناچار پھر اسے ٹھیک کرنا پڑا اب جو بدنامی ہوئی اور ناکامی بھی تو اُس نے ایک اور کمینگی دکھائی کہ مشہور کر دیا یہ سب کچھ اس لیئے ہُوا کہ رخسانہ سے شادی کی وصیت میرے والد کر گئے تھے! اور ثبوت میں میرے والد کا ایک خط رکھنے کا دعوےٰ کیا۔

"اس کے بعد جو کچھ ہُوا ——— لو میں وہ بھی تمھیں سناتا ہوں" رخسانہ کے نگمہ انکار اور ترنا رہیں ہیں اور کامران

رہی جب ۱۵ سال کی ہوگئی تو میٹرک کر لیا، تو ہم نے اُسے ریاست افضل پور میں ایک اُستانی عطیہ بیگم کے ساتھ رکھا، وہاں یہ پہنچا اور کسی طرح اُستانی کو ملا کر کوشش کی کہ رخسانہ کو اڑا لیا جائے، خوش قسمتی! عین وقت پر مجھے پتہ چل گیا اور میں نے رخسی کو بچا لیا!

"اور اس کی جب میں نے اسے ذرا اچھی سی سزا دے دی تو اس روز سے کر آج تک یہ میرے خلاف سازشیں کرتا پھرتا ہے ——

ہو سکتا ہے کہ تمھیں خیال آئے یہ باتیں میں نے کل رات کیوں نہ کہیں تو ——

سچی بات یہ ہے اس وقت میں اپنے ہوش میں نہ تھا

" اور مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا اگر تم اس کی مزید توثیق کے لیے کرنل سے بات چیت کر لو بہر حال صبح میں کوشش کروں گا کہ کسی طرح یہ خط تمہارے ہاتھ میں خود دے سکوں، مجھے یقین ہے تم تفریح کے لیے ضرور آؤ گی۔

خدا حافظ ! ——

خسرو نوشیروان

"شیریں پر اس خط کا اثر عجیب ہوا، اس کو یوں محسوس ہوا کہ یہ شخص اتنا پکا "فراڈی" ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں، بات کو پلٹ کر رنگ دینا کوئی اُس سے سیکھے! اُسے اُس شخص کی مکاری پر رہ رہ کر غصہ آیا اور دانت پیس کر اس نے خط کو جیب میں رکھ لیا! مارے غصہ کے اُس کا سر چکرا رہا تھا —— وہ ایک درخت کے نیچے پتھر پر بیٹھ گئی۔ نہ جانے کتنی دیر آنکھیں بند کیے بیٹھی رہی —— اور پھر یہ سوچ کر چلی کہ اب اس خط کو فوراً جلا دے گی اور کبھی نہ پڑھے گی ——

لیکن کچھ دور جانے کے بعد اس کا نظریہ بدلنے لگا ——— اور ہاتھ بڑھا کر اُس نے خط نکالا اور ایک سانس میں پڑھ ڈالا ——— !

یکایک جیسے پردہ سا اس کی آنکھوں سے سرکنے لگا ——— اُسے اس تحریر میں "خلوص" سا نظر آنے لگا ——— اس لیے کہ سارا جھگڑا صرف اسی ایک لفظ کا تھا ——— اگر خلوص کو فرض مان کر اس خط کو اس روشنی میں دیکھیں کہ ایک غرور و نخوت کی حدوں تک پہنچا ہوا انسان محبت کے ہاتھوں اتنا مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ ہر بند کو پھلانگ جاتا ہے تو وہ "بے خلوص" کس طرح ہو سکتا ہے" ؟ چنانچہ سارا معمہ حل ہو جاتا ہے !

انہی خیالوں میں ڈوبی گھر پہنچی تو زاہدہ نے گلہ کیا کہ خسرو نواب اور ہارون کامران، رخصت ہونے کے لیئے آئے تھے ——— اور ایک گھنٹہ سے زیادہ انتظار کر کے چلے گئے ——— !"

فلک نما کی رونقیں گھٹ گئی تھیں ——— اور جیسے آنسو پونچھنے کی ضرورت کے ماتحت بیگم نواب سرقدر کو ان کی یاد آئی اور یہ کھلونے جی بہلانے چلے گئے

خوبصورت وسیع ہال میں داخل ہوتے ہوئے شیریں مسکرائے بغیر نہ رہ سکی، اگر برسوں رات کی بات ہو گئی ہوتی ——— تو آج ماحول کتنا بدلا ہوتا ؟ میں اس گھر میں ہونے والی بہو کی حیثیت سے آئی ہوتی !

"ہائے مسٹر سلمان میں تمھیں کیسے بتاؤں" ! بیگم کتنی اُداس تھیں ؟ "دوستوں کی جدائی میں کس بُری طرح محسوس کیا کرتی ہوں ——— شاید دنیا میں میری طرح کوئی نہ کرتا ہوگا" ! ان کے منھ سے آہ نکل گئی اور مسٹر سلمان نے پوری غمگین آواز میں اس کی تصدیق کی ——— !

"اور مجھے بھی بے حد افسوس ہے کہ آپ کو ایسے میں چھوڑ رہی ہوں" شیریں نے چپکے سے مسکرا کر کہا "میں بھی آپ کو خدا حافظ کہنے آئی ہوں!" بیگم نواب سر قدر چونک پڑیں

"ہیں؟ کیا کہا جا رہی ہو؟ نہ نہ بیگم سلمان انھیں نہ بھیجو ——— ان کی امی کو لکھ بھیجو کہ میں ان کو دو مہینے کم از کم اور رکھوں گی! مجھے تم بہت پسند آئی ہو!" انھوں نے آخر میں شیریں کو مخاطب کیا۔

"جی ی شکریہ! لیکن مجبوری یہ ہے کہ میرے والد مجھے دیکھنے کے لیے بیتاب ہیں اور پھر فضل پور میں ایک ہفتہ سے شاید زیادہ لگ جائے گا وہاں میرے ماموں ہیں!"

"تعجب ہے کہ تمھارے والد کو اشتیاق ہے؟ لیکن والد کو جب معلوم ہو گا کہ میں رکھنا چاہتی ہوں وہ انکار کیسے کریں گے؟"

"جی ی ——— مگر مجھے بے حد افسوس ہے آپ کی اس مہربانی کا شکریہ، میں پھر کبھی آ جاؤں گی!" بیگم نے بغور دیکھتے ہوئے کہا

"اچھا آ ——— تو بیگم سلمان انھیں میری بیوک میں بھیج دینا، ساتھ رحمٰن خان چلا جائے گا!"

"بے حد شکریہ آپ کا" پھر سے شیریں نے زاہدہ کو بولنے نہ دیا "میرے ماموں جان خان بہادر مقصود اپنی پیکارڈ بھیج دیں گے، اسی سال انھوں نے خریدی ہے"

"اچھا؟ تو تمھارے کوئی ماموں خان بہادر بھی ہیں؟ مگر رشتہ کے ہونگے کیوں!"

"جی نہیں بس میری امی جان سے چھوٹے ہیں!"

"اچھا آ!" انھیں سخت حیرت تھی!

دوسرے دن صبح پانچ بجے کار آ چکی تھی، شیریں نے بطور خاص خود جا کر ڈرائیور

کے ناشتہ کا اہتمام کروایا اور بڑی اچھی طرح تیار ہو کر ناشتہ پر آگئی۔ ناشتہ پر کھانا کم اور اس کے آنے کا شکریہ زیادہ ادا کیا گیا، سلمان کی زبان کے آگے تو جیسے خندق تھی اس بُری طرح بے تکان بول رہا تھا کہ اس کی پچھلی روایات کا ڈھونڈے سے نام و نشان نہ ملتا تھا:

شیریں نے بھی خاصا شکریہ ادا کیا اور ہنسی خوشی رخصت ہوئی
کار کا پٹ سلمان بند کرتے کرتے پھر کھول بیٹھے

"میں نے کہا شیریں نہ جانے کتنے دن تمھیں لگ جائیں گے، یہاں کی تفصیلات سناتے سناتے ——— نہ جانے کیا کچھ تم سناؤ گی" اور مسکرا کر شیریں نے زیر لب کہا

"نہ جانے کیا کچھ چھپا جاؤں گی !! ——— دروازہ بند ہو چکا تھا!"

انیسواں ۱۹ پردہ

نیا انکشاف!

دو دن رہ کر دونوں بہنیں فضل پور سے چلیں اور راستہ میں شاد آباد کے پاس انھیں لینے کے بیے گھر سے کار آئی "ہوٹل کشمیر ان" کے پاس کھڑی تھی، دور سے زرینہ نے دیکھا کہ ڈرائیور تو سو رہا ہے اور عذرا خالدہ چپکے سے نکلی جا رہی ہیں ——— اور دیکھتے دیکھتے سامنے "فیشن ہاؤس" میں گھس گئیں۔

ڈرائیور کو جگایا اور پوچھا کہ ساتھ کوئی آیا ہے اس کے تو جیسے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی دونوں کی دونوں غائب تھیں، زرینہ اور شیریں ہنس پڑیں اور اسے روک لیا، کیونکہ وہ چیخنے رہی والا تھا۔

اتنے میں دونوں آگئیں ——— نہ جانے کیا کیا اٹرم سٹرم خرید رکھا تھا۔ لدی ہوئی تھیں بمشکل ان کا الول جلول سامان اور بقول شیریں "اول غول" سامان موٹر میں بھر گیا ان کا سامان کافی تھا اور پھر ممانی جان بیگم مقصود کے تحفے ——— کہ انھوں نے اپنی آپا جان اور بھائی جان کے بیے دو لحاف بھجوائے تھے !

دونوں کا اصرار تھا کہ "کولڈ میٹ" ٹھنڈا نمکین گوشت کھائیں گے ! اور یہ بھی سنا دیا کہ پاس کی ایک ایک کوڑی خرچ ہو چکی ہے، خیر شیریں تو خفا ہوتی رہی زرینہ نے "بڑکپن" کے زعم میں سب کو "کشمیر ان" چلنے کو کہا، ایک گھنٹہ کے اندر مبلغ پندرہ روپیہ پر ہاتھ پھیر کر

یہ لوگ نکلیں تو شیریں بغل میں ایک پیکٹ دبائے ہوئے تھی، زرینہ نے پوچھا "یہ کیا، شیریں نے ہنس کر کہا۔

"اپنے ابامیاں کے لیے ——— کولڈ میٹ!"

"اوئے ہوئے رہی ابامیاں کی فریفتن ——— ذرا ادھر دیکھنا! اور بغل سے پیکٹ نکال کر دکھایا ——— یہ رہی پیسٹری اور کریم پفس —— امی جان کے لیے!" غرض خوب قہقہے لگے ——!

راستہ میں عذرا اور خالدہ نے بتایا کہ اگلے ہفتہ سب لوگ کراچی جا رہے ہیں فوجی سالانہ جشن ہے ——— جشنِ آزادی کے سلسلہ میں!

"ہائے آپا میجر آفتاب کہتے تھے دیکھنے والی چیز ہوگی اللہ چھ سال سے کہہ رہے ہیں ابامیاں، ہاں کرتے ہی نہیں! ہائے آپا کوئی ترکیب بتائیے نا کیسے کریں؟"

"اور آپا" خالدہ نے جواب نہ دینے دیا "وہ جو ہیں کرنل شاہنواز اور ان کی بیگم! ہائے آپا، ابامیاں کو نہ بتانا، اللہ کیا ہوا ———" اور کہنے سے پہلے ہنسی سے لوٹ ہوگئی بمشکل قابو پاکر آنسو پونچھتے ہوئے بولی "آپا ہوا یہ کہ زہرہ اور زرینہ کو بھی بلایا تھا، نہ آئیں تو دو عورتیں کم ہوگئی تھیں لہذا بیگم شاہنواز نے لیفٹیننٹ خضر اور میجر نواز کو اپنے کپڑے پہنا دیئے اور خوب ڈانس کیا گیا ——— ہائے آپا —— میری آپا!" وہ پھر ہنسی سے بے قابو ہوگئی "ہائے میں کیسے بتاؤں پھر کیا ہوا"؟ ہنسی کے دورے اُسے کچھ کہنے نہ دیتے تھے "ہائے اللہ بڑا مزہ آیا! شیریں" زرینہ بھی ہنس پڑیں مگر انھیں کوئی خاص لطف نہ آیا ———!

"میری بیٹی سنو!" مسٹر ریاض تقریباً رو پڑے "کتنے دن لگا دیئے تو نے رے!"

ان کی زبان میں محبت نے لکنت پیدا کردی! اسی طرح وہ زرینہ سے بھی خوب ملے اُسے خوب خوب چمٹایا، پیار کیا! گھر میں خان بہادر اور ان کی بیگم بھی تھی دونوں بے حد خوش تھے اور سارا دن شیریں تفصیلات کے جوابات دیتے دیتے عاجز آگئی، فوضیہ کو جب عذرا اور خالدہ نے ایک ایک دلچسپی داستنہ کی بتائی اور افسوس کیا کہ وہ ان کے ہمراہ نہ گئی تو اس نے یہ جواب دے کر ان کو خاموش کر دیا، کہنے لگی۔

"توبہ ہے یہ بھی کوئی دلچسپی کی بات ہے بخشو بابا! میں نے اتنی دیر میں نہ جانے "ایسٹ لِن" (Eastlinne) (ناول، مسز ہنری ووڈ) کا کتنا حصہ ختم کر لیا لطف تو اس میں آتا ہے نہ کہ تمہارا یہ الول جلول سفر!"

شیریں دن بھر کی اودھم کے بعد جب رات کو بستر پہ لیٹی تو زرینہ سے اس نے وہ بات بتا ہی دی جس کے بتانے کے لیے وہ تڑپ رہی تھی۔

بہن کے دل میں محبت کی یہ تڑپ دیکھ کر زرینہ آب دیدہ ہو گئی، محبت سے بھرپور نگاہیں اس کے چہرہ پر گاڑ کر بولی۔

"لیکن شنو جان! اپنی اس بد قسمت بہن کے لیے تم نے اپنی زندگی میں خلا ر کیوں پیدا کر لیا؟ تم نہیں جانتی، مجھے اس امر سے کتنی خوشی ہے کہ تم کو مجھ سے اتنی محبت ہے لیکن پیاری شیریں میں اس کو کیا کروں مجھے اس کا بھی افسوس ہے کہ خسرو کو انکار سے بے حد رنج ہوا ہوگا بے حد!" اُس نے بڑی ٹھنڈی سانس بھری!

"اُف ....! محبت میں ناکامی کس قدر جان لیوا ہوتی ہے"۔ شیریں نے کہا

"آپی یقین مانئے مجھے کچھ کم افسوس نہیں ہوا لیکن اس سے کیا ہوتا ہے —— انسان کی اپنی عزت اور اپنا مقام بھی کوئی چیز ہے —— آپی یقین کیجیے اس

شخص کا غرور تھا جس نے مجھے اتنی ضد پر آمادہ کیا ورنہ ——— " وہ چپ ہو گئی ، زرینہ نے مسکرا کر پوچھا ۔

"ورنہ کیا ——— ورنہ کیا"

"ورنہ یہ کہ مجھے دلی افسوس ہے اور سخت دکھ !"

"اور سُنیئے آپی ——— دوسرے دن ایک خط مجھے دیا گیا جس میں عجیب و غریب انکشافات تھے ———" اُس نے خط نکال کر زرینہ کو دیا ، وہ خط پڑھتی جاتی تھی اور اس کا سانس پھولتا جاتا تھا ، جب اس نے ختم کیا تو خط سینہ پر رکھ کر دیر تک خلاؤں میں دیکھتی رہی اور کچھ دیر سکون رہا ۔

"ہائے شنو ! یہ دنیا کتنی عجیب ہے ، ——— کتنی عجیب ! اور میجر آفتاب ! ہائے یہ اتنا بُرا انسان ہے ——— اتنا بُرا ! اُف توبہ " جھرجھری لے کر بولی " شنو ! اب سوچو خسرو کو کتنا دُکھ ہوا ہوگا ، اللہ توبہ ——— شنو ! اب کیا ہوگا " شیریں مسکرائی

"آپی اور ظالم کی صورت کتنی پیاری ہے ؟ ——— یوں محسوس ہوتا ہے ایک تمام تر نیکی اور ایک تمام تر شکل ہو کر رہ گیا ہے !"

"خوب !" زرینہ کہنے لگی ، تو کیا خسرو شکل کے بُرے ہیں ——— نا بڑی اچھی شکل ہے !"

"لیکن آپی تعجب ہے میری آنکھوں پر عینک ! ور دل میں زہر گھول رکھا تھا آپی ہائے ! مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں نے انتہائی بد اخلاقی کا ثبوت دیا تھا ———

مگر" وہ جلدی سے تنک اٹھی " آپی آپ ہی بتایئے بھلا پھر میں کیا کرتی ، کوئی بہن

اپنی بہن کی توہین برداشت کر سکتی ہے!"

"آپی ایک آپ تو کیا اس وقت ساری دنیا بھی ہوتی تو مجھے خسرو کے متعلق رائے صاف کرنے پر مجبور نہ کر سکتی تھی!"

"میرا خیال ہے آفتاب کو سزا ضرور ملے گی بھلا یہ دوسری مرتبہ اپنی عزت کا ڈھونگ جو اس نے رچایا ہے تم دیکھ لینا ایک دن رنگین فانوس کی طرح اڑ جائے گا!"

شہریار کے ذکر پر زرینہ کافی سرخ ہو چکی تھی اس امر کی تمیز مشکل تھی کہ یہ محبت کا جوش تھا یا غصہ کی انتہا بہرحال اس موضوع پر اس نے کچھ نہ کہا، چپ ہو گئی اور اس کی آنکھیں نم نم! لیکن شیریں کو اس کا بے حد خیال تھا وہ شہریار کو اتنا برا ہرگز نہ سمجھتی تھی، زرینہ کی پہلی اور آخری محبت تھی، ایشیا کی یہ حسین بیٹی یورپ کی دختر نہ تھی کہ دل کے ان کھنڈروں پر کسی اور دلچسپی کا محل بنا لیتی:

بیگم ریاض کو بے حد افسوس تھا کہ "کاشانہ" والوں سے زرینہ افضل پور میں بھی نہ مل سکی وہ تقریباً مایوس ہو چکی تھیں وہ سوچتی تھیں زرینہ یہ زخم لیے لیے قبر کی آغوش میں جا سوئے گی، تب شہریار کو پتہ چلے گا کہ اس نے کیا کیا ہے۔

لیکن شیریں کو یہی غم تھا اور جب بیگم ریاض سلمان کے بارے میں پوچھنے لگیں تو وہ تفصیلات نہ بتا سکی۔

ان کو آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا، دوسرا ابھی ختم ہونے کو آیا تھا، مسٹر ریاض کسی عنوان خالدہ اور عذرا کو اجازت دینے کے لیے تیار ہی نہیں تھے کہ وہ جشنِ استقلال پاکستان پر کراچی چلی جائیں دونوں رات دن اسی غم میں بقول نوضیہ "بلا گئی جل رہی تھیں"! وہ خوش تھی کہ انھیں اجازت نہیں ملتی!

"ہائے اللہ! ہم کیا ہو گئے ہیں؟ یہ لوگ دن رات اتنا اتنا لمبا منھ بنائے کیوں پھرا کرتے ہیں؟ خالدہ چلائی ہائے امی آپ ہی ہماری سفارش کر دیجیے نا!" وہ امی کے گلے میں باہیں ڈال کر جھول گئی

"بیٹا میں کیا کروں؟" انھوں نے چشم پر آب ہو کر کہا "بیٹا مجھ دکھیا کا دل اور نہ دکھاؤ، میں مجبور انسان کچھ کر سکتی ہوں؟ تمھاری طرح میرا دل بھی جلتا ہے بیٹا تم جوان ہو تو میں بھی کبھی جوان تھی آج سے پچیس سال پہلے ——— جب جنگ پر جانے والے سپاہیوں کی جھلک دیکھنے کے لیے ہم ترسا کرتے تھے، اور جی چاہتا تھا کہ اُڑ کر جائیں اور دیکھ آئیں ——— مگر اس وقت بھی دل تڑخ تڑخ جاتا تھا اور ہم مجبور تھے ——— اور آج بھی مجبور ہیں ——— بیٹا ہم کیا کریں ———؟"

"ہائے امی اگر میں کراچی نہ جاؤں گی، نا امی تو امی ——— میرا دل ٹوٹ جائے گا ——— ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا ——— ہائے امی ی ی!!" وہ ہیچ ہیچ کر رونے لگی، بیگم ریاض نے بھی چپکے چپکے اُس کا ساتھ دینا شروع کیا اور زور زور سے ہا ہا کرتی ہوئی پان لگانے لگیں۔

جھمکے نے آکر عذرا کو ایک بڑا سا خط دیا اور وہ روتے روتے اچھل پڑی۔

"ہائے امی میری امی ی ی!" کہہ کر وہ دوڑ کر امی کے گلے میں چمٹ گئی اور "ہائے میری بچی کہہ کر" بے چاری بیگم ریاض پھوٹ پڑیں" عذرا نے چونک کر انھیں دیکھا اور آنسو بھری آنکھوں سے انھیں جلدی جلدی پلکیں جھپکا کر دیکھا اور مسکرا پڑی۔

"امّی سنیے نا ——— یہ دیکھیے!"

"کیا ہے!" کہہ کر انھوں نے اسے دیکھا، آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں اور ہونٹ لرزتے ہوئے تھے۔

"یہ دیکھئے!" عذرا نے لفافہ اُن کے ہاتھ تھمایا "بیگم شاہنواز نے مجھے بلایا ہے ——— امّی اب تو مَیں چلی کراچی جی! ——— امّی اب تو میں چلی ———!" وہ خوشی سے ناچنے لگی! اور ناچتے ناچتے اُوپر سیڑھیوں پر چڑھتی چلی گئی

عذرا کو رقصاں شاداں خنداں دیکھ کر سب حیران رہ گئے بالخصوص خالدہ کہ عین اس کے منھ پر جاکر لفافہ رکھ دیا! اور ناچتی ہوئی شیریں کے گلے میں باہیں ڈال کر بولی

"بھینو جان ——— مَیں تو چلی دِلّی کی حلوا سوہن کھانے!" خاصا راگ نکال کر "واجی عبدالخالق دلی والے کا حلوہ سوہن، احمد کی مٹھائی، انبالہ کے رس گلے اور ——— اوووررر ——— گنگرڑی لے کر جہ حسّان کی رس ملائی ہووود ——— رس ملائی ——— رس ملائی ———"

"اوووررر! ——— اللہ نے مِلائی ——— پوچھو باجی کیا؟" شیریں نے مسکرا کر کہا۔

"کیا؟"

"یعنی کہ جوڑی ———!" عذرا اچھی خاصی ایکٹنگ کر رہی تھی "یہ ایک بھی ان میں اندھانہ کوڑی ——— اللہ نے ملائی میری ——— میری جوڑی میری جوڑی میری جوڑی ہی ی!!" اور ناچ ناچ کر اس نے خالدہ کو تنگ کرنا شروع کیا۔

جواب اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور بار بار لفافہ دیکھے جاتی تھی !

"میں کہتی ہوں ایمان سے زرّیں آپا یہ بیگم شاہنواز ہے بڑی کُٹّی —— ایمان سے بڑی کُٹّی ہے۔ دیکھیے تا آپی" شیریں کو مخاطب کیا گیا "یہ آخر عذرا میں کون سے پر پھوٹے تھے اور کون سی ہماری آنکھ نہیں تھی —— ہونھ ! مگر میں بھی قسم کھاتی ہوں —— اگر تمھیں اجازت ملے گی تو میں بھی جاؤں گی، ورنہ خون کر دوں گی —— دیکھ لینا" ! عذرا بل کھا کر اس کے پاس پہنچی ۔

"اے میں کہتی ہوں لڑکی ہوش کی دوا کر بیٹھی رہ چپکی نگوڑ مار کیا زمانے آ گئے ہیں ہئے ہئے" سر کو ہاتھ لگا کر دادی اماں بن گئی "میں کہتی ہوں لڑکیو ! اب سخت ضرورت ہے کہ تمھارے دو بول پڑھا دیئے جائیں —— اے بولو ! ہم تو سمجھتے تھے، یہ زرّیں شیریں گئی ہیں —— اُنہہ —— انہہ" ہانپ کر اے کچھ لے ہی آویں گی دونوں —— پر لو ! لو وہ تو جیسی گئی ہیں، ویسی چلی آئیں۔ میں کہتی ہوں بیبی کھیسی اے اللہ رکھے زریں اب بائیسویں میں بھر کر تئیسویں میں ہے اور یہ شیریں اے یہ بھی اب بیسواں پورا ہی کر لیں گی —— اے یہ موئی نگوڑ مار کی لڑکی کا ہے کو مسٹنڈا لڑکا ہے لڑکا" ! فوضیہ کی ٹھوڑی پکڑ کر دیکھنے لگی اُس نے غصہ سے ہاتھ جھٹک دیئے۔

"میں کہتی ہوں عذرا ڈھنگ سیکھو ہمیں نہیں اچھے لگتے تمھارے یہ بھونڈے نخرے لعنت ہے تم پر" ! عذرا مصنوعی طور پر بن بن کر وڑتی رہی ۔

"اے ہی ! میں نے کون بُری بات کر دی اے لو بنتی کیوں ہو دل میں تو لڈو پھوٹ رہے ہوں گے اور —— کہ زرینہ نے ڈانٹ دیا ——"

"میں کہتی ہوں عذرا کیا بچپن ہے؟ دماغ تو نہیں چل گیا ——" شیریں نے گھور کر دیکھا!

"میں بھی دیکھوں گی عذر کی بچی تو کیسے جائے گی کراچی —— ذرا ٹھہر تو جا!"

اور عذرا بھاگی بے تحاشا نیچے —— یہ کہتی جاتی تھی ——

"نا بابا نا —— میری توبہ —— اب سے نہیں!!!"

"میں کہتی ہوں ابا جان آپ نے تو آنکھیں بند کر لیں ہیں، خدا کے لیے کھول ڈالیئے اب یہ عذرا جانا چاہتی ہے کراچی —— آپ تو جانتے ہیں ایک تو سب سے چھوٹی ہے اور نادانوں کی سردار —— اسے بھلا وہاں فوجی جشن ضرور دیکھنا ہے!" مسٹر ریاض نے چشمہ نکال کر ہاتھوں میں لیا اور بولے۔

"شنو جان سنو! زمانہ کو دیکھو کہاں سے کہاں جا رہا ہے اور پھر یہ دقیانوسی باتیں کرو!" شیریں جل ہی تو گئی!

"تو آپ کے نزدیک یہ روشن خیالی ہے؟ کیا کہنے —— سبحان اللہ! ابا جان آپ بھی کمال کرتے ہیں، کیا آپ کو اس لائبریری سے باہر نکل کر دنیا دیکھنے کی قسم ہے۔ ایمان سے ابا جان بڑی بدنامی ہوتی ہے، یہ تیسرے درجہ کے فوجی افسروں پر مرتی ہے —— معاف کرنا ابا جان! میں حقیقت پر سے پردہ اٹھا رہی ہوں" مسٹر ریاض نے پائپ کا کش لے کر کہا

"بیٹا تم اتنی پریشان نہ ہو —— سنو شاہنواز فیملی کے ساتھ جا رہا ہے اکیلی تو نہیں جا رہی ہے —— اُن کی بیگم ماشا اللہ بڑی سمجھ والی ہے"!

"ہونہہ! کیا کہنے!" شیریں کا منھ لمبا لمبا سا ہو گیا "بڑی سمجھدار ہیں، اس قدر مجھے تو یہ عورت بُری لگتی ہے جس کی کوئی حد نہیں! اور عذرا گدھی کے نزدیک" اُس نے دانت پیس پیسے بس کراچی جانے اور جنت جانے میں کوئی فرق نہیں!

"نہیں بیٹا یہ تمھاری زیادتی ہے" مسٹر ریاض کے عقیدہ کو کون متزلزل کر سکتا تھا؛ شیریں تھک ہار کر منھ لٹکائے واپس آئی۔

رات کے کھانے پر بہت سے فوجی افسر تھے اِن میں شاہنواز اور آفتاب حسن بھی تھے، باتوں باتوں میں شیریں نے بتایا کہ کامران اور خسرو "فلک نما" تین ہفتوں سے زیادہ رہے اور شیریں سے خوب ملاقاتیں رہیں اور یہ کہ خسرو کی عادتیں قریب سے کچھ اور ہی نظر آئیں آفتاب نے التجا کی کہ ہمارے سامنے یہ ذکر نہ کیا کریں!

مسٹر ریاض نے اجازت دی اور عذرا چلی گئی، خالدہ منھ پھلائے پڑی رہی شیریں کو آج سے نہیں ہمیشہ سے سب سے شکایت رہی اور انتہا کہ اس نے ہمیشہ یہی دیکھا کہ ابا جان اور امی جان دونوں ہی جا رہیں ——— کوئی اِس پار کوئی اُس پار!

اس کے والد نے ایک ایسی لڑکی سے شادی کی جس کی شکل وصورت کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی، کمزور طبیعت، صاف دل، وسیع القلب اور خوبصورت اور پھر کم سنی میں شادی ہو گئی، اس طرح ایک دوسرے کا احترام، اعتماد اور خلوص سر سے سے غائب ہو گیا اور مقابل زندگی کی خوشیاں عنقا ہو کر رہ گئیں، لیکن مسٹر ریاض حد سے زیادہ رجائی تھے چنانچہ انھوں نے اپنے آپ کو مایوسیوں میں ڈبو دینے کے لیے کتابوں کی دُنیا میں غرق کر دیا اور اپنے سب لیے ایک خاص "ذوق" اور ایک "اصول" پیدا کر لیا کہ دنیا تو اسی رنگ میں رہی ہے۔ اور رہے گی، لہذا ہمیشہ خوش رہو اور اپنے آپ کو اس سے بلند

کر لو! اب ہر دوسرے انسان کی ہر حرکت ان کی طمانیت کا باعث ہوتی ہے انھیں، ایک لطف آجاتا ہے وہ اس میں مزہ لینے لگتے ہیں اور ایک حقیقت ہے کہ اگرچہ یہ سچی مسرت نہیں لیکن ایک سچا فلسفی اس کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا!

اور اس طرح شیریں اپنے باپ کے ایک شوہر کی حیثیت، ناکام انسان سے واقف تھی لیکن اسے یہ امید نہ تھی کہ وہ باپ کی حیثیت سے بھی ایک ناکام انسان ہوگا لڑکیوں کی اٹھان لڑکوں کے انداز پر کرنا، چلو یہ بھی مان لیا کہ گھر میں کوئی لڑکا نہیں خلافِ عقل اور مصلحت ہے مگر انھوں نے کیا یہی اونچی سوسائٹی کے مجبور کر دینے والے رسم و رواج کے ماتحت اس گھر میں پردہ تو کجا پردہ کا ذکر بھی ہمیشہ مذاق کا پہلو لے کر ہوا کرتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکیاں ہر قسم کی سوسائٹی میں ماں باپ کے برابر شریک ہوا کرتیں اس سے نظر وسیع اور پختگی تو آگئی تھی لیکن ان میں سے نسوانیت کا جوہر بھی مرجا رہا تھا بالخصوص چھوٹی لڑکیوں کا، عذرا سب سے چھوٹی اور سب میں شوخ و تنگ اور طرار! فوجی افسروں پر جان دینا اس کا شیوہ تھا اور جب سے کالج جانے لگی تھی بالوں کو کاٹ کاٹ کر مشہور ایکٹرس ہیپ برن کے بالوں جیسا بنا لیا تھا اور حقیقت یہ تھی کہ کسی گرم گیری پیک کی تلاش میں اس کا دل ہمیشہ تڑپا پھڑکا کرتا تھا جب سے میجر آفتاب حسن کو دیکھا تھا لٹو ہو کر رہ گئی تھی!

شیریں نے عذرا کی روانگی کے بعد کمرہ میں جا کر ذرا کمر سیدھی کرنی چاہی کہ جھمکے نے آکر کہا، صاحب بلا رہے ہیں! اوفھ! کہہ کر اٹھی اور بے دلی سے چلی.

مسٹر ریاض ایک خط لیے مسکرا رہے تھے!

"چلو بھئی اب تم تیار ہو جاؤ ——— کار آتی ہی ہوگی"!

"یعنی"؟ شیریں نے پوچھا "کیا ماموں مقصود کا خط ہے"؟

"ہونھ"! مسٹر ریاض نے ہنکاری بھری۔ مگر لوٹو گی کب تک؟

"یہی سا ہفتہ ڈیڑھ میں"

"نہیں بھئی —— " وہ بولے نظریں اوپر کے شیشہ سے باہر ہو رہی تھیں

"ہفتہ کے اندر آنے کی کوشش کرنا —— گھر سارا ویران ہو جائے گا"!

"مگر آپی تو ہیں نا"؟ اٹھلا کر بولی۔

"ہوں! آپی ہیں! امی ہیں مگر تم تو نہ ہو گی"

"میرے ابو وو"! کہہ کر نسرین لپٹ گئی

راستہ بھر موٹر میں وہ اُڑتی رہی اور اس کے ساتھ اُس کا ذہن و خیال اُڑتا رہا نہ جانے کیوں اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اُسے ایک نامعلوم سی خوشی ہو رہی ہے اور یہ خوشی کس آنے والی خوشی کا پیش خیمہ تھی؟ یہ اُسے نہیں معلوم تھا۔ اس نے سوچ سوچ کر نتیجہ نکالا کہ یہ محض اس بات کی خوشی ہے کہ اس کو سیر کا موقع مل گیا ہے"!

ممانی اور ماموا منتظر تھے —— اور اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اُتر کر منہ دھو لیتی، اسی طرح سامان لدا اور سب چل پڑے!

موٹر چلی جا رہی تھی اور راستہ میں پھلوں مٹھائیوں کی بہار آئی ہوئی تھی نسرین کو بھوک لگ رہی تھی لہٰذا ڈٹ کر پھل اور مٹھائیاں کھائیں

راستہ میں ہنستے ہنستے مقصود صاحب نے پوچھا۔

"میں کہتا ہوں چلو ذرا روپ نگر کی سیر کر لیں" قصر کسریٰ" تو تم جانتی ہو دیکھنے کی چیز ہے ——!"

"قصرِ کسریٰ" شیریں نے چیخ کر کہا "بھلا ہم کیا کریں گے وہاں جاکر ۔ آپ لوگ جانتے ہیں کس کا ہے؟" ممانی بے ساختہ مسکرائیں اور انگلی لبِ پہ لگادی!

"اللہ ری! میں کہتی ہوں ــــ بھئی یہ نہ جانے آجکل لڑکیاں اتنا بنتی کیوں ہیں؟" شیریں جواباً مسکرائی اور دونوں مل کر ہنسنے لگیں۔

"نہیں ممامی پیاری ــــ آپ نہیں نا جانتیں مجھے ــــ بس رہنے دیجیے ــــ مجھے سرمایہ داروں سے نفرت ہے!" مامی پیاری کی ابرُوں پر بل گرے، ہونٹ لبسا کر بولیں

"ہوں ں! جبھی تو روز روز وہ آتے رہتے ہیں اور تم ملتی رہتی ہو!"

"بھئی ہی اللہ کیسے آپ کو سمجھایا جائے۔ اِس ناسمجھی پر" جیسے شیریں کا دل واقعی جل کر رہ گیا "تو کیا کسی سے نفرت کر کے بول نہیں سکتا؟"

"ناممکن!" بیگم مقصود نے سر کو جنبش دی خوبصورت فلیش ایبل بندے جھملا کر اُن کے گالوں کی بلائیں لینے لگے "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں تم سے نفرت بھی کروں اور تم سے بولوں بھی؟"

"بھئی آپ کا معاملہ تو الگ ہے نا آ آ" شیریں نے بھویں تان لیں "غیروں اور اجنبیوں کو ناپسند کرنے کے باوجود اخلاق کا تقاضا ہے کہ ہم اُن سے بولیں ــــ اچھی طرح بولیں ــــ!"

"بابا! تمھاری منطق ہی نرالی ہے ــــ جو چاہو کرو" انھوں نے جتایا "مگر یاد رکھو ہم قصرِ کسریٰ دیکھیں گے اور ضرور دیکھیں گے!" یکایک اُن پر بڑا رومانوی دورہ پڑا "تم نہیں نا جانتیں ستو جان! بڑے پیارے دن میں نے وہاں گذارے ہیں!"

"ہاں ں! "مقصود صاحب نے ٹھنڈی سانس بھر کر ہونٹ لٹکا دیا، "اُنہی کی یاد اُن کی زندگی ہے!" "ہاہا! بے چاری!" ممانی جھلا گئیں

"اے لو! تمھیں تو مذاق ہی سوجھتا ہے، بھئی ہمارا بچپن وہاں گذرا ہے، خدا جنت نصیب کرے نواب شیروان کو اور اُن کی بیگم کو ہمیں سگے خالہ خالو کی طرح چاہتے تھے حالانکہ میری امّی کی منھ بولی بہن تھیں!"

روپ نگر ایک وسیع جاگیر تھی اور بڑی سرسبز و شاداب' لہٰذا اُس کی اہمیت صرف نقشہ پر نہیں بلکہ ہر جگہ تھی' خصوصاً یہاں کے جنگلات بہت مشہور تھے' جہاں شکار بے حد ملتا تھا اِس میں سے ہو کر چناب دریا گذرتا تھا جس کے کناروں پر گھنے درختوں نے بے حد خوبصورت تفریح گاہیں بنا کر رکھ دی تھیں اور لطف یہ تھا کہ مصنوعی چیز کوئی نہیں تھی' اِس ندی کے کنارے ایک خاصے اُونچے ٹیلے پر "قصرِ کسریٰ" تھا جس کے اطراف ایک خاص انداز سے فصیل بنائی گئی تھی!

اگر کسی نے ضلع ملتان میں "فورٹ منرو" دیکھا ہو تو بہ آسانی اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ جگہ کس قدر خوبصورت تھی' فرق اتنا تھا کہ یہ ٹیلا اُتنا اُونچا نہ تھا مگر پھر بھی اُونچائی خاصی تھی' اِس سے پرانا چناب گذرتا تھا اور اِس طرح اس کا حسن دوبالا ہو جاتا تھا!

چڑھائی شروع ہوئی تو کوئی تین بجے کا وقت تھا' سورج کی کرنیں ترچھی ہو چکی تھیں' اور سائے بڑے دلکش انداز میں پھیلنے لگے تھے!

ایک وسیع باغ کے کنارے کنارے سُرخ بجری سے کٹی ہوئی سڑک تھی جس پر ان کی کار چلتی پھیلتی بہتی چلی جا رہی تھی' کوئی دس میل کی چڑھائی کے بعد قصر سامنے

نظر آنے لگا تھا، مگر چڑھائی کافی سیدھی پڑتی تھی اس لیے مشکل پیش آ رہی تھی، سرخ و سیاہ پتھروں سے بنا ہُوا یہ محل یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی معزز نواب اپنے خطابات اور تمغوں کی لمبی چوڑی فہرست جمائے کھڑا ہے! اور اپنے اطراف ایسا پُر عظمت ماحول تعمیر کئے ہوئے ہے کہ شان و شوکت نمود بخود رعب تمکنت اور حسن و جمال کی قسمیں کھاتے ہیں۔

منظر کی پُر کیفی سے مجبور ہو کر ایک فنونِ لطیفہ کے شیدائی کی حیثیت سے شیریں پھڑک اٹھی اور جیسے یہ بھول گیا کہ اُس نے راستہ میں مامی پیاری سے کوئی بحث ضرور کی تھی!

وہ محل سے ادھر ہی اُتر پڑے کہ ذرا پُل کی سیر ہو جائے ——— پہاڑی شگاف پر جس کے نیچے سے چناب بہتا تھا ایک خوبصورت سا پُل بنا ہُوا تھا اس پر سے ہو کر محل میں راستہ جاتا تھا۔

بوڑھا چوکیدار خان بابا نواب مقصود سے پہلے بیگم مقصود کو پہچان گیا، سفید روئی کے گالوں جیسی ڈاڑھی لیے بابا جب سامنے آیا تو بیگم عجیب لہک سے لپکیں!

"خان بابا! اچھے تو ہو؟" اور یہ بھول گئیں کہ وہ اب بچہ نہیں بیگم مقصود ہیں وہ لاشعوری لگاؤ جو اُن پر راستہ میں شعوری کیفیت بن کر اُبھرا تھا اب چھا چکا تھا، خان بابا! سولہ سال کے لمبے چوڑے رخنے کو ایک نظر میں پاٹ بیٹھا ——— اور پُورے خلوص سے انھیں سینے سے بقول دیہاتیاں "چھپٹا لیا"۔

"بٹیا ——— بٹیا پیاری آپ اور یہاں؟ اتنی مدت بعد؟" بوڑھے کی بے نور آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور سارا چہرہ مقدس بڑھاپے کے نور سے جگمگا اٹھا ——— "بٹیا! بہت اچھا کیا آگئیں آپ کو دیکھنے کے لیے یہ بوڑھی آنکھیں بے چین رہا کرتی تھیں!"

"میرے خان بابا!" بیگم کے منہ سے بھی بات نہ نکلتی تھی آہستہ سے ہٹ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے بتایا "خان بابا! یہ ہیں خان بہادر مقصود صاحب اور یہ اُن کی بھانجی شیریں ریاض!"

"آداب خان بابا!" مقصود صاحب بولے تمہارا ہمارے ہاں بڑا ذکر رہتا تھا اچھے تو ہو نا!" بوڑھے نے لرزتے ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

"خدا کا شکر ہے صاحب! اچھا ہوں، خداوند تعالیٰ آپ سب کو اچھا رکھے!" شیریں نے بڑھ کر کہا۔

"آداب خان بابا!"

"جیتی رہو بیٹا جیتی رہو رانی!" اس نے پیار سے سر پر ہاتھ پھیر لیا!

خان بابا کے منہ یہ سن کر کہ خسرو یہاں نہیں بلکہ کوئی بھی یہاں نہیں، شیریں کو بے حد سکون ہوا۔ اور ان لوگوں نے اطمینان سے محل کی سیر شروع کی۔

قصر کسریٰ کا ایک ایک گوشہ اپنے مالک کے خوش ذوق اور نفاست طبع کا مظہر تھا بڑے بڑے وسیع کمروں میں سلیقہ کا خوبصورت فرنیچر، ایک ایسا فرق تھا جو "ٹلک نما" اور "قصر کسریٰ" کے مالکین کا فرق تھا! ہر کمرے کے ہر دریچہ سے مناظر دلکش سے دلکش تر ہوئے جاتے تھے چناب دریا سے لے کر جنگلوں میں عجیب عجیب زاویہ بن رہے تھے۔

"اور میں ان سب کی مالکہ اور اس کے مالک کی ملکہ ہوتی!" شیریں نے سوچا "اگر میں نے انکار نہ کر دیا ہوتا ——— کہاں یہ اجنبیت انگیز جائزہ اور کہاں اب تک پرانی اور عادی ہو چکی ہوتی ——— ماحی پیاری کا ساتھ یوں ہوتا: یہ لوگ تو میرے خاص مہمان ہوتے! مگر ———؟" اچانک اسے خیال آیا "شاید میرے

غریب اور کمتر درجہ رشتہ داروں کو یہاں آنے کی اجازت نہ ہوتی ——— تو پھر!" اُس کا موڈ بدل گیا، لعنت ہے ایسی امارت پر اور ایسی دولت پر جس سے اپنے ہی خاندان کا خون ہو جائے!" اِس خیال نے اُسے گویا بچا لیا تھا، ورنہ ایک ایک چیز سے اسے افسوس ہوتا!

جی تو چاہا تھا کہ پوچھے اس کے مالک کب آئیں گے مگر جب پڑ گئی کہ ہمت نہ پڑی، ہال میں جہاں اور تصویریں تھیں وہیں ایک طرف کو میجر آفتاب حسن کی تصویر بھی تھی بیگم مقصود نے پوچھا کہ اس کو جانتی ہو اُس نے بتایا کہ وہ اب فوج میں ہے۔

"اور یہ ——— یہ ہیں چھوٹے نواب" خان بابا نے لرزتا ہوا ہاتھ بڑھایا یہ ہیں اس خاندان کے روشن چراغ ——— خداوند تعالیٰ اِن کو نیک بیگم دلائے اور ان کا خاندان پھلے پھولے ——— آمین ثم آمین!" شیریں مسکرائے بغیر نہ رہ سکی، اسے پھر خیال آیا "اگر وہ بات نہ ہوئی ہوتی تو آج بابا بیگم کو دیکھ ہی لیتا!"

"خان بابا! یہ بی بی تمھارے چھوٹے نواب سے واقف ہیں!" بیگم مقصود نے بتایا۔

"اچھا آ آ: خان بابا نے اپنی سفید پلکیں اُوپر کو اٹھائیں "بٹیا آپ کہاں ملی ہیں؟"

"ابھی حال ہی آسمان گڑھ میں" ننک نما" میں مل چکی ہوں بابا!"

"خوب خوب! اُس نے برف ایسا سر ہلایا اور آنکھیں جھپکا جھپکا کر اسے بغور دیکھا۔

"کب تک لوٹیں گے نواب"؟ مقصود صاحب نے خان بابا سے پوچھا۔

"جناب سامان اور خانسامہ تو آچکا ہے ——— کل دوپہر تک آئیں گے!"

جواب ملا، شیریں کو سن کر اطمینان ہُوا اُسے یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ قصر کسریٰ ہفتہ میں ایک بار عام لوگوں کے لیے کُھلا رہتا ہے جیسے لاہور میں کوہ نور محل —————— کوہ نور مل والوں کا -

" اے الہٰی سہگل والوں کا —————— " بیگم مقصود نے بتایا " یہ لوگ تو بھئی پاکستان کے چوٹی کے مل مالک ہیں، بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں اور اب تو سعید صاحب اور یوسف صاحب نے خاصی رفاہِ عام کی مہمیں شروع کر دی ہیں! "

محل سے نکل کر چلنے لگے تو دیکھا کہ مغربی دیوار پر کونہ کے پار سنگ بنیاد لگا ہُوا ہے جھک کر تینوں دیکھنے لگے کہ کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی، پاؤں کے نیچے سوکھے پتے چرچرا رہے تھے آواز پر تینوں اُٹھ کھڑے ہو گئے —— اور —— !

اور شیریں کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آتا تھا ——

کوئی گز بھر کے فاصلہ پر گھوم کر پلٹا تھا —————— اور خسرو اُس کے سامنے کھڑا تھا !!!

ایک دم دونوں کے رخساروں پر سرخیاں ابھریں اور پھیل گئیں وہ مارے حیرت کے منہ کھولے کھڑا رہا، لیکن فوراً ہی سنبھل کر آگے بڑھا اور بڑے اخلاق سے ملا —————— سنجیدگی اگر تھی بھی تو کم از کم اخلاق کا پلہ بھاری تھا -

شیریں کا جی تو چاہا تھا کہ منہ پھیر لے لیکن بصد مجبوری مسکرا ہی گئی اور ہاتھ ملا لیا مقصود صاحب اور بیگم مقصود نے پہلی نظر میں اُسے پہچان لیا کہ ابھی ابھی تو تصویر دیکھ کر وہ لوگ آ رہے تھے .

وہ حیرت سے اُسے دیکھ رہی تھی اور وہ انتہائی خوش اخلاقی سے اُس کے

خاندان کے متعلق پوچھ رہا تھا ——— اُسے معاً یہ خیال آیا تھا کہ اُس کی یہاں موجودگی کو کسی اور روشنی میں نہ دیکھا جائے اور حیران تھی کہ یہ ایک دم اِس قدر اخلاق کا مجسمہ کیسے بن گیا۔

جواب نہ پا کر وہ بغور اُسے دیکھنے کے بعد زمین کو جُوتے کی نوک سے کُریدنے لگا اور شیریں کا دل چاہا زمین پھٹ جائے اور وہ اُس میں سما جاوے ———

خداوندا! یہ مغرور انسان! نہ جانے کیا کچھ سمجھے اور کیسی ہولناک قسم کی شدید غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جائے۔

بالآخر وہ آگے بڑھا ——— اور اُس نے خان بہادر کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا

"مجھے یقین ہے آپ مس ریاض کے قریبی عزیز ہوں گے ——— اگر ان کے اخلاق کی دنیا میں میرا تعارف جُرم ہے تو لیجیے مَیں خود اپنا تعارف کرواتا ہوں ——— مجھے خسرو نوشیرواں کہتے ہیں۔ مگر ——— غلط فہمی میں نہ پڑ جایئے گا یہ ایران کی نہیں پاکستان کی بات ہے اور زمانہ قبل مسیح کا نہیں بیسویں صدی بعد از مسیح کا ہے ———!"

یہ اخلاق؟ یہ نرم مزاجی؛ یہ شگفتہ مخاطبیت!!

شیریں سوچنے لگی اِس کے پیچھے یہ عمّ تو نہیں کہ مدد مارا! آخر کچے دھاگے سے بندھی چلی آئیں سرکار! اُسے محسوس ہُوا مقصود صاحب نے قہقہہ ہنس لگایا بلکہ خسرو اُس کا مذاق اڑا رہا ہے۔

"اور ارے ——— ارے آپا سلمیٰ!" گیم مقصود کی طرف لپکا اور ارے

آپ کہاں ؟ اور ؟" ـــــــ اُس نے پلٹ کر شیریں کو دیکھا " یہ ــــ آپکی؛

" بھانجی ہیں یہ مقصود صاحب کی ـــــــ خسرو کیا خوب ملے ہیں ہم ؛ مگر

بھئی میں تو نہ پہچان سکی اور تم ـــــــ"

" مَیں آپا سلمیٰ آپ کو بھول سکتا ہوں ؟" اور مارے حیرت کے اُس نے کہا " اور

ـــــــ اور یہ آپ کی بھانجی ہیں ـــــــ" وہ مقصود صاحب کی طرف مڑ گیا

" خان بہادر صاحب ! آپ کی بھانجی ؛ ـــــــ آپا سلمیٰ جتنے دن میں شہزادی

روشن آراء سے ملتا رہا ہوں بخدا آپ کے ذکر سے کبھی اُن کی زبان اور محفل خالی نہ رہی ـــــــ

اور مَیں حیران ہوا کرتا تھا ، الٰہی یہ کون بیگم مقصود ہیں ؛ ـــــــ اور آپ نکل

آئیں واللہ کمال ہو گیا " ! خسرو کے لہجے میں ایک لہک تھی ایک اُمنگ بھرا

خلوص ـــــــ ! " پھر آپ لوگ چلیئے نا اندر ـــــــ کھڑے کیا ہیں

یہاں ـــــــ یہ گھر کوئی دوسرا تھوڑا ہے آپ ہی کا ہے !! "

تو یہ خسرو نہیں بول رہا تھا ، سرمایہ دار بول رہا تھا ۔

وہ احساسِ محرومی اب تسکین میں بدل چکا تھا جو اس کو ہُوا تھا کہ شیریں کا خاندان گھٹیا

ہے ـــــــ یونہی سا ہے !

مقصود صاحب سگے ماموں تھے ـــــــ اور بیگم مقصود خسرو

کی آپا سلمیٰ ! نواب اکبر کی صاحبزادی جو ریاست فضل پور میں وزیر خزانہ تھے فیشن ایبل

طبقہ میں بیگم کے خاندان اور خود اُن کی شخصیت کا ایک معیار تھا !

خسرو کی زبردستی پر وہ لوگ لان میں بیٹھ گئے اور ہلکی سی چائے لے لی ، سورج تیزی

سے چھُپ رہا تھا اور شیریں سوچ رہی تھی ، یہ سب میری خاطر نہیں ، صرف " آپا سلمیٰ " کی

خاطر ہے، وہ اب بھی مجھ سے محبت کرتا ہے ——— یہ ایک بے بنیاد سوال ہے اور ناممکنات میں سے ہے!

"میں نے کہا مس ریاض آپ کے لیے ایک اور خوشخبری ——— "خسرو تو آج یوں خوش گو اور خوش مزاج تھا جیسے شہر یار ہو چھپ گیا"! شیریں نے منھ اور بھی لمبا بنالیا

"جی بی بی!" ایک دم چہک کر بولا

"جی بی بی نہیں ——— کہئے کیا"! شیریں بدستور سنجیدہ رہی، ایکبار دونوں کی آنکھیں ملیں

"کیا ہے؟"

"شہر یار اور سب کل پہنچ رہے ہیں!"

"میرا خیال ہے آپ بھی کل ہی آنے والے تھے!"

"ہاں آں" ابڑی شوخی سے بولا گیا، کہا تو یہی تھا ——— مگر آپہنچا۔ اور کتنا اچھا ہوا ——— کیوں آپا سلمیٰ ——— آپ مل گئیں"! اس نے اٹھ کر آپ سلمیٰ کی کرسی کے پیچھے سے جاکر آپا سلمیٰ کے بازو جھنجوڑ ڈالے "آپا سلمیٰ یاد ہے آپ کو جب ہم ندی پر گئے تھے؛ اور خان پاپا ہمیں ڈھونڈنے آیا تھا ——— اور ہم لوگ درخت پر چڑھ گئے تھے ——— اور پھر کیا ہوا تھا"؟

قہقہہ لگایا ——— شیریں کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ خسرو ہے"

"کیا ہوا تھا"؟ مقصود صاحب نے پوچھا

"پھر یہ ہوا تھا خان بہادر صاحب ایک کالا ناگ ہمارے سروں پر لٹک رہا تھا"

"ہائے ناگ ——— اور کالا!" نسرین بے ساختہ بول اٹھی اور خسرو زیرِ لب مسکرایا۔

"سچ مچ!" مقصود صاحب نے پوچھا

"ہائے اللہ خدا کے لیے یاد نہ دلاؤ!" بیگم مقصود کی طبیعت گرگرا اُٹھی۔ بھئی اللہ ——— !" انھوں نے جھرجھری لی

"نہیں بھئی ہم تو ضرور سنیں گے!" مقصود صاحب بولے

"جی ہی ضرور سنیئے پھر ہم دونوں خود بخود درخت پر سے گر پڑے اور تین دن ہمیں خبر نہ ملی کہ ہم کہاں ہیں!"

"اُف توبہ! میں آج بھی سانپ کے نام سے کانپ جاتی ہوں!" بیگم مقصود بولیں "اچھا اب چھوڑو یہ قصّہ ——— بتاؤ رخسانہ کہاں ہے"

"ابھی تو میں مس ریاض سے بتانے جا رہا تھا ——— مس ریاض! وہ مسکراتا ہوا ادھر پلٹا "اب کل میں آپ سے ایک خاص انسان کو ملاؤں گا ——— اس انسان کو آپ کے دیکھنے کا بے حد شوق ہے ——— سچ کہتا ہوں بیتاب ہے!" تو ——— اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا ذکر کیا گیا ہے یعنی اب مجھ سے انتقام کا کوئی نیا خیال آیا ہے ——— ٹھیک ہے ——— لیکن میں بھی کم نہیں ہوں کسی سے!"

اور دوسرے دن فوراً آنے کا وعدہ کیا گیا ——— اور انتظار کا وعدہ کر کے یہ لوگ لوٹ گئے۔

بیسواں پردہ

اچھے ماموں

شیریں اُوپر چھت پر کھڑی بال سکھلا رہی تھی، آج اُس نے گھنگریالے بال بنانے والا اپنا سیدٹ استعمال کیا تھا کہ اس نے دیکھا پھاٹک میں ایک سبز رنگ کی کیڈ لک گاڑی داخل ہوئی وہ سوچ رہی تھی کون ہو سکتا ہے کہ ٹھٹک کر رہ گئی، خسرو خود ڈرائیو کر رہا تھا، اُتر کر اس نے دوسرا دروازہ کھولا اور کوڈ رائے کی پینٹ پہنے شنیل کی جرسی چڑھائے ایک دُبلی پتلی سی خوبصورت لڑکی اس میں سے اُتر کر برانڈے کے اندر چلی گئی۔

کھانا تیار تھا بیرا اطلاع دے چکا تھا ——— بیگم نے ان دونوں کو بڑے تپاک سے لا کر ڈرائنگ روم میں بٹھایا، رخسانہ کے متعلق جو کچھ شیریں نے سنا تھا اُس کا جی چاہتا تھا وہ اس سے نہ ملے ——— لیکن میجر آفتاب حسن کی باتوں پر اُسے اعتبار بھی نہ تھا لہذا چلی گئی۔

ملاقات بے حد گرم جوشی سے کروائی گئی ——— یعنی آپ سمجھ گئے ہوں گے جس نے کروائی جدید فیشن کا مرقع بنی یہ معصوم لڑکی حد سے زیادہ شرمیلی نکلی بھائی کے برابر خوبصورت تو نہ تھی لیکن خوبی صورت بہت پائی تھی کہ تمام تر دلکشی و دلفریبی تھی اور یوں بولتی جیسے محسوس ہوتا تھا مخمل پر عطر کی نم نم بارش ہو رہی ہے، پہلا جملہ تھا "آپا شیریں آپ نہیں جانتیں مجھے آپ سے ملنے کا اشتیاق تھا" ہولے سے کہا

"آپ نے تو میرا نام بھی نہ سُنا ہوگا!"

"وہ منّی پیاری بہن!" شیریں کے لہجے میں شہد گھل گیا "تم کیا جانو! میں نے اتنا سنا، اتنا سنا تمھارے بارے میں کہ جی تڑپ رہا تھا تم سے ملنے ——!"

"سچ ج ج!!" معلومات کے اشتیاق میں پکا بچپن تھا۔

کھانے پر مدعو کرنے کے لیے عذر داری بھی ہوئی کہ خاص تیاری نہ تھی لیکن دعوت جلد ہی قبول کر لی گئی، بیگم مقصود ہی کو نہیں خود شیریں کو تعجب تھا کہ سید ھے یہیں آنا ہوا!

"آپا سلمیٰ! آپ بٹیر بنانا بھول گئیں تو نہیں؟" خسرو نے پوچھا "خان بہادر صاحب آپا کو پکوان غضب کا آتا ہے۔"

"مگر کنجوس بھی آپ کی آپا غضب کی ہیں صاحب —— اب دیکھیے شاید آپ کے طفیل ہی کچھ ہمارا بھی بھلا ہو جائے —— یہ تو صرف تیسرا مہینہ خسرو صاحب —— یعنی رمضان، عید، خالی!"

"ہوں ں ں! رمضان کے بعد عید اور عید کے بعد خالی نہیں خولی، ہائے اللہ! اتنا جھوٹ تو نہ بولا کیجیے! ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوتے، بٹیڑے کی تین ڈشیں تھی ——!" بیگم مقصود کے جواب پر وہ مسکرائے —— بلکہ سبھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

"ہوگا بھئی! چلو آٹھ ہی دن ہوئے ہوں گے اور تین تین ڈشیں رہی ہوں گی —— اب دیکھیں تو بھلا کیسی ہوتی ہیں —— یا بائیں کہتا ہوں، وہ ہی بنوا دینا!"

دروازے کی گھنٹی بجی —— نوکر نے کارڈ لا کر دیا۔

"مرزا شہر یار !" مقصود صاحب نے زور سے پڑھا

"اوہ !" کہہ کر خسرو کھڑا ہو گیا "میں بھول ہی گیا تھا شہر یار آنے والے تھے۔ وہ آ گئے !"

مقصود صاحب اور بیگم مقصود سن چکے تھے لہذا بڑے شوق و ذوق سے استقبال کیا گیا۔

"کیوں بھئی منی بھین! کیا حال چال ہیں!" تعارف کے بعد وہ شیریں کی طرف پلٹا

"اوہ! آپ تو ذرا نہ بدلیں —— بلکہ —— بلکہ کمال ہو گئیں آپ تو! ماشاء اللہ، ماشاء اللہ !"

"اور —— میں کیا آپ تھی جو بدل جاتی ؟" شیریں چہک گئی

"بھائی جان! میں غریب آدمی ہوں "آشیانہ" میں رہتی ہوں، کاشانہ میں نہیں کہ جب چاہا جس وقت چاہا چھوڑ دیا —— یہاں تو ہر وقت کم بخت صیاد کا اور بدبخت بجلی کا ڈر لگا رہتا ہے !!"

"خوب خوب! بھئی واللہ! شہر یار جھوم گیا "بس کیا بتاؤں خان بہادر صاحب —— اس میری منی بھین کی یہی باتیں ہمیں اکثر یاد آیا کرتی تھیں !"

"تبھی اتنا زمانہ بھولے رہے آپ —— وہ تو آج کی ملاقات —— وہ اتفاقات ہیں زمانہ کے والی بات ہو گئی !"

"نہیں بھئی مجھے یاد ہے ۲۶ نومبر کو ہماری آخری ملاقات ہوئی تھی اور کوئی آٹھ مہینے ہوتے ہیں !"

"تو یادداشت تو صحیح ہے !" —— شیریں نے سوچا —— اس کا مطلب یہ ہے کہ

ع "لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا"

اسے یکایک خسرو پر غصہ آگیا، کیسے اس شخص نے دو محبت کرنے والوں کو جدا کر کے مجبور کر دیا تھا —— اللہ اللہ!

کھانے کے بعد دو تین گھنٹہ کی گپ شپ کے بعد چائے آئی اور چائے کے بعد رات کے کھانے کی دعوت دے کر تینوں چلے گئے —— !

شیریں نے بیگم مقصود کا سیاہ غرارہ والا سیٹ پہنا، سیاہ امی ٹیشن کا مبئی کے زردتم بھاؤ والا سیٹ پہن کر وہ مجسم لیلائے شب بن گئی، ایک روشن صبیح رنگت تھی کہ اسم با مسمٰی نہ بنا سکی، مگر غضب کی دلکش و دلفریب ہوگئی تھی۔

درانڈے میں تیز تیز قدموں سے آکر رخسانہ نے استقبال کیا اور وسیع ڈرائنگ روم میں لے گئی جہاں رومانہ اور ریحانہ بیٹھی تھیں، بیگم مقصود کا تعارف ہوا اور وہ ریحانہ کے ساتھ مصروفِ گفتگو ہو گئیں۔

رخسانہ شیریں سے محو کلام تھی اور رومانہ اکیلی بیٹھی رہی کچھ دیر بعد اٹھی اور ریحانہ کے بچہ الیاس کو کھلانا شروع کیا جو آیا کی گود میں چپ چاپ بیٹھا انگوٹھا چوس رہا تھا۔

شیریں نے مڑ کر بچے کی طرف دیکھا اور بیگم مقصود کو آواز دی

"میں نے کہا امی پیاری —— منّے کو دیکھا آپ نے!"

"ہاں بھئی —— دیکھا ہئے اپنے منّے کو!" ریحانہ سے بیگم مقصود نے کہا اور انھوں نے مسکرا کر آیا سے کہا۔

"آیا لے آؤ منّے بابا کو ادھر!" بیگم مقصود نے اسے لے کر کھلانا شروع کیا اور

اپنی نوکر کی طرف دیکھا ——— وہ مڑ کر ورانڈے سے ایک بڑا سا ڈبہ اُٹھا لائی۔ بیگم مقصود نے شیریں سے کہا۔

"شیریں پیاری لو اپنے بھانجے کو تم ہی دو تحفہ"! بیگم سرمد چل گئیں

"اللہ آپ بھی غضب کرتی ہیں ——— بڑا تکلف کرتی ہیں ——— دیکھیئے نا اس کی کیا ضرورت تھی"! شیریں نے کہا

"باجی جان! کیا ہمیں خوشی نہیں اپنے بھانجے کی ——— اور یہ چیز ہے کیا؛ البتہ یہ کہیئے یہ اس کے لائق نہیں ہے اور اس نے ڈبہ کھول دیا، ایک بڑی سی تختی پر ایک طرف پیانو سے ملتا جلتا کوئی باجہ تھا اور دوسری طرف مختلف چھوٹی چھوٹی کمانیاں تھیں جن میں گھنگرو اور گھنٹیاں لگی ہوئی تھی، چابی دینے سے باجے بڑے پیارے سروں میں بجنے لگتے ——— اور گھنگرو جیسے کوئی ناچ رہا ہو ——— لیکن دھیما دھیما ساز ——— کہ نیند آ جائے!

"ہائے بڑا پیارا ہے کہاں سے لیا آپ نے؛ رخسانہ پوچھ بیٹھی" شیریں پر جھکی دیکھ رہی تھی

"گلاس ہاؤس سے لیا ہوگا، میں نے دیکھا ہے وہاں ایک"! رومانہ نے منھ بنا کر کہا۔ شیریں نے لہجے میں تلخی نہیں بلکہ جلن محسوس کی ——— جسے عرف عام میں رنج و غم کی جلن یعنی حسد کہتے ہیں!

"نہیں تو ——— یہ مامی پیاری کے بھائی نے انگلینڈ سے بھیجا ہے، یہاں پاکستان میں ایسی چیزیں کہاں"؛ شیریں نے جواب "تلخ می زیبد" والی مثال سچ ثابت کر دکھائی

اتنے میں خسرو اور شہریار آ گئے ساتھ ہی کامران! کہ آتے ہی اس دھڑلے سے

چینجا ہے کہ معاذ اللہ ! شیریں سُرخ سے سرخ تر ہوتی گئی اور وہ بے حد خلوص سے ملتا گیا ایک ایک بات کہی اور پوچھی ——— یہاں تک کہا کہ اُس نے ایک گھنٹہ اُس روز انتظار کیا تھا !

اس روز والے اشارہ پر شیریں کو نہ جانے کیا کچھ یاد آیا، اُس نے نظریں پھیرنے کو موڑیں تو خسرو کی مشتاق نگاہوں سے جا ٹکرائیں !

ایک لمحہ کے لیئے جیسے بجلی کوند گئی ! رومانہ نے یہ سب دیکھا اور جلانے کو پوچھا۔

"مس ریاض وہاں سے فوجی دستہ چلا گیا ؟ ہائے اللہ !" بالوں کو جھٹکا دیا گیا "آپ لوگوں کا ان دوستوں بغیر کیسے گذر ہوتا ہوگا" خسرو کی موجودگی میں وہ آفتاب کا نام لینے کی جرأت نہ کر سکتی تھی، خسرو کے چہرہ پر ایک رنگ آگیا اور رخسانہ سفید پڑ گئی، کاش رومانہ کو معلوم ہوتا کہ وہ اس جملہ سے خود اپنے عزیز دستوں کو کتنا رنج پہنچا رہی ہے، خسرو کو یہ دیکھ کر بے حد اطمینان ہوا کہ شیریں نے بڑا معقول جواب دیا اور وہ سازش جس سے شیریں سے دور کرنے کا سامان کیا گیا تھا اور یہ جال بچھایا گیا تھا کہ آپس میں شادی بیاہ سے دل کی مراد بر آئے گی اسی وجہ سے اس کے دل میں شیریں کی عزت اور سہ چند ہو گئی ———

شیریں نے جس خاص اپنائیت سے اس بات کو ٹالا تھا خسرو کا دل جھوم اُٹھا ——— لیکن بے چارا ان لب ہائے شیریں کو چوم نہ سکتا تھا کہ مدعی سُست گواہ چست والا معاملہ تھا !

جیسے ہی شیریں گئی رومانہ انگڑائی لے کر چیخ اٹھی

"ہائے اللہ آپا یہ مس ریاض کو کیا ہو گیا ——— جیسے تو اہو کے رہ گئی ہے

یا جیسے پہاڑی کوا!" رخسانہ کو مخاطب کر کے" ہائے رخسی کتنی بدشکل ہے یہ لڑکی میرے اللہ!" آنکھیں پھیل چکی تھیں اور ہونٹ لٹک گئے تھے" کس قدر چالاک ہے یہ لڑکی؛ اوفوہ!!"

"بھئی رومانہ"؟ شہریار بولا" میرا خیال ہے تم نے اینٹ کی عینک لگا رکھی ہے، کتنی پیاری شکل ہے اللہ کبھی جامہ زیب اور ایک تم ہو کہ تم کو اس خاندان میں کیڑے ہی کیڑے نظر آتے ہیں!"

ہائے خسرو صاحب! کس قدر یہ بدل گئی ہے، ایمان سے میں نے عمر میں کبھی کو ایسا بدلتے نہ دیکھا!" جھرجھری آگئی" ہائے اللہ! مجھے سخت افسوس ہے۔ کہ ان لوگوں سے ملاقات کیوں ہوئی"؟

"نہیں بیں! کوئی خاص تبدیلی تو نہیں بلکہ میرا خیال ہے صحت کافی اچھی ہو چکی ہے — البتہ ہلکی سی موٹی ضرور ہو گئی ہیں مگر اب تو دراصل اچھی لگنے لگی ہیں"!

لیکن غصہ کے اندھے عقل کے اندھے بھی ہو جاتے ہیں — لہذا رومانہ نے خبر نہ لی! اور بکنے گئی۔

"اور اس پر غضب یہ ہے کہ یہ اپنے علاقے کی حسینہ ہیں! حسین ترین لڑکی! اللہ کی پناہ! صورت نہ شکل بھاڑ میں سے نکل — دنیا کا معیار بھی کچھ اوندھا ہی ہے — ! داد طلب کرنے لگی۔ ! مگر کوئی بولا نہیں۔

ہفتہ بھر سے گھر سے خط غائب تھا اور شیریں کو یقین تھا کہ زرینہ اور سب کچھ ہو سکتا ہے خط میں تاخیر نہیں لگا سکتی — جب تک کہ کوئی خاص وجہ نہ ہو!

کہ ڈاک ملی اور تین خط ۔۔۔ !

پہلا خط کہیں اور جاکر آیا تھا کہ پتہ غلط تھا، دوسرے دو صحیح تھے، بیگم مقصود اور مقصود صاحب خطوط دے کر باہر چلے گئے کہ وہ پوری آزادی سے خط پڑھ لے !

دیر رسیدہ خط کھولا، لکھا تھا

روشنو پیاری ——— کیا بتاؤں اور تو ہر طرح خیریت ہے لیکن ایک اتنی بڑی "بے خیریتی" ہوگئی کہ میرے تو ہوش گم ہیں ! یعنی ؏

جس سے ڈرتے تھے وہی بات ہوئی

لاکھ لاکھ اباجان کو تم نے میں نے سمجھایا مگر ان کی سمجھ میں بات کہاں آسکتی ہے"

" پہلے تو کرنل شاہنواز کا تار آیا کہ عذرا وہاں ہے ؟ یعنی یہاں، ہم نے جواب دیا نہیں، دوسرا تار آیا ——۔ ذرا تفصیلی ——— کہ وہ میجر آفتاب حسن کے ساتھ چلی گئی ہے کہ ارادہ شادی کرنے کا ہے ——— !

شیریں نے دوسرے خطوط کھول ڈالے اور جلدی جلدی پڑھنے لگی ۔

"ابا میاں اسی روز چلے گئے تھے اور برابر تار بھیج رہے ہیں کہ وہ مایوس ہیں، پتہ نہیں چلتا، ایک ایک عزیز رشتہ دار چھان مارا، ماموں محفوظ آئے تو ان کو بھی کراچی دوڑایا گیا وہ تو کہو ہوائی جہاز مل گیا تھا، ورنہ دیر ہو جاتی ——— مگر فائدہ کیا کوئی پتہ نہیں چلتا"

" دوسرے خط میں تھا

" کوئی کہتا ہے وہ سرحد گئیں کوئی کہتا ہے ہندوستان چلے گئے ۔ جتنے منہ اتنی باتیں ہیں، خدا کے لیے دعا کرو اور ماموں مقصود کو ساری

کیفیت بتلا کر کہو، خدا کے لیے امی پر رحم کھائیں اور کچھ کریں۔
جو کچھ بھی اُن کے بس میں ہو —— شیریں تم آجاؤ کہ یہاں بے حد بُرا حال ——
ہے!"

• شیریں کے منھ سے نکلا" ہائے میرے اللہ!" اور وہ لپکی باہر تو اور تو کوئی ——
نہ تھا خسرو کھڑا تھا"
"کیوں کیوں خیریت تو یہ ہوائیاں کیسی ؟" اس نے بڑھ کر پوچھا —— —
"کیا بتاؤں ؟ —— ہائے اللہ میں آپ کو کیسے بتاؤں ؟" شیریں کا جیسے
سر چکرایا، اُس نے سر پکڑ لیا۔
"کیوں کیوں خیریت تو ہے، مسٹر ریاض تو بخیریت ہیں ؟ گھر میں سب اچھے تو ہیں" بے حد
تشویش!
"جی ہاں! جی ہاں سب اچھے ہیں بفضل خدا —— مگر —— مگر!
ہائے کیا کروں ؟ شیریں نے اپنا دل پکڑ لیا۔
"اچھا مجھے معاف کیجیے گا!" کہہ کر اُس نے اس کا بازو پکڑا اور اندر لے آیا "آپ
ذرا اطمینان سے لیٹ جائیے اور گھبرائیے نہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا ——•
اِدھر اُدھر دیکھ کر پاس کے کھانے کے کمرے سے گلاس بھر کر پانی لایا گیا " لیجیے ذرا پانی
پی لیجیے اور پھر ——" پانی پلایا گیا " اور پھر آرام سے لیٹ کر بتائیے، بات
کیا ہے —— مصیبت میں گھبرا جانے سے کیا بنتا ہے ؟ آپ سے حواس
جاتے رہتے ہیں ؟ ذرا اپنا رنگ تو ملاحظہ کیجیے" لہجے کی نرمی اور برتاؤ کی ہمدردی حیران کن
تھی، شیریں کی آنکھوں کے گوشوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے، جن کو رومال نکال کر

جیب سے ——— بڑی احتیاط سے صاف کیا گیا" میں کہتا ہوں مجھ پر بھروسہ کرو شیریں اور بتاؤ بات کیا ہے ؟ شاید میں کوئی خدمت کرسکوں" شیریں کی آنکھوں سے آنسو اور تیز ہو گئے، یہاں تک کہ وہ ۔

" ہائے کیسے بتاؤں ——— اُف میرے خدایا ——— عذرا ! کہہ کر سسکیوں پر آگئی، اُس نے اپنا چہرہ بانہوں میں چھپ لیا اور اُلٹا گر گٹھڑی سی ہو بیٹھی، خسرو اُٹھ کر پاس بیٹھ گیا ۔

" شیریں ! نہیں بتاؤ گی ؟ آواز میں بے حد رقت تھی، بتا بھی دو ——— کیا بات ہے ؟ "

" آپ کی بڑی مہربانی ——— بات بڑی سخت ہے ، میں چھپاؤں بھی تو آپ جان جائیں گے لیکن " پھر اُس پر آنسوؤں کا ایک دورہ پڑا اور بڑی مشکل سے قابو پاکر بولی " ہائے کاش میں آپ کو یہ بات بتانے سے پہلے مر جاتی ——— اے کاش !! " اور کافی قابو پالیا " خسرو صاحب ہم تو کہیں کے نہ رہے ، جس حادثے سے آپ خوش قسمتی سے بچ نکلے وہ ہماری تقدیر بن گیا ——— ! " خسرو حیران اُسے دیکھنے لگا " عذرا کا اغوا کرلیا ہے آفتاب نے " اور وہ بانہوں میں منہ چھپا کر ایکبار پھر پھوٹ پڑی ——— !

" آفتاب ؟ ——— عذرا ؟ وہ چونک کر کھڑا ہوا، اور پھر آہستہ آہستہ پاس بیٹھ گیا ——— " تمھیں کیسے معلوم ہوا " اس نے جلدی سے پوچھا، چہرہ سُرخ دہکتا انگار بن رہا تھا !

" شیریں یقین مانو مجھے بے حد رنج ہے ——— بے حد رنج " الفاظ نہ جانے

کتنی مشکل سے دانتوں میں سے تڑپ کر نکل آئے "اچھا اب تم خدا کے لیے اپنی جان نہ کھوؤ میں مقصود صاحب سے بات کرتا ہوں وہ لوگ باغ میں تھے ——— !" اور قبل اس کے کہ شیریں کچھ کہتی وہ باہر تھا۔

"ماموں پیارے اب اس بدنامی کا کیا بنے گا ؟ ابا تو دیکھ لی نہ خسرو صاحب ——— آئے تھے رخسانہ ! آخر ہم چلنے لگے ہیں تو انہیں معلوم تھا !" شیریں نے ماموں سے کہا جبکہ وہ لوگ کار سے گھر جا رہے تھے۔

"نہیں مجھے خسرو نے بتایا تھا کہ وہ سب فضل پور جا رہے ہیں اور وہ یہی کہنے آیا تھا کہ ہم لوگ بھی چلیں ——— قافلہ تیار تھا ——— اور یہاں شائد وہ کہہ بھی نہ سکا !"

"نہ ———" شیریں نے فوری جواب دیا "میرے تو جیسے ہوش گئے ہوئے تھے !"

ہائے اللہ کس کو یقین تھا کہ آفتاب اس قدر بُرا نکلے گا، بھلا اس معصوم کو بھگانے سے حاصل ؟ کیسا اُس نے غضب کیا ہے ؟ میرا خیال ہے اگر وہ کہتا تو نہ بھائی صاحب کو اعتراض ہوتا اور نہ آپا جان کو ——— بھلا یہ کون طریقہ ہوا !!

"ماموں پیاری آپ تو یک طرفہ فیصلہ کرتی ہیں یوں کہیئے خاندان کی ناک کٹا کر عذرا کو کیا مل گیا، دودھ پیتی بچہ تو نہ تھی کہ کسی کا پاس و لحاظ نہیں کیا ؟" شیریں جلبلائی "اور لیا دیا، نہ جانے کیا کچھ کہہ چکا ہوگا جس کے بھرے میں عذرا آگئی ورنہ میں جانتی ہوں وہ بالکل نادان نہیں ہے بالخصوص اپنی عمر کا لحاظ کرتے ہوئے !"

گھر پہنچ کر دیکھا جیسے کسی کی میت ہوجائے وہ عالم تھا !

بیگم ریاض بالائی منزل میں گوشہ نشین ہو گئی تھیں اور ضخیم قانونی کتابوں میں مسٹر ریاض کا ننھی جسم اپنا وجود گم کر چکا تھا —— وہ افضل پور جا چکے تھے!

بیگم ریاض ہر لمحہ "ہائے" کا نعرہ مارتیں اور آفتاب پر تبرا بھیج دیتیں کہ اس نے ان کی معصوم دلاری بیٹیا کو برباد کیا —— اور کوسنے لگ جاتیں کہ "ماٹی ملا خدا اسے غارت کرے نہ جانے کہاں سے آیا ڈاکو ——!"

"امی بی بی!" شیریں نے انھیں ذرا زور سے مخاطب کیا "کوسنے پیٹنے سے حاصل؟ اور اب تو عذرا کی وجہ سے وہ ہمارا بھی کچھ بن گیا ہے؟" بیگم نے رک کر اسے دیکھا "اب تو آپ ذرا یہ بھی سوچیے کہ ہمارے اس طرح واویلا مچانے سے سارے محلے میں نہیں سارے شہر میں بات پھیلے گی۔ بھلا یہ لوگ یوں ہی بخش دیں گے؟"

اور اسے تو علم ہی نہیں تھا کہ انھوں نے سارا محلہ سر پر اٹھا لیا تھا، جس وقت پہلا تار آیا تھا، فوضیہ نے چپکے سے لا کر میز پر ایک خط جیب سے نکال کر رکھ دیا وہ کرنل شاہنواز کے آنے کی خبر سن کر خبر لینے گئی ہوئی تھی، اس کا منہ خاصا لمبا ہو رہا تھا! ایک نوٹ لمبا تھا ہی!!! لکھا تھا ——

"میری دوست بیگم شاہنواز

صبح جب ناشتہ پر آپ مجھے بلائیں گی تو آپ کو یہ لفافہ ملے گا اور میں یہاں سے دور بہت دور جا چکی ہوں گی!

باجی پیاری دنیا میں مجھے ایک شخص سے محبت ہے وہی میرے خوابوں کا راجہ ہے اگر میں اس کو نہ پاؤں گی تو یقین مانیے، دیوانی ہو جاؤں گی اور بن جاؤں گی روگن بیروگن جوگن!!

"آپ مہربانی کر کے نہ حیران ہوں اور نہ میرے گھر اطلاع دیں، مزہ آجائے گا جب میں خود اِن لوگوں کو اطلاع دوں گی اور آخر میں لکھوں گی "عذرہ آفتاب حسین" ——— ہائے اللہ خوب خوب مزہ آجائے گا !!

• اور ہاں ایک مہربانی کیجیے گا میرا سامان پیک کروانے سے پہلے آیا سے کہیئے گا میرے سفید غرارہ میں کھونچ لگ گئی ہے اس کو رفو کر دے!

اچھا خدا حافظ آپ کی

عذرا ریاض !!

"ہائے ہائے بے وقوف سادہ لوح!" شیریں چلائی "بہر حال جو کچھ بھی ہوا یہ طے ہے اس خط سے کہ یہ ساری سکیم اس آفتاب کی ہے، عذری کو یہ خیال بھی نہ آیا ہوگا کہ وہ کیا کر رہی ہے ——— اور اس طرح خاندان کا کیا ہوگا؟"

"اسے تو بس یہ سب ایک فلمی کہانی معلوم ہو رہی ہو گی" فوضیہ بولی "ہائے آپی ان فلموں نے تو ناس مار دیا نوجوان نسل کا"

"اس میں کس کو شک ہے"! زرینہ بولی "اور افسوس اس کا ہے کہ ہمارے گھر میں عقل کا قحط پڑا ہوا ہے، ہائے سنو اتنی سنجیدہ اور اہم بات گھر کا کوئی نوکر ایسا ہے جس کو اس کا علم نہ ہو ——— امی جان پیاری نے تو گھر گھر بات پہنچو دی ہے! اُفوہ خدایا ——— کہاں کس ماحول اور کس ملک میں تو نے ہم کو پیدا کیا؟" اس کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے!

"لیکن آپا ایک بات عذری نے کر ہی کھائی" خالدہ بولی

"کون سی" بیگم مقصود نے پوچھا!

"ہاں پیاری! عذری کہتی تھی میں تم سب میں پہلے شادی کروں گی اس لیے کہ اس کا خیال تھا بیس سال کے اندر اندر شادی ہو جانی چاہیئے ورنہ پھر عمر بھر نہ ہو!"

"ہوں! آئی وہاں سے!" زرینہ نے جل کر ڈانٹا "بھئی تم لوگ ہو بے حد بیہودہ جو چاہا بک دیا ——— عقل نہ ہوش کہاں گیا خرگوش

کہاں انتظار تھا شدید مسٹر ریاض کے خط کا وہاں سے تو خاک نہ جواب آیا البتہ شیر دل گڑھ سے ایک خط آیا شیریں نے حیران ہو کر کھولا لکھا تھا

پیارے چچا جان ——— السلام علیکم

ابھی ابھی خان بہادر صاحب کے پاس آپ کے یہاں "حادثہ" کی خبر ملی سخت اور دلی رنج ہے اس سے تو اچھا ہوتا کہ عذرا مر گئی ہوتی اور یہ وبال خاندان پر نہ لاتی، یقین مانیئے اس مصیبت میں میں اور آپ کی بہو دونوں برابر شریک ہیں، خداوند کریم آپ سب کو صبر اور ہمت دے۔

میرا بھی بلکہ زاہدہ کا بھی وہی خیال ہے جو بیگم نواب سر قدر اور ان کی صاحبزادی کا جن سے میں نے یہ واقعہ بیان کیا تھا کہ یہ غلط قدم ہمارے خاندان اور بالخصوص دوسری بہنوں کے حق میں سم قاتل ہو جائے گا، بھلا اب کون ایسی لڑکیوں سے رشتہ کر سکتا ہے! بلکہ ایسے خاندان سے تعلق رکھ سکتا ہے؛

• چچا جان پیارے مضی ما مضیٰ پر عمل کر کے ایکبار ذرا دل کڑا کر لیجیئے اور اس نابکار لڑکی کو عاق کر دیجیئے تاکہ جو ہوا ہے ذرا کالے ٹھی؛ خدا کے لیے

اپنا دل سنبھالیئے اور ہمت نہ ہاریئے اللہ آپ کو ہمت دے آمین، فقط
مخلص "سلمان"

"الو کا بھالا نہیں تو آیا دہاں سے ملا ٹا ——— ! او ہ خدا ہمارے خاندان پر رحم کر، سب کو عقل دے!" زرینہ نے دانت پیسے " میں کیا کہوں ——— کاش امی کو کچھ عقل ہوتی!"

مقصود صاحب ایک تار پڑھتے ہوئے آئے

"کیسا تار مام؟" تقریباً شیریں زرین ایک ساتھ پکار اٹھیں

"بھائی صاحب کا ہے" انھوں نے کلاک پر نظر ڈالی "آتے ہی ہوں گے" کار بھیج کر آرہا ہوں!"

"کیا وہ لڑکا مل گئے" بیگم مقصود نے پوچھا

"نہیں ———!" مختصر جواب تھا

"کیا کہا نہیں؟" بیگم مقصود اور حیران تھیں تو وہ ان کے بغیر آرہے ہیں؟ اب کیا ہوگا پھر کون اُن کو پکڑ کر نکاح پڑھوائے گا؟"

اور مسٹر ریاض آ گئے ——— بے نیل و مرام واپس! بے حد اداس اور اور بھی خاموش تھے، دو دن میں جیسے برسوں کے بیمار نظر آتے تھے، چار پر شیریں نے چھیڑنے کی جرأت کی

"بلیا آ آ!" ایک آہ سرد اور بلند اُف انکے منہ سے نکلی "خود کردہ را علاجے نیست تمھاری باتوں میں بہت صداقت تھی اور میں اندھا! اب ڈر رہا ہوں کہ کہیں خالدہ کو بھی نہ سوجھے"

"ہائے ابا میاں! خدا نہ کرے کہ میں یوں بھاگ جاؤں!" خالدہ نے جھرجھری لی۔

"ہاں"! اسی لیئے آج سے اس گھر کے دروازے تم پر بند ہوں گے میں اب کسی لڑکی کو خواہ وہ خوضیہ ہی کیوں نہ ہو سوائے شیریں زریں کے شاپنگ کی اجازت بھی نہ دوں گا بہر پایا میں ——— اور وہ ——— وہ تمھاری ماں ———
اسی نے یہ دن دکھایا ——— بیٹیوں کی شادی کی فکر میں مری جاتی تھیں یہاں تک کہ ہر کس و ناکس کو گھر میں داخل کر لیا ——— نتیجہ سامنے ہے' جوتی اپنی جگہ پر اچھی رہتی ہے' فرش پاس آ گئی تھی' فرش کے اُوپر چڑھ گئی ——— "!

اور خالدہ ہوک ہوک کر رونے لگی کہ واقعی ابا میاں اب سخت ہو گئے

دونوں بہنیں اپنی باتوں میں غرق باغ میں ٹہل رہی تھیں کہ جُھمکا آ گیا۔

"بی بی جی! بی بی جی! کیا آپ کو معلوم ہے"؟

"کیا" پلٹ کر شیریں نے پوچھا۔

"بی بی جی تار آیا ہے ——— صاب بہت ہنس رہے تھے' ———

"ارے سچ ج چ"! کہہ کر دونوں بھاگیں' سامنے سے مسٹر ریاض آ رہے تھے

"لو بھئی سنو"! انھوں نے مخاطب کیا

"کیا بات ہے ابا جان" دونوں مل کر پوچھ بیٹھیں۔

"بات یہ ہے تمھارے ماموں جمالی کو جاتے ہی پتہ چل گیا وہ کہاں ہے اور لکھا ہے آفتاب کے پاس کافی روپیہ ہے سارے قرض ادا بھی ہو جائیں گے اور کافی رقم بچ رہیگی۔

"ہائے اللہ بہت اچھا ہو گا" زرینہ بولی

"لیکن ابا میاں ——— وہ ——— وہ شادی کا کیا ہوا"؟

شیریں اچھی پڑی پڑھی ہی تھی

"ہاں لکھا ہے وہ ہو بھی گئی، البتہ مہر صرف پندرہ ہزار نقد باندھا گیا۔

اور میری طرف سے کچھ مایوسی رہی کہ میں بمشکل چار چار ہزار سالانہ تم لوگوں کو اپنی زندگی میں لکھ سکتا ہوں:" اور آفتاب کے پاس کافی دولت ہے ——— :

"ہائے اللہ چاہے کچھ بھی ہو خطرہ تو ٹل گیا!" زرینہ نے اطمینان کا سانس لیا

سب مل کر جب ہال میں داخل ہوئے تو دیکھا بیگم ریاض گودام سے بکس نکلوا رہی ہیں اور کپڑے دھوپ میں پھیلوا رہی ہیں ——— جہیز تو پانچوں کا تیار تھا، مارے خوشی کے اُن کے منھ سے بات نہیں نکلتی ——— رہ رہ کر بھائی بھاوج دعائیں دے رہی ہیں کہ اِن کا خیال ہے آفتاب کے سارے قرضے انھوں ہی نے چکائے ہیں۔

اکیسواں پردہ

قسمت کا معیار!

ابتدا سے جب سے مسٹر ریاض نوکر ہوئے تھے ان کا ہر وقت ارادہ ہوتا تھا کہ کچھ نہ کچھ پس انداز ضرور کیا کریں لیکن افسوس کہ وہ ہمیشہ اپنے اس ارادہ میں ناکام ہوتے رہے کوئی نہ کوئی ایسی بات ہو جاتی تھی کہ وہ مجبور ہو جاتے اور روپیہ خرچ ہو جاتا، شادی ہوئی تو انھوں نے سوچا کہ بیگم حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت میں عورت کی سب سے بڑی خصوصیت کفایت شعاری کی بھی حامل ہوں گی لیکن ایسا نہ ہُوا —— بات دل کی دل میں رہی بلکہ بات کچھ اور بھی بگڑ گئی! اور اب جب بیٹیوں کے بیاہنے کا وقت آیا تو ویسے تو پورا پورا جہیز تذ کا تذ کا سوئی تیار تھا مگر نقد رقم اتنی زیادہ نہ تھی کہ مرزا شہریار یا نواب خسرو ایسے دامادوں کی آرزو کی جاتی، اگرچہ یہ بھی ایک حقیقت سہی کہ تیار شدہ جہیز ہزاروں تک پہنچتا تھا اور ایک نہیں دو نہیں پوری پانچ لڑکیوں کا جہیز اور اس قدر تفصیلی جہیز مذاق نہیں، ہنسی کھیل نہیں لیکن کون سمجھائے زمانہ کو آج کل تو نقد رقم پر اور مستقل آمدنی پر لڑکے والوں کی نظریں ہوتی ہیں۔ چنانچہ اب عذرا کیلیے آخر ماموں مقصود کو کھڑا ہونا پڑا اور یہ بات شیریں کے دل کو بڑی چبھا کرتی تھی۔

بیگم ریاض کو شکایت تھی کہ آمدنی محدود نہیں ہے تو ماشاء اللہ خرچ کب محدود ہے روز آنا آیا گیا لگا رہتا ہے لہذا پھل اور مٹھائی کا بندھا پانچ روپیہ دس روپیہ روزانہ کا خرچ ہُوا پھر ہر وقت ایک نہ ایک چیز اچھی بکتی ہوئی —— غرض کہاں تک کوئی بتائے ہر طرف خرچ ہی خرچ نظر آتا ہے اور اس پر الزام یہ کہ پیسہ کیوں نہیں جمع ہوتا۔

مز۔ تو بابا یہ تم جانو اور تمھاری منطق، منھ لپیٹ کر جنگل چلے چلو نہ وہاں کوئی آئیگا نہ جائیگا مزے میں سو رہے بیٹھے سری رام سری رام کیا کروگے!" انھوں نے جلدی جلدی ڈلی کاٹنی شروع کی" اے ہے تو وہ کہے جس کے

آ گئے ناکھو نہ پیچھے پگھا ہوئے تو بہن اور سنو۔" انھوں نے بیگم خان بہادر کو ٹھوکا دیا "ہر وقت کی موئی یہی داستان کل کل ہے کہ روپیہ کیوں نہیں جمع ہوتا روپیہ کیوں جمع ہوتا اور لو زمانہ کو دیکھو روپیہ موا ٹھیکری ہو گیا مگر ——— مردوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ آخر روپیہ جمع ہو تو کیسے ہو۔"

"سچی بات تو یہ ہے بہن!" بیگم خان بہادر بولیں "آجکل پیسہ میں برکت اُڑ لئی ہے کوئی کہاں تک بھوگے اس موئی مہنگائی نے تو برکت پر وہ جھاڑو پھیری ہے کہ معاذاللہ ——— معاذاللہ!"

اور پھر بات پھسل گئی۔ عذرا ادھر ادھر ہوتے ہوتے بیگم سوچنے لگیں شادی کے لیے کون سا مکان لیا جائے جس میں کچھ دنوں دونوں کو ٹھہرایا جا سکے، یہاں کچھ دنوں بعد ہی آئیں کہ صرف کنواری کنواری اور پھر بڑی بہنیں ہیں نہ جانے ان پر کیا اثر ہو۔

یہی بات جب انھوں نے مسٹر ریاض کے سامنے کی تو وہ بولے

"بیگم کچھ یہ بھی سوچا ہے کہ "کاشانہ" والوں کی رائے کیا ہو گی؟" اور اس پر ایک لمبی چوڑی اور گرم گرم بحث ہو گئی، بیگم ان سے اب مایوس ہو چکی تھیں لہٰذا ہر وقت دانت تیز کرتی رہتی تھیں۔

شیریں کو اب رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا کہ اُس نے گھبراہٹ میں اتنا بڑا راز خسرو کو بتایا یہ سخت نامناسب تھا اس لیے کہ بات آخر دب گئی، آئی گئی ہو گئی اور وہ اب ایک میاں بیوی کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ داماد کی حیثیت سے آنے والے ہیں۔

دوسرے یہ کہ خسرو میں کون سا خلوص تھا اور بالخصوص اس کے انکار کرنے کے بعد؟ کہ اس کو ایسی بات بتادی گئی، وہ اب پھر اس خاندان سے وابستہ ہونے سے رہا، روپ نگر والی بات تو یونہی ختم ہو کر رہ گئی اور اس کے بعد تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں

ہوتا، حالانکہ اس دوران میں اسے خاصی امید سی ہو چلی تھی۔ بالخصوص رخسانہ کا برتاؤ بڑا خاص ہوا کرتا تھا

اور یہ سوچ کر وہ روئے بغیر نہ رہتی کہ اس بدنامی سے خسرو کی کتنی بڑی ہمیت ہوئی ہے ——— کم ذات لوگ آخر کم ذات ہوتے ہیں ——— اور پھر مہاجروں کو پاکستان میں کون سا مقام مل گیا ہے، وہ زمانے گذر گیے، جب مہاجروں کی خاطر انصار بیویاں ہٹانے سے دریغ نہ کرتے تھے، اب تو بس چلے تو انصار پاکستان مہاجرین پاکستان کو ——— یعنی معماران پاکستان کو ——— یوں نکال پھینک دیں کہ کوئی دودھ سے مکھی کیا نکال کر پھینک سکتا ہوگا؟

بے چارے مہاجرین! اس کا دل تڑپنے لگا

کہ دنیا میں اب معیار اسی کا ہے کہ جھوٹ پر جھوٹ بولو، پروپیگنڈا پر پروپیگنڈا کرو ——— تب کوئی مقام پاؤ! چاہے وہاں ٹوٹا پھوٹا مکان رہا ہو مگر دو لاکھ سے کم کی کوٹھی نہ بتانا خواہ لاکھ کا اندازہ خواب میں اور نسلوں میں کسی کو نہ ہو ——— جھوٹ بولنے پر یوں اترو کہ دھڑلے سے کہہ دینا ہمارے گھر میں ایر وڈ روم تھا! اور اس طرح مہاجرین کی حماقت آمیزیوں پر مہر صداقت ثبت کر دینا!

اور جو لوگ نہیں پاتا ——— اس کو دنیا میں شریف کون سمجھے گا؟

——— آج کل تو دنیا کو جوتے مار کر اپنی اہمیت آپ جتاؤ ——— منواؤ تو ٹھیک ہے ——— یعنی الو سیدھا ہے!!!

شیریں کو اب یوں افسوس ہونے لگا تھا کہ جہاں تک وہ غور کرتی یوں لگتا جیسے وہ اور خسرو ایک دوسرے کے لیئے پیدا ہوئے ہیں اور یہ چپ چپ سنجیدہ سنجیدہ

اپنے آپ میں لیے دیے رہنے کی عادت ــــــ اُسے یقین تھا کہ وہ اس کو بالکل اور یکسر ایک سرے سے بدل سکتی ہے!

مگر ــــــ مگر اب اس قسم کے خیالات سے فائدہ؟

عذرا کے متعلق یہ طے ہو چکا تھا کہ وہ اور آفتاب شادی کے دوسرے دن آ رہے ہیں

جس دن انھیں آنا تھا گھر میں عجیب ہماہمی تھی، کار ــــــ گڑھ تک بھیجی جا چکی تھی اور تو سب خیر مگر خالدہ کو بے حد انتظار تھا، ہر ہارن پر چونک جاتی حالانکہ اِن کی کار کا ہارن بالکل الگ سا تھا، بیگم ریاض سب سے زیادہ مسرور تھیں کہ آج اُن کی ایک بیٹی تو شادی شدہ تھی اور ایک داماد تو گھر آ رہا تھا ــــــ!

مسٹر ریاض ڈرائنگ روم میں چپ چاپ بیٹھے سگار پی رہے تھے اور اخبار پڑھ رہے تھے کار کے رکنے کی آواز آئی اور فوراً عذرا کے قہقہے سے برآمدہ گونج اٹھا ــــــ "امّی ی ی پیاری ی!" ایک ادائے خاص سے وہ لپکی اور ماں سے چمٹ گئی ــــــ

"میری جان!" اور اس کے بعد اُن کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں

"آداب عرض کرتا ہوں امّی جان!" آفتاب نے مسکرا کر کہا، چہرہ مسرتوں کے اژدھام سے جگمگا رہا تھا!

مسٹر ریاض سے دونوں ملے تو انھوں نے خاموشی سے ہاتھ اٹھا دیا اور کچھ نہ بولے اور پھر جھک کر اخبار پڑھنے لگے، نسرین اور زرینہ یہ دیکھ کر بوکھلا گئیں عذرا اس احساس سے جیسے بے خبر ایک ایک بہن سے ملی اور اس طرح آفتاب بھی!

"افوہ! توبہ عذرا، آخر عذرا ہی ہے ——— اب بھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں ——— ویسی ہی الّھڑ، نادان، دل پھینک، وحشی، ادھگڑ، شوریدہ سر اور نڈر! شیریں نے سوچا، وہ سب سے یوں مل رہی تھی جیسے کوئی حادثہ ہوا ہی نہیں! کوئی بات ہوئی ہی نہیں، اور آفتاب بھی ویسا ہی خوش مزاج اور خوش طبع تھا

شیریں زرینہ کے اس دیدہ دلیری پر پسینے چھوٹ گئے!!

وہ دونوں یوں خوش تھے جیسے دنیا کے عظیم تر خزانے انھیں مل گئے ہوں!

مسٹر ریاض نے جب دیکھا کہ وہ بولے چلی جا رہی ہے، بولے چلی جا رہی ہے تو ابرؤں میں بل ڈال کر نظریں اوپر کو اٹھائیں اور بڑی ناگواری کا اظہار کیا مگر یہاں کس کو دیکھنے کی فرصت تھی؟ وہ بولتی چلی گئی ——— آخر شیریں سے نہ رہا گیا وہ اُٹھ کر باہر چلی گئی۔

کھانے کے کمرہ میں سب کی آوازیں سن کر وہ پہنچی تو زرینہ بھی اس کے ساتھ تھی!

عذرا نے زور سے آواز دی

"میں نے کہا باجی زریں یہاں آیئے! ادھر بیٹھیے ——— اب امی کے پاس میں بٹھا کر دن گی، بھئی میں شادی شدہ ہوں اور تم سب لڑکیاں بالیاں"! اور پھر جو آفتاب کے منہ پر آفتاب کی تعریفیں شروع کی ہیں تو شیریں زریں بولا گئے۔

دوپہر کا وقت تھا، شیریں زریں بالائی منزل میں اپنے اپنے پلنگ پر ذری کے ذری لیٹے تھے کہ عذرا آئی ———

"اے میں نے کہا آپا شیریں آپ سوگئیں"! اور پاس لیٹ گئی "بھئی آپی اب ہم

کل چلے جائیں گے پھر سو لیجیے گا، میں نے آفتاب سے کہا کہ جاؤ تم طارق سے مل آؤ میں ذرا اپنی آپی سے آج باتیں کروں گی! اور اپا ایمان سے کتنے پیارے اور نیک ہیں میرے آفتاب کہ فوراً کپڑے پہنے اور چل دیئے، ہے نا آپی کس قدر خوبصورت، کیسے عالی خاندان اور عالی ظرف؟" شیریں نے مسکرا کر تصدیق کی تو خوش ہو کر عذرا بولی" آپی آپ نے مجھ سے شادی کی تفصیلات نہیں پوچھیں ——— اپا افضل پور میں یادگار شادی تھی ہماری ——— بھائی جان خسرو جس شادی میں دولہا والے ہوں وہاں ———"

"کیا کہا خسرو؟" شیریں چونک کر اٹھ بیٹھی "یہی کہا نا تم نے؟"

"ہائے میرے اللہ!" عذرا نے ہونٹ کافی زور سے کاٹ لیے "اُف توبہ ہے آپی! میں کتنی بری ہوں ——— اگر آفتاب سنیں گے تو مجھے مار ڈالیں گے!"

"مار ڈالیں گے تبھی نا جب کوئی انہیں بتانے جائے گا" زریں بھی اٹھ بیٹھی "اے خسرو کیسے دولہا والے ہو گئے؟ بھلا شیریں سنا کچھ اس پگلی کی بات خسرو اور آفتاب کی طرف سے شادی میں شریک؟ میں کہتی ہوں عذری بھئی دھونس تو تمہاری یہ ہے کہ ہاں ہاں خبردار ہمیں کچھ نہ بولو، ہم شادی شدہ ہیں ——— اور جھوٹ اتنا؟" عذری نے بگڑ کر کہا

"تو بھئی حلف سو گئی ——— اب ہم شادی کے بعد بھی جھوٹ بولیں گے؟ اے بابا ماحی سے تصدیق کر لینا ——— افسوس اس وجہ سے ہوا ہے کہ جناب میں بھائی جان خسرو سے وعدہ کر چکی تھی کہ میں یہ راز ہرگز نہ بتاؤں گی انہوں نے تو میرے نام اپنا ایک مقطعہ لکھ دیا ہے اور ایک کوٹھی باغ سمیت آفتاب کو دی ہے ——— ہم لوگ اپنی چھٹیاں وہیں گزارا کریں گے ——— آئیں گی نا آپ لوگ؟" شیریں

سارے وقت کبھی اسے اور کبھی زریں کو دیکھتی رہی، اسی طرح زریں کبھی اس کو کبھی شیریں کو۔

"تو آخر وہ آئے کیسے اور آفتاب سے دشمنی کیسے ختم ہو گئی"؟

"ہو گئی ـــــ جیسے ایک بھائی کی اپنی بہن کی خاطر ختم ہو جاتی ہے ـ

باجی جان دیکھنے کا منظر تھا، جب وہ ہم سے ملے رہیں اور مجھے رخصت کیا ہے!

ہائے کتنے پیارے ہیں میرے کچو بھائی جان ـ!"

"اللہ رے عذرا"! زریں جل گئی "بھئی سچ ہے آگے کے کانوں سے پیچھے کے سینگ تیز ہوتے ہیں ـ ـ ـ تمھیں کیسی کیسی باتیں بنانی آتی ہیں"؟

شیریں کو کسی عنوان عذرا پر اعتبار نہ آتا تھا آخر اُس نے بیگم مقصود کو خط لکھا انھوں نے تفصیلات بھیجیں اور نہ صرف تصدیق کی بلکہ بتایا کہ اُن کا خسرو سے وعدہ تھا کہ وہ یہ بات کسی کو بالخصوص شیریں کو نہ بتائیں گی آخر میں لکھا تھا :ـ

○ عزیز ترین شیریں! تم جانتی ہو مجھے خسرو سے ایک خاص لگاؤ ہے اور یہ لگاؤ اور بھی زیادہ ہو گیا، جب اس نے مجھے بتایا کہ تمھارے انکار کے باوجود اُس کے دل میں تمھارا بڑا مقام ہے تمھارے کرداری بعض خصوصیات (جن کو آپا جان صاحبہ عام طور پر خامیاں بتایا کرتی ہیں) اُس کے دل میں گھر کر چکی ہیں، رہ گئی اُس کے مزاج کی خشونت اور خشکی تو مجھے یقین ہے شیریں تمھاری محبت اور خلوص کا رس پا کر یہ ریگستان نخلستان میں تبدیل ہو جائے گا

○ اب یہ سوال کہ وہ اکڑتا کیوں ہے؟ تو بابا میں یہی کہوں گی تم خود کچھ کم نہیں ہو۔ ـــــ اکڑتا! مجھے یوں لگتا ہے جیسے تمسین

ہو کر رہ گیا ہے"

"مخلص تمہاری حمائی"

خط کا مضمون ! شیریں نے نہ جانے کتنی بار پڑھا اور بالخصوص آخری حصّہ تو اتنا پڑھا کر حافظ ہو گئی، خسرو اس کی آنکھوں کے سامنے کھڑا تھا، مسکراتا، مسکراہٹیں بکھیرتا سگریٹ کا دھواں اُڑاتا مردانگی اور حسنِ شہانہ کا مجسمہ بنا ہوا!

"اوفوہ ! تو اس تنِ مردہ میں جان باقی ہے، کیا ایسا بھی ممکن ہے کہ ......

اس میں اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ "سوچ" بھی سکے کہ "پھر سے کوئی بات ہو سکتی ہے"!

وہ ایک ایسے عالم میں تھی کہ جس کو نہ مسرت کا عالم کہا جا سکتا ہے نہ درد کا عالم! ایک دھند تھی —— ایک کشمکش —— ایک عالم گومگو! اور دل میں ایک کرن پھوٹی —— !

تو کیا زریں کے لیے خسرو کچھ ——

اور اس کا جی چاہا اپنا منھ پیٹ لے "!

"ہائے اللہ ! ذرا سی امید بندھی اور محل تیار ہو گیا !

مگر —— مگر پھر دل مچل گیا ——

تو آخر —— آخر پھر کیوں —— پھر کیوں وہ اتنی مصیبت بلکہ صحیح معنوں میں اہانت برداشت کر کے ایک ایسے زخم کو چھپا لیا جو معمولی نہ تھا بلکہ ناسور بن چکا تھا ——

اور اسے جھرجھری آگئی ——

اور ساتھ ہی خلوص محبت اور قلبی تاثر کی وجہ سے وہ چشم پرنم ہو گئی!

اُسے یوں محسوس ہُوا کہ خسرو سامنے کھڑا ہے، وہی دلکش پرسکون مسکراہٹ اور لیا، ہائیں —— ! اُس کی آنکھیں نہیں اُٹھ رہی تھی !

ایک سوال اُس کے دل میں پیدا ہُوا

"کیا یہ سب میری خاطر ہے !" —— اور وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکی "تو پھر وہ ایسے شخص کا بہنوائی ہونا گوارا کرے گا جس کے یہ یہ گن اوگن رہیں !"

اُس نے پھر خط پڑھا

"اور وہ غرور کہاں گیا ؟ تو اب وہ اپنی شخصیت کا صحیح استعمال کرنے لگا ہے ——"

اور اس کی مارے خوشی کے ہلکی سی چیخ نکل گئی !

عذرا کی واپسی بھی خاص منظر تھا اور اس کی جان عذرا کا ایک جملہ کہ ماں کے کہنے پر کہہ :-

"عذرا بیٹی خطوط پابندی سے لکھا کرنا، ہائے میری جان تو کتنی دُور جا رہی ہے اس پر میرا دل کیسے کیسے روتا ہے کیا کہوں !" اور ان کا ہونٹ لبک گیا —— ! سسکیاں اُونچی اُونچی نکل گئیں

عذرا بولی

"امّی جان ! صاف گوئی معاف اب مَیں ماشاءاللہ گھر والی ہوں، بوی ہوں میری مصروفیات کو صرف آپ سمجھ سکتی ہیں، ہاں میری بہنیں کنواریاں ہیں انھیں اور کیا کام ہو سکتا ہے ؟" مسٹر ریاض مسکرائے بغیر نہ رہ سکے اور سب بہنیں بھی چاروناچار

مسکرائیں ——

غرض جب رخصتی ہو گئی تو مسٹر ریاض نے چرٹ جلاتے ہوئے کہا "بھئی جا ہے اور کچھ ہو آفتاب کی شخصیت بڑی پُر اثر ہے وہ خواہ کیسا ہی ہو صحبت ایسی پیدا کر دیتا ہے کہ اس کی اداؤں پر پیار آجاتا ہے کس قدر خلوص اور شرافت دکھائی ہے کہ کسی کو اُس کے متعلق بھول کر بھی خیال نہیں آسکتا کہ وہ اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے! بہر حال بیگم ——" انہوں نے جلدی جلدی کش لیے "ماننا پڑے گا سب کو کہ خان بہادر کے داماد سے میرا داماد بہر حال بہت بڑھیا ہے!"

بڑھیا کے لفظ پر سب ہنس پڑے لیکن بیگم نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ تو ہوا لیکن ابھی یہ چار پہاڑ ہیں!" مسٹر ریاض نے ہنس کر کہا "بیگم تم اس جغرافیہ کی فکر نہ کرو —— میں نے پہلے بھی کہا ہے ع

وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے"

بیگم نے جل کر دیکھا اور گردن توڑ کر بولیں۔

"ہوں ں ں! کیا کہنے ہیں تمہارے —— وہ تو کہو میری کوشش نہ ہوتی تو کام بن چکا ہوتا —— آپ ہاتھ نہیں ہلائیں گے اور منھ میں نوالہ آپڑے گا!" مسٹر ریاض چپکے سے اٹھے اور لائبریری میں آ گئے۔

بیگم پھر سے آئیں تو سیدھے اندر لائبریری میں گئیں اور ہانپتی ہوئی پھٹ پڑیں "اے لو چلو تیار ہو جاؤ —— میں کہتی ہوں تیار ہو جاؤ شاید اللہ دن پھیر دے ——!"

"مگر آخر" ! انھوں نے عینک کے اُوپر سے دیکھا "کیا بات ہے" ؟

بات کیا ہے، لو سنو ! تمھیں نہیں معلوم" ؟ ——— اور خود ہی بول پڑیں" اے وہ مرزا شہریار آیا ہے ——— اور شکر ہے اکیلا آیا ہے اب ذرا جا کر مل آؤ" مسٹر ریاض نے بغور بیگم کو دیکھا اور اِن کے نتھنے بھول گئے !

"مَیں نے کہا بیگم !" آواز بری دیپنگ تھی "مجھے معاف کرو ! ایک بار تمھارے ہی کہنے پر خاصا ذلیل ہو چکا ہوں ——— خاصا ذلیل !" ———

"بیگم صاب مَیں آجاؤں ؟" جھبکے بولا

"کون ہے" ! بیگم کڑکیں

"جی مَیں ———" اس نے دروازہ کھول لیا "جی میں ہوں بیگم صاب" !

"اے تو آ بھی جا ———" ! وہ اندر چلا گیا "کیا ہے" ؟

"جی ی ——— وہ ——— وہ بہت بڑا صاب لوگ آیا ہے"

"اے کون ؟ بیگم جھنجلا ئیں !" صاف کیوں نہیں کہتا "

"جی ی بیگم صاب وہ جو بہت بڑا صاب لوگ ہیں نا ——— وہ بیگم صاب بڑا بڑا بند ہین کر جو لوگ آیا کرتی تھیں" !

"کہیں تمھارے مرزو لٹے نہ آئے ہوں ! مسٹر ریاض کو تو مذاق ہر وقت سوجھتا ہے"

"اللہ توبہ تمھیں تو بنانے ہیں مزہ آتا ہے" گردن جھٹک کر نکلیں تو دیکھا حیران رہ گئیں واقعی شہریار اور خسرو ڈرائنگ روم بیٹھے تھے اور شیریں اور فوطیہ وہاں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں، بیگم کی باچھیں کھل گئیں،

"اے لو سچ مچ بیٹا تم لوگ آئے ہو ——— مَیں اس موئے جھبکے کی بات

کا یقین ہی نہیں کرتی تھی ———— اور بوکھلا کر جھٹکے سے کہا "خدا دیکھ تو بی بی زرینہ کہاں ہے ؟ اسے ابھی تک نہیں آئی آخر بات کیا ہے ؟"

وہی والہیت اور وہی خوش دلی، وہی قہقہے اور وہی مسرتیں !

اور خسرو اُسی طرح ہاں ہوں سے آگے نہ بڑھا

شیریں کی نظر جب پہلے پڑی تو اس کی رنگت سفید پڑ گئی تھی "اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ خسرو خط لیے کھڑا ہے ———— بلکہ ایک دفعہ اُس نے آنکھ بھی جھپکائی ———— "

لیکن پھر حسن عقیدت کی ایک تیز لہر اُس کے چہرہ پہ دوڑ گئی اور سرخیوں کے بادلوں والی آنکھیں ستاروں کی طرح چمک اٹھیں !

اور "رویہ" دیکھنے کے لیے تیار ہو گئی کہ اب کیا اور کیسا ہو گا ؟

وہ ہمیشہ کی طرح خاموش اور سنجیدہ، کاشانہ آکر وہ پھر کاشانہ جیسا ہو گیا ———— وہ "قصرِ کسریٰ" والی بات ہی نہ تھی، اور اُس نے اس برتاؤ کو اپنی والدہ کی (اس کے نزدیک کم از کم) ناقابلِ برداشت حرکات پر محمول کیا ——

بیگم ریاض کا ہر ہنیتر "پھانسنے" والا ہوتا تھا اور بے حد توہین انگیز ہوتا یوں کہ وہ حدود سے گذر جاتیں ———— اور حد سے گزرنے کا نتیجہ ہمیشہ فطری طور پر "ناکامی" کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا !

بالخصوص جب انھوں نے عذرا کی شادی پر فخریہ تبصرہ شروع کیا تو شیریں زریں دونوں کانپ گئیں اور شیریں خصوصاً بُری طرح کانپی کہ معاذ اللہ !

اور سوچنے لگی کاش وہ خط اُس نے سب کو دکھا دیا ہوتا اور شرم سے اُس کی

پلکیں بوجھل ہو گئیں، خسرو کے ظرف کی داد نہ دینی گناہ تھی کہ وہ برابر یہ سب کچھ سنتے جا رہا تھا۔

بالآخر ایک لذیذ ترین چائے کے بعد یہ طے ہوا کہ سہ شنبہ کو رات کا کھانا یہیں ہو گا!

شیریں نے زرینہ کو چھیڑا۔

"آپی —— بھئی ایک بات کہوں گی بُرا نہ ماننا!"

"کیا" زریں کوٹی اُتارتے اتارتے رک گئی —— آج ایکبار پھر اُسے بیگم ریاض نے زبردستی خاصے اچھے کپڑے پہنوائے تھے —— حالانکہ وہ اب یہ طے کر چکی تھی کہ بس اب وہ کبھی کسی اور "ہوا" کو ہوا نہ دے گی!

"میرا خیال ہے —— جب سمندر کنارے کائی پہ پاؤں پڑے گا —— پاؤں پھسل جائے گا، نا آپی؟ زرینہ پردے کے پیچھے قمیض اُتار رہی تھی اس کے خوبصورت جسم کا خوبصورت سایہ دیوار پر پڑ رہا تھا، دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھے ہوئے تھے۔

"اوفوہ! جان شنو! تمھیں کیسے یقین دلاؤں، میں کہتی ہوں میں ہرگز ہرگز اس کے لیے تیار نہیں ہوں کہ ایکبار اور دھوکا کھا جاؤں!"

"ٹھیک ہے ——!" شیریں نے آرام سے صوفے پر پھیلتے ہوئے کہا "میں بس یہی چاہتی تھی —— اور چاہتی ہوں —— !"

اور چاہتی بھی رہو گی ——!"

"ہوں ں ں! اگر چاہنا پڑے گا تو بہ —— آپی چاہ لینا زیادہ اچھا رہے گا!"

"اور پھر چاہ میں ہوتا کیا ہے —— سر پیر ہوتے ہیں؟" اور دونوں مسکرا

پڑیں۔

اب وہ لوگ ہر دوسرے چوتھے آنے لگے تھے اور خسرو کے طرزِ عمل میں وہی پچھلے سال والی بات گہری سے گہری ہوتی جاتی تھی ——— "

"تو جب اُسے خاموش ہی رہنا ہوتا ہے تو؟" وہ جلبلاتی جاتی "ہائے اللہ تو یہ انسان آتا ہی کیوں ہے!"

"امّی اور ماموں کے ہونٹ خشک نہیں ہوتے، کہ ایسا ہے، ویسا ہے۔ یوں ہے، ووں ہے ——— لیکن ؟ لیکن ایک میں ہی رہ گئی ہوں کہ مجھے یہ خوشی نصیب نہ ہو؟ اور پھر اگر مجھے پریشان کرتا ہے تو یہ آ مرے کیوں؟ ہائے ظالم ظالم ظالم!" وہ جھنجلا جاتی ——— لیکن بے بسی کے آگے کس کا چراغ جلا ہے!

سہ شنبہ آیا ——— اور شیریں سوچتی رہی کہ آج تو شاید کھل جائے! مگر دوسری لڑکیوں کے جھرمٹ میں وہ کھویا رہا، جب بھی اِس نے آنکھ اٹھائی وہ دوسروں کے حلقہ میں تھا ——— اور یہ لب نہ کھول سکی،

کھانے پر میز اِن دونوں کے درمیان ایک ناقابلِ عبور خلیج بن گیا اور سارے وقت اُس کے حلق میں نوالہ پھنستا رہا، جس کو بڑی مشکل سے اُس نے پانی کے سہارے اُتارا

"تو یہ بات ہے" وہ جل گئی "یہ میری خاطر نہیں، شاید اپنے دوست کی حفاظت کی خاطر یہاں آیا جاتا ہے؟" اور اس نے کافی پیالی کی بجائے دودھ دانی میں چھاننی شروع کر دی "تو میں بھی آج یہ قصّہ ختم کر دوں گی ——— اچھا کھیل ہے" اُس کا دِل گرم گرم کافی سے اور بھڑک گیا۔

وہ کھول رہی تھی کہ پیالی لیے ہوئے وہ پہنچا اور

"رخسانہ بھین اب کہاں ہیں"؟ اس نے جی کڑا کر کے بات چھیڑ دی

"روپ نگر ہیں"! مختصر جواب تھا

"تو کیا وہاں ابھی کوئی ٹھہرا ہوا ہے"؟ ایک بات اور کھینچ کھانچ کر لائی گئی

"ہاں، ریحانہ وغیرہ وہاں ہیں"! اور پھر خاموشی —— اتنے میں شمسہ نے آکر بلایا اور یہ ریشمی چادر لپیٹ لپٹا کر وہاں پہنچ گئی۔ شیریں کے آگ لگی ہوئی تھی اب شعلے بھڑکنے لگے

"لو چوپلا دیکھو! بات ہم نے چھیڑی بھی تو ٹال دی گئی —— حالانکہ بہانہ ٹٹولتی ہے دنیا —— اور اس نے واقعی سوچ ڈالا —— "تو پھر بات ختم ہو گئی —— ! امید کی آخری —— امید کی آخری کرن بھی ڈوب گئی"!

اس سے کمرہ میں ٹھہرا نہ گیا اور وہ گھبرا کر باہر نکل گئی —— اکیلی نہ جانے کب تک گلاب کی روشوں پر ٹہلتی رہی، نہ جانے کیا کچھ دماغ میں آیا اور نکل گیا"

تین دن کے وقفہ کے بعد جھمکے نے پھر خبر دی کہ "وہ بہت بڑا صاحب آیا ہے"! اور اب کی بار اکیلے شہر یار تھے، بیگم ریاض نے تو شکر کیا، انھیں اب خسرو سے تقریباً نفرت ہو گئی تھی، جیسے ہی سنا، ویسے ہی چلائیں اور زرینہ کو نو بردستی تیار کیا، آج شیریں صبح سے خط لکھنے میں لگی ہوئی تھی لہذا فوضیہ کو بھیج دیا کہ وہ استقبال کرے، خود آئیں، تو دیکھا خالدہ بھی بیٹھی ہے، زرینہ بھی آگئی

—— شہر یار نے ایکبار پھر عجیب والہیت کا اظہار کیا، بیگم ریاض نے نوشیبہ کے آنکھ ماری ابروؤں سے اشارہ کیا اور جب اُس نے نوٹس نہ لیا تو اٹھ کھڑی ہوئیں

"بیٹا شہر یار آج بڑے موقع پر پہنچے —— تمہارے لیے ایک خاص چیز پکی ہے! اسے خالدہ لے تو آنا بادام کی جالی! اور اس بہانہ اسے چلتا کیا اور پھر تھوڑی دیر بعد بڑبڑاتی ہوئی اٹھیں اور ——

"بیٹی نوشیبہ ذرا چلنا تو میرے ساتھ —— ایک کام ہے ——

دروازہ بھیڑتی چلی گئی۔

شیریں خط لکھ کر نیچے آئی اور کھانے کا کمرہ کھولا —— اور دھک سے رہ گئی؟

شہر یار کی تو شیرزینہ کی بُری گت تھی، سر کے بال الجھ چکے تھے لپ سٹک ساری اُتر چکی تھی، دوپٹہ بہا جا رہا تھا، شیریں پلٹ کر دراندے میں آئی تو زینہ نے اُسے آکر ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور بھاگتی ہوئی اُوپر پہنچی اور بے ساختہ لپٹ گئی

"شنو —— شنو جان! ہائے شنو پیاری تم خوش کیوں نہیں ہو؟ شہر یار نے آبا میاں کی منظوری لے لی!"

"منظوری! کیسی منظوری لے لی؟"

"اری شنو تو اتنی گدھی ہے" وہ خوشی سے پاگل ہوئی جا رہی تھی اور امی کو ڈھونڈتی نیچے اُتر گئی —— !

شیریں شہر یار کے پاس پہنچی، خلوص سے اُس کا چہرہ دمک رہا تھا

"شیریں بھنو! اُس نے لپک کر شیریں کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے خدا کا شکر

ہے تمہاری آپی مان گئیں — مجھے تمہارے اباجی کی منظوری کا اتنا دھڑکا نہ تھا جتنا تمہاری آپی کا،
شیریں — جلو گی نا ہمارے ساتھ بس اب ہفتہ عشرہ میں ہم تمہاری آپی کو کاشانہ لے جائیں گے" شہر یار خوشی سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

" بھیا جانی ! شیریں نے پیار سے اس کا بازو تھام لیا "مجھے کتنی خوشی ہے کہ مجھے آپ ایسا بھائی مل گیا —— ہم بھائی کے بغیر کتنے اُداس رہتے ہیں

دراصل زرینہ اور شہر یار دونوں کی فطرتیں ہر لحاظ سے ملتی تھیں اور چند ایک نمایاں ایسی خصوصیات تھیں جن کا ایک دوسرے میں فقدان تھا

مثلاً زرینہ میں صبر و تحمل تھا اور سلیقہ !

شہر یار میں بے صبری اور اصراف کوٹ کوٹ کر بھرا تھا !

شہر یار کو چیزیں خریدنے کا ملکہ تھا !

زرینہ میں چیزیں سجانے کا کمال !

معاملات کو الجھا لینا کوئی شہر یار سے پوچھے !

اور الجھنوں کو سلجھا لینا کوئی زرینہ سے سیکھے !

دراصل متاہل زندگی کی کامیابی کا راز یہی ہے کہ دونوں کی خامیاں دونوں کے لیے خوبیاں بن جائیں — چولیں کھٹاک سے ٹھیک بیٹھ جائیں گی اسی لیے فطرت اجتماع ضدین ہے

ہفتہ بھر کے اندر اندر منگنی کا جشن بھی اہتمام سے منایا گیا، اگرچہ شہر یار شادی پر مُصر تھا، لیکن بیگم ریاض تو سب کو دکھانا چاہتی تھیں "او روہ رے زمانے واہ" !

ابھی کہاں تو رنگا رنگ باتیں ہو رہی تھیں عذرا کی شادی کے متعلق اور مسٹر ریاض کا خاندان دنیا کا بدقسمت ترین خاندان تھا اور کہاں ابھی وہ دنیا کا خوش قسمت خاندان تھا۔

بائیسواں[۲۲] پردہ :-

دوستِ دل دشمنِ جاں

زرینہ کی منگنی کو کوئی تین دن ہوئے ہوں گے، شہریار بھی آیا ہوا تھا اور سب بے حد خوش و خرم بیٹھے تھے کہ چھکے نے اطلاع دی ایک بڑی چار گھوڑوں کی بگھی آئی ہے!

—— خالدہ بھاگی —————— اور آکر بتایا کہ اس میں تو ایک بہت ہی گوری چٹی اونچی پوری بیگم صاحبہ بیٹھی ہیں —— اور شیریں کو پوچھ رہی ہیں۔

شہریار نے زرینہ سے کہا

"نہ جانے زریں کون ہیں تم آؤ ہم تو اوپر چلتے ہیں!" دونوں اٹھ کر اوپر گئے کہ اتنے میں کھٹ کھٹ کرتیں کورٹ شو کھڑکاتیں، بیگم نواب سر قدر دروازہ میں داخل ہوئیں، شیریں چونک پڑی، خدا کا شکر ہوا کہ بیگم ریاض وہاں نہ تھیں وہ بادام کی پیوسی بنانے کے لیے باورچی خانہ میں گئی تھیں نہ دعا نہ سلام پوچھا۔

"مس ریاض میرا خیال ہے یہ تمہاری بہنیں ہیں!"

"جی ہاں!" شیریں نے جواب دیا

"بھئی تمہارا کمپونڈ تو بڑا ہی تنگ ہے، میری گاڑی بمشکل اندر آسکی"

"جی ہاں! کمپونڈ ہمارا تو اس جگہ پر کوٹھی سے بڑا ہے البتہ پورچ میں مشکل ہوتی ہے"

"ہاں —— میرا مطلب ہے —— پورچ ہی! انہیں سخت ناگوار ہوا کہ شیریں

نے بات کی تردید کر دی۔

"تمھاری ماں کہاں ہیں؟ مجھے اُن سے کچھ کہنا ہے" شیریں کو یہ طرزِ تخاطب کھل گیا، پیشانی پر بل ڈال کر بولی۔

"جی بی بی؟ والدہ صاحبہ؟ وہ میٹھا بنانے گئی ہیں" مارے حیرت کے بیگم کے منہ سے سگریٹ چھوٹ گیا

"ارے تو تمھارے ہاں خانساماں بھی نہیں ہے؟"

"جی بی بی ہے! بیرا بھی ہے مگر مٹھائیاں امی جان خود بناتی ہیں!"

"مگر کیوں؟ الخفیں سخت حیرانی تھی!"

"بات یہ ہے اپنا ہاتھ ——— کچھ ہوتا ہی خاص ہے" شیریں کی پیشانی پر بل بدستور تھے ——

"مگر خانساماں کس مرض کی دوا ہے؟ اچھا" کچھ دیر سوچ کر بولیں "تو پھر تم ذرا میرے ساتھ آجاؤ مجھے تم سے دو دو باتیں کرنی ہیں"

"تشریف رکھیئے ——— کہاں جائیں گی آپ!"

"اوفوہ! انھوں نے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی "بھئی یہ کمرہ مشرق رویہ ہے اور ——— بے حد تنگ ہے ——— یہاں تو دم گھٹ رہا ہے!"

"اچھا تو چلیئے باغ میں! شیریں کو سخت توہین محسوس ہوئی، اس لیے کہ اسی ڈرائنگ روم میں نہ جانے کتنے بڑے بڑے لوگ آچکے تھے۔ شہزادی روشن آرا کو تو اس کوٹھی میں یہی کمرہ پسند تھا!"

باغ میں جانے سے پہلے شیریں نے جھمکے سے کہکر چھاتہ منگوالیا۔

"فرمائیے!" شیریں کے لہجے میں تلخی تھی، جس کو نظرانداز کرتے ہوئے بیگم بولیں

"میرا خیال ہے مس ریاض میں یہاں کیوں آئی ہوں ؛ اس سوال کا جواب خود تمھارا دل دے رہا ہوگا!" شیریں نے حیران ہو کر اُوپر دیکھا

"جی ی ! آپ کو غلط فہمی ہے — معاف کیجیے مجھے ایسا کوئی خیال نہیں!"

"تو مس ریاض کان کھول کر سن لو تاکہ بعد کو تمھیں گلہ نہ رہ جائے — میں تم کو بتا دوں، میں جس قدر مہربان ہوتی ہوں اُسی قدر سخت بھی ہوتی ہوں!"

"مجھے اس میں شک نہیں!" شیریں نے کہا، لہجے میں دل کی مسکراہٹیں گھُل رہی تھیں

"بیچ میں مت بولو!" بیگم کڑکیں "میں یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ انسان جس رکابی میں کھائے اسی میں چھید کرے — میں نے شیروان گڑھ میں تمھاری حد سے زیادہ خاطر مدارت کی ہے — تو کیا تم یہ بھی بھلا بیٹھیں — اور میں یہ سننے کے لیے زندہ رہ گئی کہ تم نے میرے ہی بھانجے — میری مرحومہ بہن کی واحد نشانی کو تاکا"

"شیریں کو غصہ تو بڑا آیا مگر چپ ہو گئی، صرف اتنا پوچھا

"یعنی کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم میرے ہی بھانجے سے منسوب ہو گئیں ؛ اور منگنی بھی ہو گئی ہے ؛ کیا تم انکار کر سکتی ہو کہ نہیں ہوئی!" شیریں کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔

"آپ کا یہاں آنا اور اتنی مصیبت کے بعد — اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ افواہ غلط نہیں!"

"یعنی تمھیں انکار ہے ؛ تو پھر کم از کم ایسی افواہ کی خبر تو تمھارے کانوں میں پڑی ہوگی!"

"مجھے افسوس ہے آپ کو دکھ ہوگا مجھے ایسی کوئی اطلاع نہیں ملی!"

"تو پھر اس کی بنیاد کیا ہے آخر"؟ بیگم نے غصہ سے پوچھا

"سوال کرنا آپ کا کام ہے —— جواب اگر نہ دینا چاہوں تو مجھے اختیار ہے"! شیریں مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

"میں تم تیسرے درجہ کے خاندانوں کا حال خوب جانتی ہوں، چرتر دکھا کر لبھا لینا تم لوگوں کو خوب آتا ہے —— تم لوگ مہاجر نہیں ہو ڈاکو ہو ڈاکو —— تم نے اُسے یہ بھی بھول جانے پر مجبور کیا کہ اس کے اپنے خاندان پر کیا اثر پڑے گا، اگر وہ تم ایسی لڑکی سے شادی کرے گا"؟

"تو اس میں اگر آپ کو شک نہیں تو پھر ٹھیک ہے —— وہ کسی سے منسوب تو نہیں ہے"!

"منسوب کیسے نہیں"؟ بیگم چیخیں "وہ اپنی خالہ زاد بہن —— یعنی میری نادرہ سے منسوب ہے —— اور آج سے نہیں جب نادرہ پیدا ہوئی تھی تب میری پیاری مرحومہ بہن نے یہ رشتہ طے کیا تھا"!

"مگر میں نے تو نہیں کہا کہ وہ رشتہ توڑ دیں"! بیگم پھر دھاڑیں

"تو کیا دیوانے کتے نے اسے کاٹا تھا جو وہ یوں پاگل ہوتا پھرا"؟

"دیوانے ہوں اُن کے دشمن اگر وہ مجھے پسند کرتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ کو اس پر اعتراض ہو"!

"اوفوہ! ضدی لڑکی خدا تجھ سے سمجھے! تجھے شرم نہیں آتی: ارے تو یہ بھی نہیں سوچتی کہ تو کس سے بول رہی ہے"!

"میرا خیال ہے آپ بیٹھ جائیے"! شیریں اب تو پتا رڈ پر بہم ہو گئی لیکن ضبط کرکے

بولی "یوں کھڑے کھڑے آپ تھک بھی جائیں گی اور نہ جانے کیا کچھ کیجیے گا!"

"نہیں ہیں اس گھر میں بیٹھنا تو کیا کھڑے ہونا بھی گوارا نہیں کرسکتی —— نادان لڑکی سن لے میری بیٹی اور خسرو ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں کوئی تیسرا ان کے درمیان نہیں آسکتا، اور پھر یہ اس کے خاندان اور اس کی شرافت کا سوال ہے!"

"اچھا! اچھا اب خدا کے لیئے بس کیجیے، بہت ہو چکا، اگر آپ کا بھانجہ شریف انسان ہے، آپ یہ بھی نہ بھولیئے گا کہ میں بھی ایک شریف باپ کی بیٹی ہوں آج ہم مہاجر ہیں تو کیا ہوا دنیا جانتی ہے ہم کس خاندان اور کس شان اور آن کے ہیں!" شیریں کا چہرہ کانوں تک سُرخ ہو چکا تھا اور پھر اگر خسرو صاحب کا یہ خیال ہے تو آپ کی ایک نہ چلے گی اور ذرا شرافت کو بات چیت میں ہاتھ سے نہ جانے دیجیے گا!" اس جرأت پر بیگم سُرخ ہو گئیں۔

"مس ریاض مجھے سخت صدمہ پہنچا کہ تم اور ایسی ہو! اتنی ضدی، اتنی ہٹیلی؟ اور اب سن لو کان کھول کر!" وہ اور ڈٹ کر کھڑی ہو گئیں "میں اس وقت تک نہیں جاؤں گی جب تک تم وعدہ نہ کرو گی کہ تم اُسے چھوڑ دو گی!" شیریں مسکرائی

"آپ چاہے قیامت تک کھڑی رہیں، وعدہ آپ سے کوئی نہیں کروں گی!"

"یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟"

"جی ی ی!"

"تبھی مجھے حیران ہونے کی ضرورت نہیں —— میں جانتی ہوں جو کچھ تمہاری بہن اور آفتاب کے درمیان ہوا —— اور تمہاری ماں نے شہر یار کو کس طرح گھیرا —— تم لوگوں کی فنکاری کی داد دینی چاہیئے!" شیریں ایکدم سرخ ہو گئی۔

تقریباً چلّا کر بولی

"بس خبردار جو ایک بات آپ نے اور زبان سے نکالی، ہم نے شرافت کا جس قدر برتاؤ کیا آپ کو اور سہارا مل گیا، بکھاں کی بھی حد ہوتی ہے، ایک نہیں ہزار بار سن لیجیے ——— مجھے اُس سے کوئی جدا نہیں کر سکتا ——— جائیے اور جو جی میں آئے کیجیے!"

"بے شرم، بدتمیز، ضدی لڑکی!" انھوں نے دانت پیس ڈالے "اب تیرا علاج کرنا ہی پڑے گا۔"

"ہاں ہاں بڑے شوق سے کر لیجیے ——— ارمان نہ رہ جائے میں جانتی ہوں جس قدر بُری طبیعت کا آپ کا بھانجا ہے ——— لیکن شریف آدمی دل ہارا کرتے ہیں، زبان نہیں ہارا کرتے ——— اور یقین کیجیے ہم بہرحال آپ سے زیادہ شریف ہیں کہ کسی کے گھر جا کر دھونس نہیں جماتے ——— آپ امیر ہیں تو اس کے یہ معنی کب ہیں کہ جہاں جی چاہے چڑھ دوڑیئے!"

"اوہ! بدطینت!" اور دانت پیستی وہ باہر نکل گئیں

"لو بھئی میں نے کہا کہاں ہو؟" مسٹر ریاض نے آواز دی، صبح کی ڈاک آ چکی تھی اُن کے ہاتھ میں ایک خط تھا، اتفاق سے شیریں سامنے آ گئی وہ اُسے دیکھ کر مسکرائے اور ہاتھ پکڑ کر لائبریری میں لے گئے!

"میں نے کہا شیریں تم ہو بہت گہری، آخر چھپانے سے کیا حاصل؟"

"ابا میاں ——— کیسی بات؟"

"بیٹا ہم ہی سے؟ ارے ہم تو جوتے دیکھ کر پتہ چلا لیتے ہیں ———"

مسٹر ریاض نے چرٹ کا کش لیا "اچھا یہ تو بتاؤ منگنی تک طے ہوگئی اور ہمارے ہی کانوں کان خبر نہیں!"

"ابا میاں کس کی منگنی"؟ شیریں نے آنکھیں جھپکائیں

"کس کی منگنی کی بھی خوب ہی —— میں کہتا ہوں شیروان گڑھ میں تو خبر ہے ہم محروم ہیں"

"بھئی ابا میاں خدا کے لئے پہیلیاں نہ بجھوائیے!"

"اچھا تو یہ دیکھو سلمان کا خط آیا ہے اُس نے تمھاری خسرو کے ساتھ منگنی طے ہونے پر مبارک باد دی ہے!"

"ابا میاں آپ تو حد کرتے ہیں —— ذرا خط تو دیجیے!"

اور خط میں لکھا تھا کہ پچھلے ہفتہ خسرو نواب یہاں آئے تھے اور مجھے بتایا تھا کہ ہماری یعنی شیریں کی اور ان کی منگنی ہو چکی ہے!

ابھی شیریں کچھ جواب دینے نہ پائی تھی کہ بیگم ریاض نے آواز دی اور اس نے پہنچ کر دیکھا، شہریار کے ساتھ خسرو بھی ہے۔

دوپہر کے کھانے سے پہلے سیر کا پروگرام بنا، شہریار، خسرو، زرینہ، شیریں اور رضیہ چلے۔

شہریار اور زرینہ تو دوسری راہ چلے گئے، رضیہ کو خان کے گھر جانا تھا.....

لہذا خسرو شیریں اکیلے رہ گئے

کافی دور چلے گئے اور دونوں خاموش تھے، بالآخر شیریں نے طے کر لیا کہ اب وہ ضرور بولے گی —— لہذا بول پڑی

"خسرو صاحب! بڑی ہی زیادتی اور احسان فراموشی ہوگی اگر میں آپ کا شکریہ نہ ادا کروں۔" "یعنی؟" کوئی مجسم سوال ہو گیا۔

"یعنی یہ کہ آپ نے عذرا اور آفتاب کے ساتھ خلوص اور مہربانی کی حد کر دی!"

خسرو کے چہرہ پر ایک رنگ آیا ایک گیا۔ بغور دیکھ کر بولا

"تو بیگم مقصود ——— میرا مطلب ہے آپا سلمیٰ اس قدر بیٹ کی ہلکی ہیں؟"

"خدا کے لیے ان پر کوئی الزام نہ رکھیئے، عذرا نے خود ہی غلطی سے بتا دیا تھا لہٰذا اس کی تہہ تک پہنچنا ——— آپ جانتے ہیں پھر کیسے صبر کر سکتی تھی؟"

"مگر ——— شیریں عذرا بالکل رحمی کی بہن ہے ـــ الڑھ اور بیباک!"

"نہیں تو رحمی پیاری ہیں بے بی کہاں ہے؟" شیریں نے پیار اور خلوص آنکھوں میں بھر کر دیکھا، اس غریب کو تو بات کرنی نہیں آتی ——— اوہو! کتنی پیاری ہے ——— میں آپ کو بتا نہیں سکتی، مجھے وہاں سے اس گڑبڑ میں چلے آنے کا کس قدر افسوس تھا ———"

"بہر حال ——— کیا آپ میرے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں میرے خلوص قلب کو پڑھ نہ لیں گے" شیریں نے پھر نظریں دوچار کیں "میں آپ کو کیسے بتاؤں میں آپ کی کس قدر ممنون ہوں!" ایک صبیح مسکراہٹ نے اس کے سارے چہرہ کا ہالا کر لیا

"شیریں!" اُس نے ایک ٹھنڈی سانس لی ہونٹ کاٹ کر قدرے تیزی سے بولا "یہ سب تمہاری خاطر مجھے منظور ہوا ——— بحمد الیقین کر دمیں اب ہر بات سے بلند ہو چکا ہوں، میں نے آفتاب کو بھائی بنا لیا، اسے اپنی جاگیر کا دسواں حصہ لکھ

چکا ہوں اور —— اور ——"

"شیریں —! وہ برابر چلتے رہے —— خاموشیاں ان کے ساتھ ساتھ چلتی گئیں! یہاں تک کہ وہ مالٹوں کے باغ میں پہنچ گئے —

"اس نے ادھر اُدھر دیکھ کر یکایک شیریں کے بازو اپنی پوری مردانہ قوت سے پکڑ لیے، اور جھک کر آنکھوں میں جھانک کر بولا

"شیریں ——! میں نے ایک درخواست کی تھی اور تم نے بری طرح ٹھکرایا —— اس ٹھوکر نے میرے پندار کے صنم کدہ کو چور چور کر دیا ....

مجھے امید ہے سیاہ اندھے اندھیرے تعصبات نے تمہارے دل کو جکڑ لیا تھا اب اُتر نے بادلوں کی طرح چھٹ چکے ہوں گے —"

"آج شیریں میں پھر وہی کاسہ لیے تمہارے سامنے ہوں ——"

"تمہارا ایک لفظ —!"

"اور اگر تمہارا وہی جواب ہے ——"

"تو یقین کرو یہ بات آج ہی نہیں ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی"! شیریں کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی —— وہ حسن و غرور آڑے آگیا —— وہ سنبھل گئی، لیکن جذبِ محبت سے بے خود و بے تاب ہو کر اس کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا!

مسرتوں کا ایک بے کنار سمندر تھا کہ ٹھاٹھیں مار تا خسرو کے چہرے پر بڑھ رہا تھا! ایک نوجوان مرد ایسے موقع پر جس بے تابی اور خلوصِ قلب کی اتھاہ گہرائیوں سے داد دے سکتا ہے اس میں خسرو نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی!

کاش شیریں میں اتنی قوت ہوتی کہ وہ پلکیں اٹھا کر اس کا جائزہ لیتی!

اور پھر اس نے جو باتیں بنائی اور سوال کرنے شروع کیے تو انھیں پتہ ہی نہ چلا کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے جیسے تاسے لوٹ گئے تھے اور سنجیدگی بالائے طاق رہ گئی تھی۔

شیریں حیران تھی کہ یہ میٹھی میٹھی باتیں اتنی مدت کہاں چھپی رہیں؟

سب سے پہلے یہ خبر اس نے زرینہ کو سنائی اور اس نے کسی عنوان یقین کرنے کی گویا قسم کھالی! رفتہ رفتہ بات بیگم ریاض تک پہنچی اور پھر ریاض صاحب شریک ہو گئے اور انھوں نے یقین پیدا کیا۔ بیگم ریاض تو جیسے ہوش میں نہ تھیں دو دو لڑکیاں اور ایسے اونچے گھرانوں میں بس جائیں، بس خدا ہی کی شان ہے۔

دوسرے دن پھر دونوں سیر کے لیے چل دیے!

"شیریں تمھیں یاد ہے تم نے مجھے کیا کہا تھا؟"

"کب؟" وہ شرما کر مسکرائی

"جب لائق گردن زدنی قرار دیا گیا تھا" وہ ہنس پڑی

"ہائے اللہ اس بات کو اب بھول بھی جائیے!"

"نہیں جناب وہ میں عمر بھر نہیں بھول سکتا، آپ نے فرمایا تھا "کاش تم شریف آدمی کی طرح پیش آتے"!!

"غلط میں نے ایسا کبھی نہیں کہا، خسرو نے اس کے بالوں کی لٹ پکڑ کر انگلی کے اوپر لپیٹ لی اور قدرے کھینچ کر بولا:-

"نہیں تم سے کہا تھا؟"

"ہائے اللہ! اوہ چینچی" تو اسے یاد رکھنا کیا ضرور ہے" اس نے اسے اُسی لٹ سے پکڑ کر گود میں گرا لیا۔

"ضرورت یوں ہے کہ اس ایک جملہ نے میری کایا پلٹ دی! جانتی ہو اس کے بعد میں شریف بننے لگا ——— ورنہ ———"

"ورنہ شیریں تمھیں کیا معلوم" اس کا لہجہ غمگیں ہوتا گیا۔ میں اپنے ماں باپ کا چہیتا لڑکا تھا اور ایسا لاڈ پیار میں بگڑ چکا تھا کہ کبھی کرم کا نہ تھا۔ اس پر آبا مرحوم کی تاکید کہ خود کو ذرا بلند مرتبہ سمجھو، غضب ہو گیا ——— میں نے دنیا کو ہمیشہ غلط نقطہ نظر سے دیکھا اور خود کو ہمیشہ ساری دنیا سے بلند، ارفع اور اعلیٰ سمجھا"

"اور اب شیریں جان! تم جان شیریں بن جاؤ ——— اس دل میں ہی نہیں اس جسم میں حلول کر جاؤ ——— اور میری تلخیوں کو شیرینیوں میں تبدیل کر دو ———" اُس نے ایک جھٹکے سے اُسے پھر سے اپنی گود میں گرا لیا۔

"ہائے ——— بھئی ایسے نہیں" مگر اس نے زیادہ فریاد کی مہلت نہ دی۔

راستہ بھر ان کے درمیان خط سے لے کر بیگم نواب سرقدر تک باتیں ہوئیں۔ خسرو کو بے حد خوشی تھی کہ اس نے جس انداز سے شیریں کے متعلق پہلا نظریہ قائم کیا تھا وہ بے حد صحیح نکلا! ایک مغرور لڑکی، ایک مغرور لڑکے سے ٹکرا گئی، نتیجہ خاطر خواہ تھا"

"دلوں کی ملکہ کتنی عظیم ہوتی ہے، اور کتنی دلکش"

"ختم شُد"